مجموعۂ افادات

امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

ودیگر اکابر محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ

مؤلفہ تلمیذ علامہ کشمیری

حضرت مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری رحمہ اللہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان پاکستان

(061-4540513-4519240)

بسم الله الرحمن الرحیم
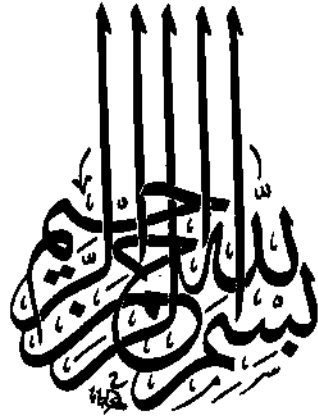
انوار الباری
۱۵
اردو شرح
صحیح البخاری

تقدمه

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده ونصلي على رسوله الكريم اما بعد

انوارالباری کی پندرھویں قسط پیش ہے۔اس میں آخری بحث ''رفع یدین'' پر ہے، جو اختلافی مسائل میں سے معرکۃ الآراء مسئلہ سمجھا جاتا ہے اور اسی لئے اس پر اکابرِ امت نے مستقل رسائل بھی لکھے ہیں، ہم نے امام بخاری اور حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیقات بھی اختصار کے ساتھ ذکر کر دی ہیں۔

قسط نمبر ۱۴، ۱۵۔ کافی تاخیر سے شائع ہو رہی ہے، اس کا سبب دوسرے نامساعد حالات کے علاوہ اپنی علالت وغیرہ بھی ہوئی، اب خدا کا شکر ہے تازہ دم ہو کر پھر سے کمر ہمت باندھی ہے، اور احباب افریقہ نے بھی حوصلہ افزائی کی ہے قسط نمبر ۱۶، ۱۷ کا بھی کافی مواد مہیا ہو چکا ہے۔ اور توقع ہے کہ اس موسم سرما میں ان دونوں کے مسودات بھی مرتب ہو کر کتابت کے مراحل طے کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

یہ بھی خیال ہوا تھا کہ آئندہ اقساط میں متن بخاری شریف اور ترجمہ کا التزام نہ کیا جائے، بلکہ صرف حدیثی مباحث اور اکابرِ امت کی تحقیقات عالیہ ہی پیش کر دی جائیں تا کہ مزید ۱۰، ۱۲ جلدوں میں شرح پوری ہو جائے مگر احباب افریقہ نے اس خیال سے اتفاق نہ کیا لہٰذا شرح بدستور متن بخاری و ترجمہ کے ساتھ ہی چلے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ و بہ نستعین۔

فضل الباری کا خیر مقدم

ہمارے اکابر دیوبند میں سے حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ بھی بڑے پایہ کے مفسر و محدث تھے، ان کے مشہور و معروف تفسیری فوائد اور فتح الملہم شرح صحیح مسلم عرصہ سے شائع شدہ ہیں۔ اب خدا کا شکر ہے ان کے زمانۂ قیام ڈابھیل کے امالی درس بخاری شریف کا بھی ایک مجموعہ ''فضل الباری'' کے نام سے ادارۂ علوم شرعیہ کراچی نے شائع کرنا شروع کیا ہے اور اس کی دو جلدیں ہمارے پاس بھی آ چکی ہیں، اس کے مرتب فاضل جلیل مولانا قاضی عبدالرحمٰن صاحب فاضل دیوبند مستحق مبارکباد ہیں کہ اتنے بڑے کام کی ذمہ داریاں سنبھالی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو کامیاب فرمائے۔ اور ان کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔ صفحہ نمبر ۴۹/ ا تا صفحہ نمبر ۷۳/ ا میں جو انہوں نے سوانح امام بخاریؒ ذکر کئے ہیں، ان کے بارے میں ہماری کچھ معروضات ہیں، خاص طور سے تعداد احادیث بخاری پر بھی کچھ لکھنا ہے واللہ الموفق:۔

تعداد احادیث بخاری

مکررات و معلقات وغیرہ سب کی مجموعی تعداد نو ہزار بیاسی (۹۰۸۲) لکھی ہے۔ حالانکہ حسب تحقیق حافظ صحیح تعداد ۹۰۷۹ (نو ہزار اناسی) ہے اس طرح کہ کل تعالیق ۱۳۴۱ اور متابعات ۳۴۱، باقی ۷۳۹۷ موصول ہیں۔

حافظ ابن حجر نے پہلے مقدمہ کی ترتیب و تالیف ۸۱۳ھ میں کی تھی، پھر تیس سال میں شرح لکھ کر ۸۴۲ھ میں ختم کی تھی۔ حافظ نے مقدمہ میں لکھا کہ ابن صلاح و نووی وغیرہ نے کل تعداد مع مکررات وغیرہ کے ۷۲۷۵ اور بغیر مکررات کے چار ہزار لکھی ہے، یہ غلط ہے، پھر حافظ نے ہر

باب کی احادیث صحیح طور سے شمار کر کے تین صفحات میں رد واصلاح کی اور ۷۲۷۵ کے عدد پر ۱۲۲ کا اضافہ کیا۔ لہٰذا کل ۷۳۹۷ ہوگئیں، پھر ہر باب کی تعالیق ومتابعات کو بھی نہایت احتیاط سے شمار کیا اور ۲ صفحات میں رد وقدح کر کے کل تعالیق کی تعداد ۱۳۴۱ اور متابعات کی تعداد ۳۴۱ منضبط کی۔ تینوں میزانوں کا مجموعہ ۹۰۷۹ ہوتا ہے، مگر حافظ سے یہ چوک ہوگئی کہ دو جگہ مقدمہ صفحہ ص ۴۶۵/ اور فتح الباری صفحہ ۱۳/ ۴۱۹ میں مجموعی تعداد ۹۰۸۲ درج کر دی، تیسری جگہ فتح صفحہ ۶۳/ امیں مجموعی تعداد کا کچھ ذکر نہیں کیا۔

سہو حافظ: ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے درسِ بخاری شریف میں حافظ کی اسی فروگذاشت کی طرف اشارہ فرمایا تھا کہ شمار مجموع میں تین کا فرق ہوگیا۔ اور یہ ایسا تسامح ہے کہ ہر شخص ہر وقت سہولت سے معلوم کر سکتا ہے، اور بظاہر یہ کاتب کی غلطی بھی نہیں ہے نہ حضرتؒ نے اس کو کاتب کی غلطی بتلائی ہے۔

دوسری بات یہ کہ حافظ نے صفحہ ۶۳/ امیں بغیر تکرار کی کل تعداد ۲۵۱۳ لکھی ہے، اور صرف معلق ومتابع کی تعداد بغیر تکرار کے ۱۶۰ بتلائی ہے۔ اس طرح غیر مکرر موصول کی خالص تعداد ۲۳۵۳ رہ جاتی ہے اور اسی لئے حافظ نے لکھا کہ چار ہزار کی بات بھی ابن صلاح وغیرہ کی درست نہیں ہے۔

مقدمہ فیض الباری صفحہ ۱/ ۳۸ میں جو مقدمۂ فتح الباری کے حوالہ سے احادیث موصولہ کی تعداد ۲۴۶۰ لکھی ہے اور اس بارے میں مقدمۂ قسطلانی کا حوالہ بھی محل نظر ہے، کیونکہ اصل مقدمہ فتح الباری میں یہ چیز نہیں ملی، پھر اس کی تلخیص قسطلانی میں کیسے چلی گئی؟

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ مرتب سوانح نے صفحہ ۱۷ میں جو مراد حضرت شاہ صاحبؒ کی سمجھی اور اس کی تغلیط کی، وہ صحیح نہیں۔ افسوس ہے کہ حضرتؒ کے علم وفضل اور تبحر وجامعیت سے پوری طرح واقف حضرات بھی شائع شدہ امالی کی اغلاط وتسامحات کو بے تکلف حضرتؒ کی طرف منسوب کر کے اعتراض کر دیتے ہیں، راقم الحروف نے متعدد بار صراحت کی ہے کہ حضرتؒ کے درس ترمذی وبخاری کے مطبوعہ امالی میں سے کوئی بھی حضرتؒ کے ملاحظہ سے نہیں گذرے اور نہ حضرتؒ نے کسی کے مضامین کی تصویب فرما کر ان کی ذمہ داری لی ہے اور درحقیقت ضبط وفہم کی نقائص، حوالوں کی اغلاط، تعبیری مسامحات اور دوسری قسم کی کوتاہیاں خاص طور سے حضرت کے امالی لکھنے والوں سے بہ کثرت ہوئی ہیں، اور اسی لئے فیض الباری کے مقدمہ میں تو علامہ بنوریؒ امر مذکور کی وضاحت اسی لئے کر دی تھی کہ حضرتؒ کی طرف غلطیوں کا انتساب نہ ہو، مگر بہت سے لوگ مقدمہ بھی نہیں پڑھتے، اور غلطیوں کو بھی حضرتؒ کی طرف منسوب کر کے اعتراض کر دیتے ہیں۔ یہاں بھی کتنی واضح بات تھی اور حضرتؒ کا اشارہ حافظ کے سہو کی طرف بالکل درست تھا، مگر کچھ بات تو فیض الباری کی تعبیری غلطیوں کی نذر ہوئی اور کچھ مرتب فضل الباری کے اعتراض وجواب سے مغالطہ میں پڑ گئی۔ اور حضرتؒ کے اصل مقصد اور مراد کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

افادہ: یہاں مناسب ہے کہ دوسری مشہور کتب صحاح سابقہ کا ذکر بھی بہ ترتیب تقدم وتاخر تالیفی وزمانی اجمالاً ایک جگہ کر دیا جائے:۔

(۱) کتاب الآثار امام اعظمؒ (م ۱۵۰ھ) بروایتِ امام محمد امام ابو یوسف وامام زفر وغیرہ جو چالیس ہزار احادیث وآثار کا انتخاب ہے۔ جو بقول علامہ سیوطی شافعیؒ (دور صحابہ کے بعد کہ وہ تالیفی دور نہ تھا) احادیث کا سب سے پہلا مجموعہ ہے، اور لکھا کہ امام صاحب اس امر میں منفرد ہیں کہ آپ نے سب سے پہلے علم شریعت کو مرتب ومبوب کیا پھر ان کا اتباع امام مالک نے موطأ کی ترتیب میں کیا اور امام صاحب سے کسی نے سبقت نہیں کی (تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ) گویا امام صاحبؒ محدثین مولفین کے جد امجد ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ مزید تفصیل وتحقیق کیلئے ملاحظہ ہو۔

''جامع المسانید'' صفحہ ۳۴ اور ''امام ابن ماجہ وعلم حدیث'' (از مولانا عبدالرشید نعمانی) صفحہ ۱۵۸ تا ۱۷۶، جس میں حضرتؒ شاہ ولی اللہ وشاہ عبدالعزیزؒ کی عبارات سے پیدا شدہ غلط فہمی کا بھی ازالہ کیا گیا ہے۔ اور مقدمہ شرح کتاب الآثار امام اعظمؒ از علامہ مفتی مہدی حسنؒ۔ یہ

کتاب اب دوبارہ مفتی صاحبؒ کی شرح کے ساتھ بھی شائع ہوگئی ہے۔

(۲) موطأ امام مالک (م ۱۷۹ھ) جس میں ۶۰۰ حدیث مسند جمع ۲۲۲ مرسل جمع ۶۱۳ موقوف + ۲۸۵ اقوال تابعین ہیں۔کل ۱۷۲۰

(۳) مصنف عبدالرزاق (م ۲۱۱ھ) احادیث وآثار کا گرانقدر مجموعہ مجلس علمی کراچی سے مکمل شائع ہوگیا ہے۔

(۴) ابی بکر بن ابی شیبہ (م ۲۳۵ھ)..................حیدرآباد دکن سے پانچ جلدیں شائع ہوچکی ہیں

(۵) مسند امام احمدؒ (م ۲۴۱ھ) جس میں ایک لاکھ چالیس ہزار احادیث وآثار ہیں ستر ولاکھ میں سے انتخاب۔

(۶) صحیح الامام البخاریؒ (م ۲۵۶ھ) کل تعداد مع مکررات ۹۰۷۹۔بغیر مکررات ۲۳۵۳ جو چھ لاکھ کا انتخاب ہے (مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۹۰،۵)

(۷) صحیح الامام مسلمؒ (م ۲۶۱ھ) کل تعداد چار ہزار جو تین لاکھ احادیث کا انتخاب ہے۔

(۸) سنن ابن ماجہؒ (م ۲۷۳ھ) کل تعداد چار ہزار (بلا تکرار) (۹) سنن ابی داؤدؒ (م ۲۷۵ھ) کل تعداد چار ہزار آٹھ سو

(۱۰) سنن امام ترمذی (م ۲۷۹ھ) (۱۱) سنن امام نسائی (م ۳۰۳ھ)

(۱۲) صحیح ابن خزیمہ (م ۳۱۱ھ) (۱۳) معانی الآثار امام طحاویؒ (۳۲۱ھ)

جامع سفیان کا مرتبہ اس وقت ایسا ہی ہوگا جیسے اب ہم آخر میں بخاری وترمذی وغیرہ کا درس لیتے ہیں، اور امام بخاری کو جو مالی منافع امام ابوحفص شفیق استاذ سے پہنچے تھے وہ علمی سرپرستی کے علاوہ تھے، حافظ ذہبی نے بھی اپنے رسالہ ''الامصار ذوات الاثار'' میں بخارا کے جن اعیان محدثین کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے ان میں بھی عبداللہ بن محمد مسندی کے ساتھ امام ابوحفص کبیر کا ذکر موجود ہے حافظ سمعانی نے لکھا کہ ان سے بے شمار مخلوق نے روایت حدیث کی ہے، اور حقیقت یہ کہ ان کی ذات سے اقلیم ماوراء النہر میں حدیث وفقہ کی جتنی اشیا ہوئی ان کے معاصرین میں سے کسی سے نہیں ہوئی بخارا کا ایک ایک گاؤں ان کے تلامذہ سے بھرا ہوا تھا السمعانی نے یہ بھی لکھا کہ صرف خیزاخزا میں ان کے شاگردوں کی تعداد حد شمار سے باہر تھی، یہ صرف ایک قریہ کا حال تھا،

امام ابوحفص کبیر موصوف نے فقہ وحدیث کی تعلیم امام ابویوسف وامام محمدؒ سے حاصل کی تھی، اسی لئے ان کا شمار امام محمد کے کبار تلامذہ میں ہوا ہے اور بخارا کے علاقہ میں علماء احناف کی سربراہی ان پر ختم تھی۔امام موصوف کے صاحبزادے امام ابوحفص صغیر اور امام بخاری مدت تک طلب حدیث میں رفیق وہم سفر رہے ہیں اور دونوں کے خاندانوں کے تعلقات عرصہ تک قائم رہے ہیں حافظ ابن حجر نے بھی مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۸۲ میں امام ممدوح کو امام بخاری کے مشائخ میں شمار کیا ہے، اور ان کے حق میں ممدوح کا یہ قول بھی نقل کیا کہ ایک دن یہ لڑکا بڑا آدمی بنے گا، یعنی اس کی بڑی شہرت ہوگی ملا ابن ماجہ (اردو صفحہ ۱۸۵)

جامع سفیان ثوری

فقہ میں سفیان ثوری اور امام اعظمؒ کا نمونا ایک ہی مذہب ہے، امام ترمذی اپنی جامع ترمذی میں جو مذہب ان کے نام سے نقل کرتے ہیں وہ اکثر امام ابوحنیفہؒ کے موافق ہوتا ہے، امام ابو یوسف نے تو یہاں تک فرمادیا تھا کہ سفیان ثوری مجھ سے بھی زیادہ امام ابوحنیفہ کے متبع ہیں، امام ثوری اگرچہ خود بھی امام اعظمؒ کی مجلس درس حاضر ہوئے ہیں اور ان سے حدیثیں بھی روایت کی ہیں مگر امام صاحب کی فقہ کو انہوں نے علی بن سیر سے اخذ کیا ہے جو امام صاحب کے مختص تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔امام ثوری نے اپنی جامع میں زیادہ تر ان ہی سے مدد لی ہے، امام حدیث یزید بن ہارون نے بھی فرمایا کہ سفیان ثوری، امام ابوحنیفہ کی فقہ کو علی بن سیر سے حاصل کرتے تھے اور ان ہی کی مدد اور مذاکرہ سے انہوں نے اپنی یہ کتاب جس کا نام جامع رکھا ہے تصنیف کی ہے (ابن ماجہ اردو علامہ نعمانی عم فیضہم ص ۱۸۴)

اسی طرح امام بخاری نے اپنے علم فقہ وحدیث کی تکمیل حضرت عبداللہ بن مبارک اور وکیع کی تصنیفات پڑھ کر کی ہے، اور یہ دونوں مع امام ابوحفص کے حنفی تھے، اس لئے امام بخاری کے علمی استفادات اور تکمیل دروس کے زمانہ کو ایسے اکابر ائمہ حدیث وفقہ خصوصاً حنفی مکتب فکر علماء کے ذکر سے خالی رکھنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

راقم الحروف کا حاصل مطالعہ

امام بخاریؒ کی زمانہ تکمیل تک کی تعلیم وتربیت کا ماحول اوپر بتایا گیا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ سفیان ثوری خود بھی صاحب مذہب مجتہد مطلق تھے، اور ان کا مذہب چوتھی صدی تک جاری رہا، وہ امام اعظم کے مداحین بلکہ تلامذہ حدیث وفقہ میں سے تھے، عبداللہ بن مبارک کا درجہ تو ایسا ہے کہ ان کو امام بخاری وعبدالرحمن مہدی اور اسحق بن راہویہ سب ہی نے مسلم امام فقہ وحدیث کا مانا ہے، اور عبداللہ بن مبارک امام اعظم کے نہ صرف تلمیذ رشید بلکہ متبع اعظم ومداح کبیر تھے کہ امام صاحب کی کوئی برائی سننے کے روادار ہی نہ تھے، اسحق بن راہویہ بھی جب تک اپنے وطن میں رہے امام صاحب اور ان کی فقہ کے دلدادہ تھے، عراق پہنچ کر جب عبدالرحمن بن مہدی وغیرہ معاندین امام اعظم کی صحبت اختیار کی تو اس کا اثر لے لیا تھا، اسی لئے جو حضرات ان کو اب بھی حنفی کہتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں، وہ اگر حنفی رہتے تو امام بخاری پر ہی کیوں خلاف اثر ڈالتے۔

بہر حال امقدرات نہیں ٹلتے، ورنہ امام بخاری بھی امام اعظم ہی کی فقہ کے دلدادہ ہوتے، مگر علامہ حمیدی، نعیم خزاعی اور عبدالرحمن بن مہدی اور اسحق بن راہویہ وغیرہ نے مخالف اثرات ڈالے اور حنفی قضاۃ نے بھی امام بخاری پر بے جا سختیاں کیں، ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ امام بخاریؒ ائمہ حنفیہ اور فقہ حنفی کے سب سے بڑے مخالف ہوگئے، اور چونکہ مزاج میں تشدد اور زود تاثری کا مادہ زیادہ تھا، اس لئے ایسی زبان اور لہجہ بھی اختیار فرمالیا جس کی ایسے عظیم المرتبت امام حدیث سے توقع نہ تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم علمہ اتم واحکم

مقدمہ فضل الباری پر معروضات

صفحہ ۵۳ میں امام بخاری کی عبداللہ بن مبارک اور وکیع پر جو وجہ تفوق تحریر کی گئی ہے، وہ اول تو محتاج حوالہ ہے۔ ایسی اہم علمی باتوں کو بغیر حوالہ کے نہیں لکھنا چاہیے تھا، پھر یہ کہ امام بخاری کے پاس وہ پانچ سو احادیث کس درجہ کی تھیں؟ کیونکہ ان کو تو لاکھوں احادیث غیر صحیح بھی یاد تھیں، اور عبداللہ بن مبارک تو امام بخاری سے بھی بڑے عالم حدیث تھے، خود امام بخاری نے بھی ان کو اپنے زمانہ کا اعلم مانا ہے، پھر ان کا زمانہ بھی امام بخاری سے مقدم تھا، اس لئے ممکن ہے، غیر صحیح احادیث ان کو بھی امام بخاری کی طرح اتنی ہی یاد ہوں یا غیر صحیح احادیث بعد کے زمانہ کی پیداوار ہوں تو اس سے تفوق کیسے ثابت ہوگا؟ اسی طرح امام وکیع بھی کبار محدثین میں سے تھے۔ کسی بے سند بات کے ذریعہ ان کو گرانا مناسب نہیں، صفحہ ۵۴ میں محدثین کرام کی طرف یہ امر مسلمہ طور سے منسوب کرنا کہ امام بخاری جس پر بھی ثقہ ہونے کا حکم لگادیں وہ ہر خطرے سے باہر ہے، احتیاط کے خلاف ہے، جبکہ ان کی تاریخ کبیر وصغیر وغیرہ سامنے ہیں اور خود صحیح بخاری میں بھی ضعیف رواۃ موجود ہیں، کیا ان سے صحیح میں روایت کرنا ان کی توثیق نہیں ہے باقی یہ بات ضرور ایسے موقع پر ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ کی محفوظ رکھنی چاہئے کہ صحیح بخاری کے ضعیف رواۃ کی وجہ سے کوئی روایت اس لئے نہیں گرے گی کہ اس کے متابعات اس کو صحیح وقوی ثابت کرنے کے لئے موجود ہیں۔ لیکن اس سے خود امام بخاری کے عمل روایت عن الضعاف کی توثیق تو درست نہ ہوجائے گی، پھر یہ امر بھی نظر انداز نہ ہونا چاہیے کہ توثیق کو اگر یہ پایہ دے دیا گیا تو جرح کو کیسے مجروح کریں گے، جو توثیق سے بھی کہیں زیادہ کہے خصوصاً ائمہ حنفیہ وغیرہ کے لئے۔ فافہم ولا تغفل۔

بہر حال مدح وذم میں مبالغہ یا بے سند کوئی بات نہ آئے تو زیادہ اچھا ہے۔ هذا ما عندی وما ابریٔ نفسی۔

ص ۵۵۔ میں فن روایت کے سلسلہ میں بے لاگ جرح وتنقید کے لئے انتہائی محتاط الفاظ استعمال کرنے کا دعوے بھی محتاج دلیل بلکہ

بے دلیل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ص ۵۹۔ میں جہاں حضرت عبداللہ بن مبارک ۱۸۱ھ تک کی خدمت تدوینِ حدیث کا بھی ذکر آ گیا، وہاں امام اعظمؒ کی مشہور و معروف مسانید اور امام ابو یوسف و امام محمد کی موطا، کتاب الآثار، کتاب الحج وغیرہ کے ذکر کو نظر انداز کرنا بے محل معلوم ہوا۔ اگر ہم بھی ائمہ حنفیہ کی ایسی اہم حدیثی خدمات کو نظر انداز کریں گے تو دوسرے تو پہلے ہی سے ان کو زاویۂ خمول میں ڈالے ہوئے ہیں، اور اگر زیادہ گہری نظر سے دیکھا جائے تو تدوینِ فقہ کا عظیم الشان کام جو امام اعظم نے اجلۂ محدثین کے ذریعہ اپنی سرپرستی میں انجام دلایا، وہ بھی تو معنیً وحکماً تدوینِ حدیث ہی تھی، جس سے ساڑھے بارہ لاکھ شرعی مسائل مدون ہو کر ساری دنیا میں پھیل گئے، اور اس کے ساتھ حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ کا یہ ارشاد بھی پھر سے اپنی یاد میں تازہ کر لیں کہ ابو حنیفہؒ کی رائے مت کہو، کیونکہ جو کچھ انہوں نے دین میں کہا ہے وہ سب قرآن و حدیث ہی کا مقصد و منشا ہے اور کچھ نہیں۔

ص ۶۰۔ میں امام اعظم کے مسانید کا ذکر ہوا تو اس تکر کے ساتھ کہ "وہ خود امام کے تصنیف کردہ نہیں بعد میں کسی نے جمع کئے ہیں" یہ تعبیر نہایت غیر انسب ہے جبکہ امام اعظم کی ۲۲۔۲۳ مسانید کی روایت اکابر محدثین نے کی ہے، اور سلسلۂ روایت امام اعظم تک بلا شک و ریب متصل ہے۔ شاید اس بارے میں قاضی صاحب کا مطالعہ بہت ناقص ہے۔ پھر یہ کہ مسند احمد کی روایت وتحسنیں ان کے صاحبزادے شیخ عبداللہ نے کی ہے، اور مسانید امام اعظم کی روایت شیخ عبداللہ سے کہیں زیادہ بڑے اکابر اور جلیل القدر محدثین نے کی ہے۔ پھر یہ تفوق بھی امام اعظم کی مسانید کو حاصل ہے کہ ان میں ثلاثیات بہ کثرت ہیں، اور ثنائیات بلکہ وحدانیات بھی ہیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور امام صاحب کے درمیان صرف ایک راوی (صحابی) کا واسطہ ہے۔ جبکہ موطا امام مالک میں وحدانیات بالکل نہیں ہیں، اور مسند امام احمد و مسند امام شافعی میں ثلاثیات ہیں، ثنائیات نہیں ہیں۔

صحیح بخاری کی کل غیر مکرر ۲۵۱۳ احادیث میں سے صرف ۲۲ ثلاثیات ہیں باقی رباعیات ہیں، مسلم کی چار ہزار احادیث میں سب رباعیات ہیں، ترمذی میں صرف ایک ثلاثی ہے، باقی سب رباعیات ہیں، ابوداؤد کی ۴۸۰۰ احادیث میں سے صرف ایک ثلاثی ہے باقی سب رباعیات ہیں، نسائی میں بھی سب رباعیات ہیں، ابن ماجہ کی چار ہزار مرویات میں سے صرف پانچ ثلاثیات ہیں باقی سب رباعیات ہیں (جن میں حضور علیہ السلام تک چار واسطے ہوتے ہیں)۔

ص ۶۲، ص ۶۳، ص ۶۴ میں امام بخاری کی تاریخ کبیر و صغیر اور رسالہ رفع یدین و فاتحہ کے ذکر میں ان کے محتویات کا تعارف نہیں کرایا گیا جو ضروری تھا۔ تاکہ طلبۂ حدیث واقف ہوتے۔

ص ۶۴ میں اسحٰق بن راہویہ کو حنفی لکھنا صحیح نہیں، وہ تلمذاً ضرور حنفی تھے مگر بعد کو وہ بھی امام بخاری وغیرہ کی طرح اصحاب الظواہر میں شامل ہو گئے تھے، بلکہ ہو سکتا ہے کہ امام بخاری پر زیادہ اثر ان کا ہی پڑا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

امام بخاری کا اجتہاد

اسی طرح یہ لکھنا بھی تسامح ہے کہ امام بخاری ایک مجتہد کی شان رکھتے تھے، ہاں اگر یہ کہا جاتا تو درست ہوتا کہ وہ بھی ایک درجہ کا اجتہاد رکھتے تھے، باقی ان کو مجتہد مطلق قرار دینا ائمہ اربعہ کی طرح درست نہیں ہے۔ ان کے تلمیذ خاص امام ترمذیؒ نے بھی ان کے اجتہاد یا اجتہادی مسائل کو اہمیت نہیں دی جبکہ وہ دوسرے مذاہب و مسالک کی طرف تصریحاً یا اشارۃً ضرور تعرض کرتے ہیں۔ اور مقدمہ فیض الباری للشیخ محمد بدر عالم ص ۵۸ میں بھی امام بخاری کو مجتہد بلا ریب جو لکھا گیا ہے وہ موہم ہے، وہاں بھی مراد ایک درجہ کا اجتہاد ہے، مجتہد مطلق مراد نہیں ہے۔ ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ امام بخاری مجتہد مطلق نہ تھے، البتہ اتنا اجتہاد ان کو حاصل تھا کہ کسی کے مقلد ہونے کے محتاج نہ

تھے، نیز فرمایا تھا کہ امام اعظمؒ پر تو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے اجتہاد میں توسع کیا ہے، وہ یہ نہیں دیکھتے کہ امام بخاری نے تو ان سے بھی زیادہ توسع اختیار کیا ہے کہ معمولی اشاروں اور عموم سے بھی استنباط کر لیا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے امام بخاری کے مجتہد ہونے نہ ہونے کے بارے میں اپنے مقدمہ فتح الباری میں کوئی تعرض نہیں کیا، ثناء اماثل کے ذیل میں بھی بعض اماثل سے صرف حدیث وفقہ میں برتری نقل کی ہے۔ اور بعض نے حدیث وفقہ میں مثل امام مالک بھی کہا ہے (مقدمہ ص ۴۸۳)۔

دراسات اللبیب میں امام بخاری کو اہل ظاہر سے قرار دیا۔ اور مستقل فصل میں ظاہریہ واہل الظاہر میں مفصل طور سے فرق بیان کیا ہے۔ ظاہریہ میں داؤد ظاہری وغیرہ اور اصحاب الظواہر میں امام بخاری کو گنایا (ص ۳۰۰)۔

حضرت شیخ الہندؒ نے ایضاح الادلہ کی تذییل ص ۷ میں داؤد ظاہری، ابن تیمیہ، ابن قیم، نواب صدیق حسن خان اور مولوی نذیر حسین وغیرہ کو عاملین علی الظاہر لکھا۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ امام بخاری کے مجتہد ہونے میں ایک آنچ کی کسر رہ گئی تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

ص ۶۵۔ میں لکھا کہ کسی ایک بڑے کی حمایت میں دوسرے کی تنقیص کرنا مسلک اہل حق کے خلاف ہے الخ تو کیا ائمہ حنفیہ کی جتنی تنقیص وتحقیر شروع سے اب تک کی گئی ہے اور اب تک بھی کی جارہی ہے، جبکہ وہ سب ان بعد کے تنقیص کرنے والوں کے بڑوں کے بھی بڑے تھے، اس کے ذکر و تذکرے سے بھی پہلوتہی کرنا ہی اولیٰ وانسب قرار پائے گا؟ اس موقع پر حضرت مجدد قدس سرہٗ کے ارشاد سے استدلال بھی ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ اور امام صاحب کو صرف فنِ فقہ میں امام ماننے کے ذکر سے کیا فائدہ جبکہ وہ فن حدیث کے بھی امام اعظم تھے۔

ص ۶۵ میں امام بخاری کے بارے میں مطلق طور سے یہ لکھنا بھی خلاف تحقیق ہے کہ ان کے اقوال کو ہم سند مانتے ہیں۔ فن جرح و تعدیل میں ان کے سب اقوال سند مان لئے جائیں تو امام بخاریؒ نے اپنی تصانیف (التاریخ الکبیر، التاریخ الصغیر۔ کتاب الضعفاء الصغیر و خلق افعال العباد) میں امام اعظم کے بارے میں لکھا کہ مرجیٔ تھے اور لوگوں نے ان کی رائے اور حدیث سے سکوت اختیار کیا۔ امام ابو یوسف کو بھی متروک قرار دیا، امام محمد کو جہمی بتلایا، محدث کبیر یوسف بن خالد سمتی بصری پر بھی مسکوت عنہ کا حکم لگایا جبکہ وہ سنن ابن ماجہ کے رجال میں سے ہیں، اسد بن عمرو کو صاحب الرائی اور ضعیف فی الحدیث کہا جبکہ وہ امام احمد واحمد بن منیع ایسے محدثین کبار کے استاد ہیں اور امام احمد نے ان کو صدوق کہا اور ان سے روایت حدیث بھی کی ہے، پھر امام صاحب اور امام ابو یوسف وامام محمد کا جو مسلم درجہ حدیث ورجال میں ہے وہ ہم نے تفصیل کے ساتھ ان کے حالات میں درج کیا ہے (ملاحظہ ہو مقدمہ انوار الباری جلد اول و دوم)۔

رسالہ رفع یدین میں امام بخاری نے جیسے جیسے سخت کلمات واقوال امام اعظم کے بارے میں استعمال کئے، کیا وہ بھی ہمارے لئے سند ہیں؟ اور رسالہ فاتحہ خلف الامام میں جو کچھ ارشاد فرمایا وہ اس مسئلہ کے ذیل میں آئے گا اور کچھ ذکر مقدمہ انوار الباری میں امام بخاری کی تصانیف کا تعارف کرانے کے ذیل میں ہو چکا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہ امر بھی لائق نسیان نہیں کہ جس کے مداح زیادہ ہوں اس کے بارے میں جارحین کی جرح مقبول نہیں ہوتی، خاص طور سے جب کہ وہ جرح ہم عصروں کی طرف سے ہو یا متعصبین کی طرف سے اور امام بخاری ودار قطنی وغیرہ کا شمار بھی متعصبین میں سے کیا گیا ہے۔ اور امام بخاری وغیرہ کے متعصبانہ رویہ پر نہ صرف اکابر حنفیہ نے بلکہ غیر حنفیہ نے بھی نقد کیا ہے۔ صاحب دراسات اللبیب شیخ معین سندی نے تو امام بخاری کی تہمت ارجاء پر شدید لہجہ میں جوابدہی کی ہے۔ اور لکھا کہ امام اعظم ابو حنیفہ کے لئے جو خدائے عظیم کی طرف سے علوم عقلیہ ونقلیہ کے اونچے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ تھے، امام بخاری جیسے کی طرف سے ارجاء کی تہمت کیوں کر مانی جاسکتی ہے جبکہ ارجاء کا بطلان اور خلاف کتاب وسنت واجماع ہونا ضروریات دین میں سے ہے۔ اور امام بخاری کا امام صاحب کے حق میں "سکتوا عن رأیہ و حدیثہ" کہنا تو اس لئے بھی غلط ہے کہ خود امام بخاری نے یہ اعتراف کیا ہے کہ کبار سلف میں سے عبداللہ بن مبارک، وکیع، عباد بن العوام، ہشیم، مسلم بن خالد، ابومعاویہ

مصری وغیرہ شیوخ بخاری جیسے ائمۂ حدیث نے امام صاحب سے روایت حدیث کی ہے اور دوسرے حضرات (علامہ مزی وغیرہ) نے تو سینکڑوں کی تعداد میں امام صاحب سے سماع حدیث کرنے والے گنائے ہیں، اور امام صاحب کی رائے کو اخذ کرنے والوں سے تو دنیا بھری ہوئی ہے۔ پھر میں نہیں سمجھتا کہ ان کی رائے سے سکوت کرنے والے کتنے نفر ہیں، بہت ہوئے تو ایک قطرہ کے برابر بہ نسبت سمندر کے۔ جو شخص ''عقد الجمان فی مناقب النعمان'' میں ان کا شمار پڑھے گا وہ ہمارے بیان کی تصدیق کرے گا (دراسات اللبیب ص ۵۲ طبع کراچی) تہذیب المزی قلمی کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد سے ترجمۂ امام اعظمؒ کی نقل ص ۱۷۱ لغایۃ ص ۱۲۸۴ احقر کے پاس ہے جس میں ۹۷ شیوخ حدیث کے نام گنائے ہیں جو امام صاحب کے تلمیذ حدیث تھے اور ان کا ذکر علامہ سیوطی شافعی نے بھی ''تبییض الصحیفہ بمناقب الامام ابی حنیفہ'' میں کیا ہے۔

یہ شیخ معینؒ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے تلمیذ رشید فی الحدیث کا بیان ہے، جو خود بھی اہل حدیث اور اصحاب الظواہر میں سے بڑے پایہ کے محدث و علامہ تھے، اور جنہوں نے فقہ حنفی پر بڑے بڑے اعتراضات بھی کئے ہیں، مگر بڑی حد تک منصف تھے، دوسرے متعصب اہل حدیث حضرات کی طرح نہ تھے۔ اور یہ بھی نہیں کہ وہ امام بخاری کی جلالت قدر کے قائل نہ ہوں بلکہ ان کے نہایت درجہ کے معتقد تھے اور ان کے لئے دراسات میں امام الائمہ اور قبلۂ مشائخ الستہ جیسے القاب لکھتے ہیں، لیکن یہ ان کے انصاف، مرتبہ شناسی اور **انزلوا ان علی منازلهم** کی بات تھی کہ امام بخاریؒ کی جلالت قدر ہی کے ساتھ امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کے اعلیٰ وارفع مقام کو بھی پہچانتے تھے، اور اسی لئے مذکورہ زور دار طریقہ پر دفاع کو ضروری سمجھا۔

اسی طرح بعض جروح امام بخاری کا دفاع امام اعظمؒ کی طرف سے حافظ ابن تیمیہؒ نے بھی کیا ہے، اور امام صاحب کی براءت ثابت کی ہے، پھر اکابر محققین حنفیہ نے بھی اس بارے میں بہت کافی ووافی لکھا ہے۔

امام بخاری کا قول امام ابو یوسف کے بارے میں ''متروک الحدیث'' ہونے کا کس طرح معتبر وسند بن سکتا ہے جبکہ امام نسائی جیسے متشدد فی الرجال نے ان کی توثیق کی ہے، اور امام احمد، علی بن المدینی و امام یحییٰ بن معین ایسے کبار شیوخ امام بخاری نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح شیخ ابن حبان نے اپنی کتاب الثقات میں ان کو شیخ متقن لکھا۔ علامہ ذہبیؒ نے مستقل رسالہ میں امام ابو یوسفؒ کے حفظ حدیث و دیگر کمالات کی دل کھول کر مدح کی ہے۔ متاخرین ائمہ رجال امام ابن تیمیہ وغیرہ نے امام صاحب یا امام ابو یوسف پر کسی جرح کو قابل ذکر بھی نہیں سمجھا۔ خطیب نے حسب عادت امام ابو یوسف پر جرح نقل کی مگر اثناء جرح میں جواب بھی دے دیا ہے۔ امام شافعی ایسے محدث کبیر بھی بواسطۂ امام محمدؒ ابو یوسف کے تلمیذ حدیث ہیں۔ **فکیف یصح القول فیه انه متروک الحدیث** **واللّٰه المستعان**۔ پھر کیا امام بخاری کی یہ بات بھی کسی کے لئے حجت وسند بن سکتی ہے کہ جو راوی حدیث الایمان قول وعمل کا قائل نہ ہو اس سے حدیث کی روایت نہ لی جائے۔ حالانکہ خود امام بخاری بھی معتزلہ کی طرح الایمان قول وعمل کے قائل نہ تھے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ سارے ہی اہل حق کا مسلک ارجاء سنت ہے، اور ارجاء بدعت کی تہمت حنفیہ پر بھی نہیں لگ سکتی۔

امام بخاری کا قول امام محمد کے بارے میں جہمی ہونے کا کیونکر صحیح وسند بنے گا جبکہ محدث صیمریؒ نے امام محمدؒ سے نقل کیا کہ ''میرا مذہب اور امام ابو حنیفہ وابو یوسف کا مذہب وہی ہے جو حضرت ابو بکر، پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین کا تھا''۔

ائمہ حنفیہ کے سارے عقائد ''کتاب عقیدۂ طحاوی'' میں مذکور ہیں، پھر بھی کوئی ان کو مرجئی یا جہمی بتلائے تو سراسر غلطی ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے مجموعہ رسائل ص ۴۳۶/۱ میں خود امام محمدؒ ہی سے یہ روایت پیش کی کہ وہ جہمی عقائد والے کو خارج از ملت قرار دیتے تھے، پھر بھی ان کو جہمی بتلانا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ اور امام صاحبؒ کا جہم بن صفوان کو اپنی مجلس سے کافر کہہ کر نکلوا دینے کا قصہ تو بہت مشہور ہے۔ پھر ان ہی کے اتنے بڑے تلمیذ کبیر و نائب الامام الاعظم...... جہمی کیسے ہو سکتے تھے؟ ہم اپنے علم و مطالعہ کی حد تک یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ کسی بھی بڑی شخصیت نے امام

بخاری کے سواامام محمد کو بھی نہیں کہا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ص ۶۹ میں امام الحرمین اور امام غزالی رحمہ اللہ کے بارے میں جو قصہ بیان ہوا وہ بھی محلِ نظر اور محتاج سند ہے، ایسے اکابر ملت سے ایسے واقعات کی صحت مشکوک ہے، پھر اسی کے مثل امام ذہلی وامام بخاری کے واقعہ کو ظاہر کرنا بھی ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ کیونکہ امام ذہلی بڑے جلیل القدر محدث وفقیہ تھے، اور امام بخاری کے اساتذۂ کبار میں سے تھے اور انہوں نے امام بخاری کی خیر خواہی کے لئے ہی ان کو یہ مشورہ دیا تھا کہ خلق قرآن کے بارے میں کسی کو مسئلہ نہ بتلائیں اور سکوت اختیار کریں، مگر امام صاحب نہ مانے اور پھر پریشانیوں میں مبتلا ہوئے۔ اس واقعہ کو حسد وغیرہ پر محمول کرنا خلافِ تحقیق ہے۔ اور غالباً اسی لئے امام بخاری نے اپنے استاذ حدیث امام ذہلی سے بہت سی احادیث بخاری میں روایت کی ہیں۔ جبکہ امام مسلم نے نہ اپنے استاذ امام ذہلی سے کوئی حدیث روایت کی اور نہ اپنے ممدوح اعظم امام بخاری سے کوئی حدیث لی۔ حافظ ابن حجر نے اس کو امام مسلم کے انصاف سے تعبیر کیا ہے، مگر روایتِ حدیث ایسے مقدس ومحترم ترین امر کے بارے میں یہ انصاف کی بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مجھے قوی امید ہے کہ مرتب فضل الباری فاضلِ محترم مولانا قاضی عبدالرحمٰن صاحب دام فیضہم میری گذارشات سے ناراض نہ ہوں گے اور کوئی غلطہ ہوئی ہو یا خلافِ شان کوئی بات تو اس کو معاف فرمادیں گے۔ خدا کا شکر ہے ہم دونوں کا مقصد ایک ہے اور اس خالص علمی میدان میں، ہم ایک دوسرے کے رفیق ومعاون رہیں گے۔ ان شاء اللہ۔ آخر میں میری ان سے یہ گذارش بھی ہے کہ وہ مجھے میری غلطیوں پر متنبہ فرما کر ممنون وماجور ہوں۔ وعند اللہ فی ذاک الجزاء. وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

تشکر وامتنان

جیسا کہ سابق جلد کے مقدمہ میں عرض کیا گیا تھا انوار الباری کا پھر سے کام احبابِ آفریقہ کی تائید واصرار پر شروع ہوا ہے، اور یہ دونوں جلدیں ان ہی کی مالی اعانت سے شائع ہو رہی ہیں۔ اس سلسلہ میں الحاج ایس ایم ڈوکرات، الحاج مولانا اسماعیل گارڈی، الحاج ایم ایم بوڈھانیہ، میاں برادرس، مفتی برادرس، الحاج ابراہیم کوساڈیہ، الحاج مولانا عبدالحق عمرجی، مولانا قاسم محمد سیما، مولانا عبدالقادر، مولانا احمد محمد گردا، مولانا یوسف احمد اور دیگر حضرات ناظرینِ انوار الباری کی نیک دعاؤں اور خصوصی تشکر کے مستحق ہیں جو مالی اعانت کے علاوہ اپنے مفید مشوروں سے بھی راقم الحروف کو مستفید کرتے رہتے ہیں۔ جزاھم اللہ خیر ما یجزی بہ عبادہ.

احقر

سیّد احمد رضاء عفا اللہ عنہ.

بجنور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ علی القادر المقتدر الذی بیدہ تتم الصالحات، والصلوٰۃ والسلام علٰی سیدنا و مولانا محمد افضل المرسلین و خاتم النبین و علے آلہ و صحبہ والائمۃ المجتھدین و من تبعھم الی یوم الدین

باب ذکر العشآء والعتمۃ و من راٰہ واسعاً وقال ابوھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اثقل الصلوٰۃ علی المنافقین العشآء والفجر وقال لو یعلمون ما فی العتمۃ والفجر قال ابوعبداللہ والاختیار ان یقول العشآء لقول اللہ تعالیٰ و من بعد صلوٰۃ العشآء ویذکر عن ابی موسیٰ قال کنا نتناوب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند صلوٰۃ العشآء فاعتم بھاوقال ابن عباس و عائشۃ اعتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالعشآء وقال بعضھم عن عائشۃ اعتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالعتمۃ وقال جابر کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلے العشآء وقال ابو برزۃ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یؤخر العشآء وقال انس اخر النبی صلی اللہ علیہ وسلم العشاء الآخرۃ وقال ابن عمروابوایوب و ابن عباس صلی اللہ علیہ وسلم العشاء الأخرۃ وقال ابن عمرو ابوایوب و ابن عباس صلی النبی صلے اللہ علیہ وسلم المغرب والعشآء

(عشاءاورعتمہ کا ذکر،اور جس نے عشاءاورعتمہ دونوں کہنا جائز خیال کیا ہے۔اور حضرت ابوہریرہؓ نے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ منافقین پرعشاءاور فجر کی نماز تمام نمازوں سے زیادہ گراں ہیں اور فرمایا کہ کاش وہ جان لیں کہ عتمہ اور فجر میں کیا (ثواب) ہے،امام بخاری کہتے ہیں، کہ بہتر یہ ہے کہ عشاء کہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے"و من بعد صلوۃ العشاء "ابوموسیٰ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا، کہ (ہم) نبی ﷺ کے پاس عشاء کی نماز میں باری باری سے جاتے تھے،(ایک مرتبہ) آپ نے اس کوعتمہ میں پڑھا،حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عشاء کی نماز عتمہ میں پڑھی،ابو برزہ کہتے ہیں، کہ نبی کریم ﷺ عشاء میں تاخیر کرتے تھے،حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (ایک مرتبہ) پچھلی عشاء میں تاخیر فرمادی،ابن عمراور ابوایوب اورابن عباس نے کہا ہے، کہ نبی کریم ﷺ نے مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی)۔

۵۳۴:حدثنا عبدان قال اخبرنا عبداللہ قال اخبرنا یونس عن الزھری قال سالم اخبرنی عبداللہ قال صلی لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ صلوٰۃ العشآء و ھی التی یدعوالناس العتمۃ ثم انصرف فا قبل علینا فقال ارائیتکم لیلتکم ھذہ فان راس مائۃ سنۃ منھا لایبقیٰ ممن ھو الیوم علیٰ ظھر الارض احد.

ترجمہ: حضرت عبداللہ (ابن عمرؓ) روایت کرتے ہیں، کہ ایک شب رسولِ خدا ﷺ نے ہمیں عشاء کی نماز پڑھائی،اور یہ وہی (نماز) ہے۔جس کولوگ عتمہ کہتے تھے،نماز سے فارغ ہوکر ہماری طرف متوجہ ہوئے،اور فرمایا کہ میں تمہیں تمہاری اس شب کی خبردوں جولوگ اس وقت زمین کے اوپر ہیں آج سے ۱۰۰ برس کے شروع تک ان میں سے کوئی باقی نہ رہے گا۔

تشریح: اس باب میں امام بخاریؒ نے ایسے الفاظ واسماء کے لئے گنجائش وتوسع نکالی ہے،جن کے اطلاق سے کوئی بڑی غلط فہمی اوپر کی طرح نہ ہو،مثلاً عشاء کے لئے عتمہ کا اطلاق،حافظ نے لکھا کہ یہ پہلے کی طرح نہیں ہے کیونکہ حضور علیہ السلام سے بھی ایسا ثابت ہے جبکہ مغرب پر عشاء کا اطلاق حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں ہے، پھر سلف کا اختلاف مروی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ عتمہ کہنے والوں پر عتاب وغصہ کرتے تھے،حضرت ابوبکر صدیقؓ وغیرہ سے جواز نقل ہوااور بعض نے خلافِ اولیٰ قراردیا،اور یہی راجح ہے۔(فتح ص ۲،۳۱) قال ابوہریرہؓ سے امام

بخاری نے اطرافِ احادیث مجذوفۃ الاسانید ذکر کئے ہیں، جو بقول حافظ سب صحیح ہیں اور دوسری جگہوں پر ان کی تخریج ہو چکی ہے، ان سے عتمہ وعشاء کا ایک دوسرے پر جو اطلاق کا ثبوت ہوتا ہے، حافظ نے ان کی تخریج ذکر نہیں کی، علامہ عینی نے ان کو تفصیل کے ساتھ ذکر کر دیا ہے۔

قولہ فان رأس مائۃ سنۃ الخ

اس پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس وقت زمین پر زندہ تھے، لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو آسمان پر زندہ ہیں، اس میں داخل نہیں، پھر فرمایا کہ جس نے یہ کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسدِ مثالی کے ساتھ نزول کریں گے، اس نے غلطی کی، کیونکہ وہ یقیناً جسدِ اصلی وعنصری کے ساتھ نزول فرمائیں گے۔ حافظ نے یہاں کچھ نہیں لکھا، محقق عینیؒ نے لکھا۔ علامہ نووی نے یہ مراد لی کہ اس رات میں زمین پر کوئی ایسا نہیں جو ایک سو سال سے زیادہ زندہ رہے گا، اس امر کی نفی نہیں ہے کہ اس کے بعد بھی کسی کی عمر ایک سو سال سے زیادہ نہ ہوگی، علامہ ابن بطال نے کہا کہ ایک سو سال کے اندر یہ قرن ختم ہو جائے گا، جس میں ہم ہیں، اور حضور علیہ السلام کا مقصد اس کے فرمانے سے اس امت کے لوگوں کی عمروں کا بہ نسبت سابقہ امم کے کم ہونے کی طرف اشارہ تھا تاکہ عبادت وخیر میں پوری سعی کریں، اور کسی نے کہا کہ ارض سے حضور علیہ السلام کی مراد ارضِ مدینہ طیبہ تھی جس طرح آیت الم تکن ارض اللّٰہ واسعۃ میں ارض سے مراد مدینہ ہے اور وجہ الارض سے ملائکہ نکل گئے کہ وہ آسمانی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی آسمان پر زندہ ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام کی اقامت بحر میں ہے، ہاروت وماروت اگرچہ دنیا میں ہیں مگر وہ بشر نہیں ہیں، ابلیس وشیاطین وجن بھی بشر نہیں ہیں اور حدیث میں بشر مراد ہیں، نیز سیدنا حضرت عیسیٰ اور خضر علیہما السلام کے بارے میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ امت محمدیہ میں نہیں ہیں اور حدیث میں ذکر امت کا ہے کہ ان کو اعمالِ خیر کی طرف رغبت دلاتا ہے۔

حیاتِ خضر علیہ السلام

علامہ عینی نے یہاں یہ بھی لکھا کہ امام بخاری اور ان کے ہم خیال حضرات نے حدیث الباب سے حضرت خضر علیہ السلام کی موت پر استدلال کیا ہے، لیکن جمہور ان کے خلاف ہیں اور علامہ سہیلی نے محقق امت ابن عبدالبرؒ سے نقل کیا ہے کہ متواتر اخبار وآثار سے حضرت خضر علیہ السلام کا اجتماع حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے، لہٰذا اس سے عدمِ اجتماع والی بات بھی غلط ہو جاتی ہے، اور بالفرض اگر وہ حضور علیہ السلام کے پاس نہ بھی تشریف لائے ہوں تو کتنے ہی حضرات حضور علیہ السلام پر ایمان لائے ہیں مگر حاضرِ خدمت نہیں ہو سکے نہ آپ کو دیکھ سکے اس لئے عدم اتیان عدم حیات کی دلیل نہیں بن سکتی، پھر لکھا کہ حضرت ابن عباس و وہب کی رائے ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی مرسل ہیں، مقاتل و اسماعیل بن ابی زیاد شامی کی بھی یہی رائے ہے۔ بعض نے کہا کہ ولی ہیں، علامہ ابوالفرج نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ وہ نبی ہیں۔ (عمدہ ص ۲/۵۷۲)

باب وقت العشاء اذا اجتمع الناس او تاخروا

(عشاء (کی نماز) کا وقت، جب لوگ جمع ہو جائیں، تو پڑھنا اگر دیر میں آئیں، تو دیر کر کے پڑھنا)

۵۳۵: حدثنا مسلم بن ابراهيم قال حدثنا شعبة عن سعد بن ابراهيم عن محمد بن عمرو وهو ابن الحسن بن علي بن ابي طالبؓ قال سألنا جابر بن عبدالله عن صلوة النبي صلى الله عليه وسلم فقال كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي الظهر بالهاجرة والعصر والشمس حية والمغرب اذا وجبت والعشآء اذا كثر الناس عجل واذا اقلوا آخر والصبح بغلس

ترجمہ: (۵۳۵) حضرت محمد بن عمرو بن حسن بن علی بن ابی طالبؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے جابر بن عبداللہ نے نبی کریم ﷺ کی نماز کی

کیفیت پوچھی، انہوں نے کہا کہ ظہر کی نماز آپ دوپہر میں پڑھتے تھے، اور عصر کی ایسے وقت کہ آفتاب صاف ہوتا، اور مغرب کی جب وہ غروب ہوجاتا، اور عشاء کی نماز جب آدمی بہت ہوجاتے، جلد پڑھ لیتے، اور جب کم ہوتے تو دیر میں پڑھتے اور صبح کی نماز اندھیرے میں (پڑھتے)۔

تشریح: علامہ عینیؒ نے لکھا کہ اس باب میں عشاء کا وقت بیان ہوا ہے کہ وہ اجتماع کے وقت ہے، اول وقت جمع ہوں تو اول وقت ہے اور دیر سے جمع ہوں تو تاخیر ہے اور حدِ تاخیر میں مختلف اقوال ہیں۔ ان کو ہم حدیث نمبر ۵۴۱ کے تحت بیان کریں گے۔

باب فضل العشآء

(نماز عشاء کی فضیلت کا بیان)

۵۳۶: حدثنا یحیی بن بکیر قال حدثنا اللیث عن عقیل عن ابن شهاب عن عروة ان عآئشة اخبرته قالت اعتم رسول الله صلی الله علیه وسلم لیلة بالعشاء و ذلک قبل ان یفشوا الاسلام فلم یخرج حتیٰ قال عمرؓ نام النسآء والصبیان فخرج فقال لاهل المسجد ماینتظرها احدمن اهل الارض غیرکم

۵۳۷: حدثنا محمد بن العلآء قال حدثنا ابو اسامة عن برید عن ابی بردة عن ابی موسیٰ قال کنت انا واصحابی الذین قد موامعی فی السفینة نزولا فی بقیع بطحان والنبی صلی الله علیه وسلم بالمدینة فکان یتناوب النبی صلی الله علیه وسلم عند صلوٰة العشآء کل لیلة نفرمنهم فوافقنا النبی صلی الله علیه وسلم انا واصحابی وله بعض الشغل فی بعض امره فاعتم بالصلوٰة حتیٰ ابهآر اللیل ثم خرج النبی صلی الله علیه وسلم فصلی بهم فلما قضیٰ صلوته قال لمن حضره علیٰ رسلکم ابشروا ان من نعمة الله علیکم انه لیس احد من الناس یصلی هذه الساعة غیرکم اوقال ما صلیٰ هذه الساعة احد غیرکم لایدری ای الکلمتین قال قال ابوموسیٰ فرجعنا فرحیٰ بما سمعنا من رسول الله صلی الله علیه وسلم

ترجمہ: ۵۳۶۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک شب عشا کی نماز میں رسول خدا ﷺ نے تاخیر کردی یہ (واقعہ) اسلام کے پھیلنے سے پہلے (کا ہے) (چنانچہ) آپ اس وقت نکلے، جس وقت حضرت عمرؓ نے آپ سے آکر (کہا) کہ عورتیں اور بچے سو چکے۔ آپ باہر تشریف لائے اور فرمایا، کہ زمین والوں میں سوا تمہارے کوئی اس نماز کا منتظر نہیں ہے۔

ترجمہ: ۵۳۷۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، کہ میں اور میرے وہ ساتھی جو کشتی میں میرے ہمراہ آئے تھے بقیع بطحان میں مقیم تھے۔ اور نبی کریم ﷺ مدینہ میں تھے، تو ان میں سے کئی کئی آدمی نوبت بہ نوبت نبی کریم ﷺ کے پاس جاتے تھے (ایک دن) ہم سب یعنی میں اور میرے ساتھی نبی کریم ﷺ کے پاس گئے اور آپکو اپنے (کسی) کام میں (ایسی) مصروفیت تھی، کہ (عشاء کی) نماز میں آپ نے تاخیر کردی، یہاں تک کہ رات آدھی ہوگئی، اس کے بعد نبی کریم ﷺ باہر تشریف لائے۔ اور لوگوں کو نماز پڑھائی جب آپ نماز ختم کر چکے تو جو لوگ وہاں موجود تھے، ان سے فرمایا، کہ ٹھہرو، خوش ہوجاؤ، کیونکہ تم پر اللہ کا یہ احسان ہے کہ تمہارے سوا کوئی آدمی اس وقت نماز نہیں پڑھتا، یا یہ فرمایا کہ اس وقت میں تمہارے سوا کسی نے نماز نہیں پڑھی، معلوم نہیں آپ نے (ان دو جملوں میں سے) کون سا فرمایا حضرت ابوموسیٰ کہتے ہیں کہ ہم اس بات سے جو کہ رسول خدا ﷺ سے ہم نے سنی خوش ہوکر لوٹے۔

تشریح: حافظؒ نے لکھا کہ امام بخاریؒ نے جو دو حدیثیں اس باب میں ذکر کی ہیں ان دونوں سے کوئی واضح خصوصی فضیلت نماز عشاء کی ثابت

نہیں ہوتی، البتہ انتظار عشا کی فضیلت نکلتی ہے، شاید وہی مراد ہو۔ (فتح صفحہ ۳۲۲) لیکن اگر انتظار کی فضیلت بتلانی تھی تو یہ لفظ کیوں حذف کیا اور آگے امام بخاری کتاب الاذان میں ایک باب مسجد میں انتظار صلوٰۃ کا لائیں گے تو تکرار ہو گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے لکھا کہ ظاہر یہ ہے کہ حسب ارشاد نبوی نماز کا یہ وقت اس امت کے ساتھ مخصوص ہے لہٰذا یہی نماز عشا کی فضیلت بن گئی۔ پھر شاہ صاحبؒ نے انتظار والی توجیہ کے مقابلہ میں اسی توجیہ کو ترجمۃ الباب کے مناسب بتلایا اور لکھا کما لایخفی علی من له طبع سلیم. گویا انتظار والی توجیہ طبع سلیم پر گراں ہے اور علامہ عینی نے بھی حافظ کی توجیہ پر نقد کیا ہے، حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے لکھا کہ میرے نزدیک فضل انتظار العشا ہی فضل العشا ہے۔ (الابواب ۲ صفحہ ۲۴۵) لیکن سوال یہ ہے کہ انتظار کی فضیلت تو ہر ایک نماز کے لئے یکساں ہے، اس میں عشا کی الگ کیا خصوصیت ہے، لہٰذا بہتر توجیہ وہی ہے جو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بیان کی اور ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ اور آپ نے اس بارے میں پوری تحقیق و تفصیل بھی فرمائی جو قابل ذکر ہے۔

افادۂ انور: حضرتؒ نے قولہ علیہ السلام و ما ینتظرھا احد غیرکم پر فرمایا کہ علامہ سیوطیؒ نے حصر بہ نسبت اہل کتاب کے قرار دیا اور اپنی شرح البخاری میں یہ دعویٰ کیا کہ عشا کی نماز کسی امت میں نہیں تھی بجز اس امت کے، اور امام طحاوی کے قول سے استدلال کیا کہ سب سے پہلے عشا کی نماز ہمارے نبی اکرم ﷺ نے پڑھی ہے، لیکن اس میں مجھے تامل ہے کیونکہ سب نمازیں دوسرے انبیاء علیہم السلام سے ثابت ہیں، اگرچہ ان کی امتوں پر فرض نہ تھیں، اور بنی اسرائیل پر صرف فجر و عصر کی نماز تھی جیسا کہ نسائی میں ہے۔ اس لئے علامہ سیوطیؒ کی رائے مذکور کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ عشا کی نماز بوصف فرضیت اسی امت کے ساتھ خاص ہے اور دوسروں نے اگر پڑھی ہے تو وہ نفل کے طور پر پڑھی ہے۔ لہٰذا ما ینتظرھا کا مطلب بھی بحیثیت فرض ہونے کے ہوگا، بعض نے یہ کہا کہ ابتدا میں اسلام چونکہ اطراف مدینہ میں نہ پھیلا تھا جیسا کہ حدیث الباب میں بھی اس کا ذکر ہے لہٰذا حصر بہ نسبت اطراف کے ہوگا۔ (یہاں فیض الباری صفحہ ۲-۱۳۱ میں بجائے اطراف کے الکفار غلط ہے) حافظ اور عینی نے لکھا:۔ مراد یہ ہے کہ اس ہیئت مخصوصہ یعنی جماعت کے ساتھ نماز نہ ہوتی تھی۔ بجز مدینہ کے، اور اسی کو داؤدی نے بھی اختیار کیا ہے۔ کیونکہ مکہ معظمہ میں تو صحابہ کرام کمزور تھے، چھپ چھپ کر نمازیں پڑھتے تھے، اور بجز مکہ و مدینہ کے اور شہروں میں اسلام داخل نہ ہوا تھا (فتح ۲ صفحہ ۳۴ وعمدہ ۲ صفحہ ۵۷۸) پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ بھی ممکن ہے کہ حصر بہ نسبت مسجد نبوی کے ہو اور دوسری مساجد میں نماز عشا اپنے وقت پر بلا تاخیر کے ہو جاتی ہو، کیونکہ حسب روایت دار قطنی مدینہ میں ۹ مساجد تھیں، اور علامہ سمہودی نے بھی متعدد بتلائی ہیں، یعنی دوسری مساجد میں لوگ نماز عشا پڑھ کر سو چکے، اور تم میری وجہ سے تاخیر سے پڑھ رہے ہو۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ بخاری صفحہ ۹۱ میں حدیث آنے والی ہے، جس میں حضور علیہ السلام کا ارشاد صلی الناس و رقدوا الخ موجود ہے، جس سے حضرتؒ کے ارشاد کی تائید ہوتی ہے اور صفحہ ۱۱۹ میں ولم یکن احد یومئذ یصلی غیر اھل المدینۃ اور دوسری جگہ اسی صفحہ پر ما ینتظرھا احد غیر کم من اھل الارض، ولا تصلی یومئذ الا بالمدینۃ بھی ہے، ان سب کو سامنے رکھ کر بات منقح ہو جاتی ہے۔

تحقیق مزید: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مسجد نبوی میں انتظار نماز عشا کے واقعات متعدد اوقات میں پیش آئے ہیں، یہاں حضرت عائشہ کی حدیث میں ابتداء اسلام کا واقعہ ہے پھر حضرت ابوموسیٰؓ کی حدیث بہت بعد کی ہے، کیونکہ وہ حبشہ سے ۷ھ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوئے ہیں، وہ یمن سے حضور علیہ السلام کی زیارت شریفہ کے لئے نکلے تو پہلے ہی تھے، مگر راستہ میں ہوا آندھی نے ان کو حبشہ میں پھینک دیا اور وہاں وہ سات سال تک رکے رہے، پھر وہ مع اپنے اصحاب کے حضرت جعفرؓ کے ساتھ مدینہ پہنچے اور بقیع بطحان میں اترے، وہاں سے نوبت بہ نوبت ان میں سے کچھ افراد حضور اکرم ﷺ کی خدمت مبارک میں ہر رات عشاء کے وقت حاضر ہوا کرتے تھے اور اسی زمانہ کا قصہ حدیث

میں بیان ہوا ہے، اور باب النوم قبل العشاء میں جو حدیث ابن عباس آنے والی ہے، اس کا واقعہ اس سے بھی بعد کا ہے کیونکہ وہ ۸ھ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنے چشم دید حالات بعد کے ذکر فرماتے ہیں۔

حضرتؒ نے اس تفصیل کی کوئی خاص وجہ بیان نہیں فرمائی، اور حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے بھی اس کو نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے، احقر عرض کرتا کہ شاید مقصد یہ ہوگا کہ ہر زمانہ کے مناسب توجیہ اختیار کر لی جائے، اور خاص طور سے مسجد نبوی والی توجیہ ہر زمانہ کے لئے موزوں ہو سکتی ہے، یعنی دوسری مساجد مدینہ میں نماز عشا میں اتنی تاخیر نہ ہوتی تھی جتنی مسجد نبوی میں ہو جاتی تھی، کیونکہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حضرات صحابہ کرام علوم دینیہ حاصل کرنے کے لئے مختلف اطراف سے پہنچتے تھے، اور کچھ کچھ دن قیام کر کے اپنے اپنے وطنوں کو واپس ہو جاتے تھے۔ تو حضور علیہ السلام کی ہمہ وقتی مشغولی اور شبانہ تعلیم جاری رہنے کے سبب سے نماز عشا میں تاخیر معمولی بھی اور بعض اوقات غیر معمولی بھی ہو جاتی ہوگی، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہوگا کہ آپ دن کے معمولات سے تھک کر بعد مغرب آرام فرماتے ہوں گے، اس لئے بھی نماز عشا میں زیادہ تاخیر ہو جاتی ہوگی، وغیرہ وغیرہ، ظاہر ہے کہ اتنی تاخیر کی مسجد نبوی کے علاوہ کہیں بھی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

باب ما یکره من النوم قبل العشآء

(عشاء کی نماز) سے پہلے سونا مکروہ ہے)

۵۳۸: حدثنا محمد بن سلام قال حدثنا عبدالوھاب الثقفی قال حدثنا خالدن الحذآء عن ابی المنھال عن ابی برزة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یکره النوم قبلها والحدیث بعدها

ترجمہ ۵۳۸: حضرت ابو برزہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ عشا سے پہلے سونے کو، اور اس کے بعد بات کرنے کو مکروہ خیال کرتے تھے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا، اگر کوئی نماز عشا کے وقت اٹھانے والا ہو، یا عادۃً نماز سے قبل اٹھ سکتا ہو تو سونے میں کوئی حرج نہیں، (بشرط یہ کہ نماز قضا نہ ہو کہ صبح تک سوتا ہی رہے) امام طحاویؒ نے فرمایا کہ رخصت صرف دخول وقت عشا سے قبل کے لئے ہے، اس کے بعد کراہت ہے۔

باب النوم قبل العشآء لمن غلب

(جس شخص پر نیند کا غلبہ ہو اس کے لئے عشاء سے پہلے سونے کا بیان)

۵۳۹: حدثنا ایوب بن سلیمان قال حدثنی ابوبکر عن سلیمان قال صالح بن کیسان اخبرنی ابن شھاب عن عروة ان عآئشه قالت اعتم رسول الله صلی الله علیه وسلم بالعشآء حتیٰ ناداه عمر الصلوٰة نام النسآء والصبیان فخرج فقال ما ینتظرها من اهل الارض احد غیرکم قال ولا یصلی یومئذ الا بالمدینه قال وکانوا یصلون فیما بین ان یغیب الشفق الیٰ ثلث اللیل الاول

۵۴۰: حدثنا محمود قال حدثنا عبدالرزاق قال اخبرنا ابن جریج قال اخبرنی نافع قال حدثنا عبدالله بن عمر ان رسول الله صلی الله علیه وسلم شغل عنها لیلة فاخرها حتی رقدنا فی المسجد ثم استیقظنا ثم رقدنا ثم استیقظنا ثم خرج علینا النبی صلی الله علیه وسلم ثم قال لیس احد من اهل الارض ینتظر الصلوٰة غیرکم و کان ابن عمر لا یبالی اقدمها ام اخرها اذا کان لایخشیٰ ان یغلبه النوم عن وقتها و قد کان یرقد قبلها قال ابن جریج قلت لعطاء فقال سمعت ابن عباس یقول اعتم رسول الله صلی الله علیه

وسلم ليلة بالعشآء حتىٰ رقد الناس واستيقظوا ورقدوا واستيقظوا فقام عمر بن الخطاب فقال الصلوٰة قال عطآء قال ابن عباس فخرج نبی الله صلى الله عليه وسلم كانى انظر اليه الأن يقطر راسه' مآء واضعاً يده' علىٰ راسه فقال لولاً ان اشق علىٰ امتى لامرتهم ان يصلوها هكذا فاستثبت عطآء كيف وضع النبى صلى الله عليه وسلم علىٰ راسه يده' كمآ انباه ابن عباسؓ فبددلى عطآء بين اصابعه شيئاً من تبديد ثم وضع اطراف اصابعه علىٰ قرن الراس ثم ضمها يمرها كذٰلك علىٰ الراس حتىٰ مست ابهامه' طرف الاذن مما يلى الوجه على الصدغ وناحية اللحية لايعصرولا يبطش الا كذٰلك وقال لولآان اشق علىٰ امتى لامرتهم ان يصلوا هكذا.

ترجمہ ۵۳۹: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں، کہ (ایک مرتبہ) رسول خدا ﷺ نے عشا (کی نماز) میں تاخیر کردی یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے آپ کو آواز دی، کہ نماز (تیار ہے) عورتیں اور بچے سو گئے، تب آپ باہر تشریف لائے اور فرمایا، کہ اس نماز کا تمہارے سوا کوئی انتظار نہیں کرتا (ابوبرزہ کہتے ہیں کہ اس وقت تک مدینہ منورہ کے سوا اور کہیں نماز نہ پڑھی جاتی تھی، وہ کہتے ہیں کہ صحابہ (عشاء کی نماز) شفق کے غائب ہوجانے کے بعد رات کی پہلی تہائی تک پڑھ لیتے تھے۔

ترجمہ ۵۴۰: حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ (ایک رات رسول خدا ﷺ کو عشا کے وقت کوئی ضرورت پیش آگئی، اس وجہ سے آپ کو (عشا کی) نماز میں تشریف لانے میں تاخیر، ہوگئی، یہاں تک کہ ہم مسجد میں سو رہے، پھر جاگے، پھر سو رہے، اس کے بعد نبی کریم ﷺ تشریف لائے، اور فرمایا کہ اس وقت زمین والوں میں تمہارے سوا کوئی (اس) نماز کا انتظار نہیں کر رہا ہے، (اور ابن عمر کچھ پروانہ کرتے تھے، کہ عشاء کی نماز جلد پڑھ لیں یا دیر میں پڑھیں۔ بشرط یہ کہ نماز کے فوت ہوجانے کا خطرہ نہ ہوتا۔ اور کبھی وہ عشاء سے پہلے سو رہتے تھے، ابن جریج کہتے ہیں میں نے عطاء سے (اس حدیث کو) بیان کیا تو انہوں نے کہا، کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا وہ کہتے تھے، کہ ایک شب رسول خدا ﷺ نے عشاء کی نماز میں اس حد تک تاخیر کردی کہ لوگ سو رہے اور پھر جاگے، اور پھر سو رہے اور پھر جاگے، تو عمر بن خطاب کھڑے ہوگئے، اور انہوں نے (جاکر آپ سے) کہا کہ نماز (تیار ہے) عطاء کہتے ہیں کہ ابن عباس نے کہا، پھر رسول خدا ﷺ باہر تشریف لائے گویا کہ میں آپ کی طرف اس وقت دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے سر سے پانی ٹپک رہا ہے، اور آپ اپنا ہاتھ سر پر رکھے ہوئے ہیں، آپ نے فرمایا، کہ اگر میں اپنی امت پر گراں نہ سمجھتا تو یقیناً انہیں حکم دے دیتا کہ عشاء کی نماز اسی طرح (اسی وقت) پڑھا کریں (ابن جریج کہتے ہیں) پھر میں نے عطاء سے بطور تحقیق کے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر کس طرح رکھا تھا، جیسا کہ ابن عباس نے ان کو خبر دی تو عطاء نے میرے (دکھانے کے) لئے اپنی انگلیوں کے درمیان میں کچھ تفریق کردی اس کے بعد اپنی انگلیوں کے سرے سر کے ایک جانب پر رکھ دیئے پھر ان کو ملا کر اس طرح سر پر کھینچ لائے۔ یہاں تک کہ ان کا انگوٹھا ان کے کان کی لو سے جو چہرے کے قریب ہے، داڑھی کے کنارے مل گیا، آپ جب پانی بالوں سے نچوڑتے اور جلدی کرنا چاہتے تو اسی طرح فرمایا کرتے، آپ نے فرمایا کہ اگر میں اپنی امت پر گراں نہ سمجھتا، تو بے شک انہیں حکم دے دیتا کہ وہ (عشاء کی نماز) اسی طرح (یعنی اسی وقت) پڑھا کریں۔

تشریح: حضرت نے فرمایا کہ حالات کے مطابق تقسیم ہے، اسی لئے جس پر کسی وجہ سے نیند کا زیادہ غلبہ ہو تو اس کے لئے بھی شرعاً گنجائش واجازت ہے۔ حدیث الباب میں ہے کہ عشا کی نماز غروب شفق سے تہائی شب تک پڑھائی جاتی تھی، اس لئے شفق کی تحقیق بھی ضروری ہوئی، علامہ خطابی نے لکھا: کچھ حضرات کی رائے ہے کہ شفق سرخی ہوتی ہے غروب کے بعد، یہ حضرت ابن عمر و حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اور مکحول وطاؤس کا بھی یہی قول ہے امام مالک، سفیان ثوری، ابن ابی لیلیٰ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی، امام احمد واسحٰق نے اسی کو اختیار کیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے

شفق بیاض کوقرار دیا جوسرخی کے بعد ہوتی ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز سے بھی یہی منقول ہے، اسی قول کو امام ابوحنیفہ اور اوزاعیؒ نے اختیار کیا، تیسری رائے بعض حضرات کی یہ بھی ہے کہ شفق حمرۃ وبیاض ملی جلی کا نام ہے کہ نہ خالص سرخی ہو نہ کھلی سفیدی، (معالم السنن صفحہ ۱۲۵ تا ۱۲۵)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مجھے بھی یہ آخر کا قول زیادہ پسند ہے کیونکہ شفق اشفاق وشفقت سے ماخوذ ہے، جس کے معنی میں رقت ہے، اس لئے اس میں دونوں کا ہلکا رنگ وعکس ہونا چاہئے۔ پھر فرمایا کہ طلوع صبح صادق سے طلوع شمس تک جتنا وقت ہوتا ہے تقریباً اتنا ہی غروب شمس سے غروب شفق ابیض تک ہوتا ہے۔ علم ریاضی والوں نے یہی تحقیق کی ہے نیز فرمایا کہ احادیث میں جوعشا کا وقت ثلث یا نصف لیل تک آیا ہے وہ سورۂ مزمل کی آیت "قم اللیل الا قلیلا نصفه او انقص منه قلیلا او زد علیه" کے مطابق ہے، حق تعالے نے اوقات لیل کو نماز عشا اور نماز تہجد کے درمیان تقسیم فرمادیا ہے، اگر عشا کو نصف کے اندر پڑھ لیا تو باقی نصف تہجد کے لئے رہ گئی اور اگر نماز عشا ثلث کے اندر پڑھی تو اس رات میں باقی دو ثلث تہجد کے لئے رہ گئے۔ اور اسی کے مطابق نزول باری بھی ہوتا ہے، کہ اس کی روایات بھی عشا کی طرح کوئی نصف کی ہے کوئی ثلث کی حافظؒ نے اگرچہ ثلث آخر کو ترجیح دی ہے مگر میرے نزدیک محقق یہ ہے کہ سب روایات صحیح ہیں، اور نزول کے بھی انواع ہیں، کسی کا وقت ثلث کے لئے ہے، کسی کا نصف کے لئے اور ہم ان نزولات کی کیفیات وذوق سے ناواقف ہیں مزید تحقیق اس کے موقع پر آئے گی، ان شاءاللہ تعالیٰ۔

باب وقت العشآء الیٰ نصف اللیل وقال ابوبرزة كان النبی صلی الله علیه وسلم یستحب تاخیرها

۵۴۱: حدثنا عبدالرحیم المحاربی قال حدثنا زائدة عن حمید ن الطویل عن انس قال اخر النبی صلی الله علیه وسلم صلوٰة العشآء الیٰ نصف اللیل ثم صلی ثم قال قد صلی الناس وناموا اما انكم فی صلوة ما انتظر تموها وزادا بنَ مریم قال اخبرنا یحییٰ بن ایوب قال حدثنی حمید سمع انساً كانی انظر الیٰ و بیص خاتمه لیلتئذ

ترجمہ ۵۴۱: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عشا کی نماز میں (ایک مرتبہ) نصف شب تک تاخیر فرمائی، اس کے بعد نماز پڑھی اور فرمایا کہ لوگ نماز پڑھ کر سو رہے، اور تم نماز میں رہے، جب تک کہ تم نے اس کا انتظار کیا، اور ابن ابی مریم نے اتنی بات زیادہ روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے یحییٰ بن ایوب نے کہا، وہ کہتے ہیں مجھ سے حمید نے بیان کیا، انہوں نے انسؓ سے سنا کہ گویا میں اس شب والی آپ کی انگوٹھی کی چمک کو اب بھی دیکھ رہا ہوں۔

تشریح: علامہ عینیؒ نے آخر وقت عشا کے لئے صحابہ کرام کے مختلف آثار واقوال ذکر فرما کر لکھا کہ ان ہی کے تحت ائمہ مجتہدین کا بھی اختلاف پیش آیا ہے، چنانچہ قاضی عیاض نے لکھا کہ امام مالک وشافعی (فی قول) ثلث رات تک کے قائل ہیں، اصحاب الرأی وشافعی (فی قول آخر) اور ابن حبیب (مالکیہ میں سے) نصف تک کہتے ہیں، امام نخعی ربع تک مانتے ہیں۔ بعض حضرات طلوع فجر تک کہتے ہیں، یہی قول داؤد کا ہے اور امام مالک بھی وقت ضرورت اس کے قائل ہیں۔ اس کے بعد علامہ عینی نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ کے مسلک میں تاخیر افضل ہے، مگر لیالی صیف میں شرح ہدایہ میں نصف شب تک تاخیر کو مباح لکھا ہے، بعض نے تاخیر بعد الثلث کو مکروہ بہ کراہت تحریمہ قرار دیا۔ (عمدہ ۲ صفحہ ۵۷۳)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: نماز عشا ثلث لیل تک مستحب ہے، اور نصف تک جائز بلا کراہت ہے، اس کے بعد کراہت تنزیہی ہے، جیسا

کہ محقق ابن امیر الحاج نے تحقیق کی ہے اور اسی کو امام طحاوی نے اختیار کیا ہے، پھر جن حضرات نے کراہت تحریم کہا ہے وہ بھی مسافر کو مستثنیٰ کرتے ہیں کہ اس لئے بعد نصف بھی بلا کراہت مانتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ مسافر کے لئے تاخیر مغرب میں بھی کراہت نہیں تاکہ وہ جمع صوری کر سکے، یعنی مغرب کو آخر وقت میں اور عشا کی اول وقت میں پڑھ لے (غیر مسافر کے لئے حنفیہ کے یہاں بھی مغرب میں تعجیل مسنون ہے اور تاخیر مکروہ) حافظ نے لکھا کہ یہاں تو امام بخاری نے نصف لیل تک کا باب باندھا ہے۔ مگر مسلم میں حدیث صریح ہے جس میں اول و آخر وقت عشا کا بیان ہے، علامہ نووی نے فرمایا کہ نصف لیل تک وقت اداء مختار ہے، لیکن وقت جواز طلوع فجر تک ہے، کیونکہ حضرت ابوقتادہ سے مسلم میں حدیث ہے کہ دوسری نماز تک پہلی کا وقت رہتا ہے، اور پہلی نماز میں اتنی تاخیر کرنا ممنوع نہیں ہے۔ اصطخری نے ضرور یہ کہا ہے کہ اگر آدھی رات گذر گئی تو پھر نماز عشا وقضا ہوگئی، مگر جمہور کا استدلال حدیث ابی قتادہ مذکور سے ہے۔ اس پر حافظ نے اضافہ کیا کہ عموم حدیث ابی قتادہ سے بالا جماع نماز فجر کو مستثنیٰ کریں گے (کہ اس کا وقت دوسری نماز یعنی ظہر تک نہیں ہے) اور امام شافعی کے قول جدید پر مغرب کو بھی۔ (کہ اس قول پر مغرب کا وقت ان کے نزدیک صرف اتنا ہے کہ وضو وغیرہ کر کے تین رکعات پڑھ لے) حافظ نے یہاں یہ بھی لکھا کہ مجھے امتداد وقت عشا الی طلوع الفجر کے لئے کوئی صریح حدیث نہیں ملی (فتح ۲ صفحہ ۳۵)

حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے لکھا کہ میرے نزدیک امام بخاری نے بھی اصطخری کا مسلک اختیار کیا ہے، اور وہ ایک قول امام شافعی و مالک کا بھی ہے۔ لیکن اسی حدیث الباب بخاری میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے نماز عشا کو نصف لیل تک موخر کیا، اور پھر نماز پڑھی اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے نصف کے بعد نماز پڑھی تو ظاہر ہے کہ پھر یہ وقت صبح تک کے لئے ہوگیا کیونکہ اقوال صرف تین ہی ہیں۔ ایک ثلث کا دوسرا نصف کا' تیسرا طلوع فجر تک کا، ایسا قول کسی کا بھی نہیں ہے کہ بعد نصف کے اور طلوع فجر سے پہلے ختم ہو۔ امام طحاوی نے کہا کہ تمام احادیث پر نظر کر کے یہ بات ثابت ہے کہ عشا کا وقت جائز طلوع فجر تک ہے کیونکہ حدیث حضرت عائشہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے نماز کو مؤخر کیا تا آنکہ بیشتر رات کا حصہ جاتا رہا۔ اس سے معلوم ہوا کہ پوری رات ہی نماز عشا کا وقت ہے، اور اس کی تائید کتاب حضرت عمرؓ بنام ابی موسیٰ سے بھی ہوتی ہے، جس میں آپ نے فرمایا کہ عشا کی نماز رات کے جس حصہ میں چاہو پڑھو، اور حدیث ابی قتادہ مسلم کی اوپر گذری ہے، جس سے علامہ نووی نے بھی طلوع فجر تک کا وقت تسلیم کیا ہے، پھر امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں پوری تفصیل سے اسی کو ثابت کیا ہے اور لکھا کہ حضرت عبید بن جریج نے حضرت ابوہریرہؓ سے سوال کیا کہ نماز عشا میں افراط کیا ہے، آپ نے جواب دیا طلوع فجر۔ (اس سے بھی وقت جواز کی انتہا معلوم ہوئی) حاشیہ لامع ۲۲۳ صفحہ ۲۲۲ اول، او جز ا صفحہ ۲ میں ہے کہ حنفیہ کے نزدیک عشا کا وقت طلوع فجر تک ہے۔ اور مغنی میں بھی وقت ضرورت طلوع فجر ثانی تک ہے۔ ابھی امام طحاوی کے مسلک اور تحقیق کا حوالہ بھی اوپر آچکا ہے۔

انتظار صلوٰۃ کا مطلب: حدیث الباب میں ہے کہ جب تک تم نماز کے انتظار میں رہو گے تمہارا وقت نماز میں ہی شمار ہوگا۔ اس پر حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ تو نماز جماعت سے پہلے مسجد میں جا کر وہاں انتظار صلوٰۃ میں بیٹھنے کی فضیلت ہے جو اور بھی بہت سی احادیث میں وارد ہے، مگر بعض احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک نماز سے فارغ ہو کر دوسری نماز کا انتظار کرنے میں بھی بڑی فضیلت ہے لیکن میں نہیں سمجھ سکا کہ اس پر تعامل بھی ہوا یا نہیں کیونکہ سلف سے یہ بات شہرت و کثرت کے ساتھ منقول نہیں ہوئی کہ وہ نمازوں کے بعد دوسری نمازوں کے لئے مساجد میں رکے رہتے تھے، حالانکہ فضیلت کی بہ کثرت احادیث کے پیش نظر عملی نظائر بھی سامنے ضرور آئے، اس سے خیال ہوتا ہے کہ شاید مراد فقط تعلق قلب ہو۔ اور اس معنی کی تائید بھی بعض احادیث سے ہوتی مثلاً حدیث ابی ہریرہؓ بخاری و مسلم میں ہے کہ سات آدمیوں کو حق تعالیٰ قیامت کے روز اپنے سایہ میں جگہ دے گا ان میں سے ایک وہ بھی ہے جس کا دل مسجد میں لٹکا ہوا ہے (کہ کب نماز کا وقت ہو اور مسجد میں جاؤں) اور حقیقت بھی یہ ہے کہ مومن کی سب سے بڑی خوبی اسکے قلب کا انتظار و دھیان نماز و مسجد کی طرف ہے، اور مسجد و نماز میں

بھی اگر دل باہر کی چیزوں میں ہو تو وہ بالکل بے سود ہے۔ اور اگر کسی کو دونوں باتیں میسر ہوں کہ قلب وجسم دونوں مسجد میں ہوں تو یہ ظاہر ہے نور علی نور ہے، اسی سلسلہ کی کچھ احادیث سے نماز کے بعد اسی جگہ بیٹھ کر ذکر اللہ کرنے کی بھی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب فضل صلوٰة الفجر والحديث

نماز فجر کی فضیلت کا بیان اور حدیث

۵۴۲: حدثنا مسدد قال حدثنا يحيىٰ عن اسماعيل قال حدثنا قيس قال قال لي جرير بن عبدالله كنا عند النبي صلى الله عليه وسلم اذ نظر الى القمر ليلة البدر فقال امآ انكم سترون ربكم كما ترون هذا لاتضامون اولا تضاهون في رويته فان استطعتم الاتغلبوا علىٰ صلوة قبل طلوع الشمس و قبل غروبها فافعلوا ثم قال فسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل غروبها قال ابوعبدالله زادابن شهاب عن اسماعيل عن قيس عن جرير قال النبي صلى الله عليه وسلم سترون ربكم عياناً

۵۴۳: حدثنا هدبة بن خالد قال حدثنا همام قال حدثني ابوجمرة عن ابي بكربن ابي موسىٰ عن ابيه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من صلى البردين دخل الجنة و قال ابن رجآء حدثنا همام عن ابي جمرة ان ابابكر بن عبدالله ابن قيس اخبره بهٰذا

۵۴۴: حدثنا اسحٰق قال حدثنا حبان قال ثنا همام قال حدثنا ابوجمرة عن ابي بكر بن عبدالله عن ابيه عن النبي صلى الله عليه وسلم مثله

ترجمہ ۵۴۲: حضرت جریر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ ہم (ایک مرتبہ) شب بدر میں نبی کریم ﷺ کے پاس تھے کہ آپ نے چاند کی طرف نظر فرمائی۔ اور فرمایا، سنو! عنقریب تم لوگ اپنے پروردگار کو بے شک وشبہ اسی طرح دیکھو گے، جس طرح (اس وقت) اس چودھویں رات (چاند کو دیکھ رہے ہو، لہٰذا اگر تم یہ کر سکو کہ طلوع آفتاب سے قبل کی نماز پر (شیطان سے) مغلوب نہ ہو، تو کرو، پھر آپ نے فرمایا **فسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل غروبها**، امام بخاری کہتے ہیں، کہ ابن شہاب نے اسمٰعیل سے انہوں نے قیس سے انہوں نے جریر سے اتنے لفظ زیادہ روایت کئے ہیں کہ عنقریب تم اپنے پروردگار کو علانیہ دیکھو گے۔

ترجمہ ۵۴۳: حضرت ابوبکر بن ابی موسیٰ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دو ٹھنڈی نمازیں پڑھ لے گا، وہ جنت میں داخل ہوگا، اور ابن رجا نے کہا کہ ہم سے ہمام نے بواسطہ ابوجمرہ، اور ابوبکر بن عبداللہ بن قیس نے اس کو بیان کیا۔

ترجمہ ۵۴۴: ہم سے اسحٰق نے بواسطہ حبان، ہمام، ابوجمرہ وابوبکر، حضرت عبداللہ نے رسول اللہ ﷺ سے اسی کے مثل روایت کیا۔

تشریح: اوپر ترجمۃ الباب میں "والحدیث" کا جو لفظ ہے، وہ صرف روایت ابی ذر میں ہے، حافظ نے لکھا کہ اس لفظ کے لئے یہاں کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی، اور کرمانی نے جو "**باب فضل الفجر و باب الحديث الوارد في فضل صلوة الفجر**" سے توجیہ کی ہے وہ بعید ہے، کیونکہ یہ زیادتی کسی مستخرج میں بھی نہیں ہے اور نہ کسی شارح نے اس طرف توجہ کی تو بظاہر وہ غلط اور وہم ہے، یا **باب فضل صلاة الفجر و العصر** ہوگا عصر کی جگہ الحدیث لکھا گیا۔ (فتح ۲ صفحہ ۳۵) علامہ عینی نے لکھا کہ حافظ ابن حجر کا کرمانی کی توجیہ کو رد کرنا اور خود اس زیادتی کو وہم قرار دینا دونوں باتیں نامناسب ہیں، بلکہ وہم وتحریف والی توجیہوں سے کرمانی کی توجیہ بہتر ہے، اور میرے نزدیک یہ توجیہ ہے کہ رات کو سونے کے بعد صبح کو اٹھنا نئی زندگی کا حصول ہے، اسی لئے سو کر اٹھنے کی دعا بھی **الحمد لله الذي احيانا بعد ما اماتنا و اليه**

النشور، وارد ہے، لہٰذا اٹھ کر بطور اداء شکر صبح کی نماز پڑھنی ہے، اور چونکہ اس کی ادائیگی کی حدیث میں فضیلت بھی نہایت عظیم ہے اس لئے اس کی طرف ترجمۃ الباب میں اشارہ کیا ہے۔ (عمدہ ۲ صفحہ ۵۸۲)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: ۔لفظ مذکور کہ زیادتی پر شارحین نے بہت سی توجیہات کی ہیں لیکن کوئی شافی بات نہ ہو سکی، میری رائے یہ ہے کہ امام بخاری کی عادت تراجم ابواب کے اندر یہ بھی ہے کہ اگر کسی غیر مقامی حدیث سے بھی کوئی فائدہ لینا چاہتے ہیں تو اس کو ترجمہ کے ضمن میں ذکر کر دیتے ہیں اگر چہ وہ اس ترجمہ کے مناسب نہ ہو، اور میں اس کا نام ''انجاز'' رکھتا ہوں یہاں بھی میرے نزدیک یہی صورت ہے کہ فضیلت نماز فجر کا ذکر ہے، اور اس کی کوئی مناسبت حدیث بعد العشاء سے نہیں ہے، مگر چونکہ حدیث الباب میں اس کا ذکر ہے کہ حضور علیہ السلام سے صحابہ کرام نے فضیلت نماز فجر کو مسجد نبوی میں چاندنی رات کے اندر حاضر خدمت رہ کر سنا ہے تو اسی فائدہ کے لئے بطور ''انجاز'' امام بخاری نے ''الحدیث'' سے اشارہ حدیث بعد العشاء کی طرف کر دیا، اور بتلایا کہ کسی دینی بات کو بعد عشا بھی کر سکتے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے اس توجیہ کو اقرب التوجیہات فرمایا، ساتھ ہی کچھ تامل بھی اس لئے کیا کہ کوئی تصریح اس امر کی کتب حدیث میں نہ مل سکی کہ حضور علیہ اسلام کا یہ ارشاد بعد نماز عشاء کے صادر ہوا ہے، اگر چہ احتمال زیادہ اسی کا ہے کیونکہ بدر کی روشنی اسی وقت شدید وقوی ہوتی ہے جو مقام تشبیہ کے لئے زیادہ موزوں ومناسب ہے۔

حضرت گنگوہیؒ سے دو توجیہ منقول ہیں ایک یہ کہ باب کا لفظ مقدر مانیں یعنی باب فضل صلوٰۃ الفجر و باب فضل الحدیث فیہ اور تکرار باب اس حدیث کی عظیم منقبت ظاہر کرنے کے لئے ہوا، کیونکہ اس میں رؤیت باری تعالیٰ کی بشارت دی گئی ہے، (لیکن تکرار لفظ باب سے تو بہتر یہ ہے کہ والحدیث کو صلوٰۃ الفجر پر عطف کر دیں، اس سے بھی یہی فائدہ حاصل ہوگا، دوسرے یہ کہ حدیث الباب میں تو فضیلت عصر کی بھی رؤیۃ باری عزاسمہ کے ساتھ ہے، وہاں بھی باب فضل صلوٰۃ العصر والحدیث لانا تھا، جبکہ وہاں بھی یہی حدیث جریر گذر چکی ہے)

دوسری توجیہ یہ ہے کہ ''الحدیث کا عطف فضل پر کیا جائے، یعنی و باب الکلام بعد الفجر کہ فجر کے بعد باتیں کرنا مکروہ ہیں، جیسا کہ آیت **فسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا** کے یہاں ذکر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ وقت تسبیح کا ہے۔ اور احادیث میں بھی کراہت وارد ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ آیت حکم تسبیح قبل طلوع الشمس میں تسبیح کرنے کا حکم ہے، جس کی تعمیل نماز فجر کے ذریعہ ہوگئی۔ پھر جس طرح قبل غروب والی نماز عصر کے بعد باتیں کرنے کی کوئی ممانعت آیت سے نہیں نکلتی اسی لئے نماز عصر کے بعد باتیں کرنا جائز ہے، یہاں بھی نماز فجر کے بعد اس میں کوئی حرج نہ ہوگا۔ پھر بعد نماز فجر کے اگر چہ بہتر یہی ہے کہ ذکر واذکار میں مشغول ہو، مگر باتیں کرنے کی ممانعت والی احادیث معلوم نہ ہو سکیں جیسی کہ ممانعت حدیث بعد العشاء کی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب وقت الفجر
نماز فجر کے وقت کا بیان

۵۴۵: حدثنا عمرو بن عاصم قال حدثنا همام عن قتادة عن انس ان زيد بن ثابت حدثه انهم تسحروا مع النبي صلى الله عليه وسلم ثم قاموا الى الصلوة قلت كم بينهما قال قدر خمسين او ستين يعني اية

۵۴۶: حدثنا الحسن بن الصباح سمع روح بن عبادة قال حدثنا سعيد عن قتادة عن انس بن مالك ان نبي صلى الله عليه وسلم وزيد بن ثابت تسحرا فلما فرغا من سحورهما قام النبي صلى الله عليه وسلم

الى الصلوٰة فصلے قلنا لانس كم كان بين فراغهما من سحورهما ودخولها فى الصلوٰة قال قدرما لقرؤ الرجل خمسين اية

۵۴۷: حدثنا اسماعيل بن ابى اويس عن اخيه عن سليمان عن ابى حازم انه سمع سهل بن سعد يقول كنت اتسحر فى اهلى ثم تكون سرعة بىّ ان ادرک صلوٰة الفجر مع رسول الله صلى الله عليه وسلم

۵۴۸: حدثنا يحيى بن بكير قال حدثنا الليث عن عقيل عن ابن شهاب قال اخبرنى عروة بن الزبير ان عآئشة رضى الله عنها اخبرته قالت كن نسآء المومنات يشهدن مع رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوٰة الفجر متلفعات بمروطهن ثم ينقلبن الىٰ بيوتهن حين يقضين الصلوٰة لايعرفهن احد من الغلس

ترجمہ ۵۴۵: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں، کہ زید بن ثابت نے مجھ سے بیان کیا کہ صحابہ نے نبی کریم ﷺ کے ہمراہ سحری کھائی اس کے بعد نماز کے لئے کھڑے ہو گئے میں نے پوچھا کہ ان دونوں میں کتنا فصل تھا، زید نے کہا، پچاس یا ساٹھ (کی تلاوت) کے اندازے پر۔

ترجمہ ۵۴۶۔ حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں، کہ نبی کریم ﷺ اور زید بن ثابت دونوں نے سحری کھائی جب اپنی سحری سے فارغ ہو گئے تو نبی کریم ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے، اور اپنی نماز پڑھی، ہم لوگوں نے ان سے پوچھا کہ ان دونوں کے سحری سے فراغت کرنے، اور نماز کے درمیان میں کس قدر فصل تھا، انس نے کہا اس قدر کہ آدمی پچاس آیتیں پڑھ لے۔

ترجمہ ۵۴۷: حضرت ابوحازم سہل بن سعدؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں اپنے گھر کے لوگوں میں (بیٹھ کر) سحری کھایا کرتا تھا، پھر مجھے اس بات کی جلدی پڑ جاتی تھی کہ کس طرح میں فجر کی نماز رسول خدا ﷺ کے ہمراہ پڑھ لوں۔

ترجمہ ۵۴۸: حضرت عروہ بن زبیرؒ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم مسلمان عورتیں رسول خدا ﷺ کے ہمراہ فجر کی نماز میں اپنی چادروں میں لپٹ کر حاضر ہوتی تھیں، جب نماز ختم کر چکتیں اور اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ جاتیں تو کوئی شخص اندھیرے کے سبب سے ان کو پہچان نہ سکتا تھا۔

تشریح: امام بخاری نے اس باب میں چار حدیثیں ذکر فرمائی ہیں اور سب سے یہ ثابت کیا ہے کہ صبح کی نماز اندھیرے جھٹ پٹے وقت میں پڑھنی چاہئے اور یہی مذہب امام مالک، شافعی و احمدؒ کا بھی ہے، امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، سفیان ثوری وغیرہ کے نزدیک اسفار میں نماز پڑھنا بہتر ہے تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ شرکت کریں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حنفی کتاب فقہ مبسوط میں ہے کہ ظہر میں ابراد اور صبح میں اسفار کی فضیلت حنفیہ کے یہاں اس وقت ہے کہ لوگ جمع نہ ہوں، اگر جمع ہوں تو افضل تعجیل ہی ہے، اور اسی نقطۂ نظر سے عشاء میں بھی تعجیل کا حکم معلوم ہو سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف جواز کا نہیں ہے بلکہ استحباب کا ہے۔ پھر یہ کہ آئمۂ حنفیہ میں سے ہی امام محمد اور امام طحاوی کا مسلک یہ ہے کہ غلس (اندھیرے) میں شروع کر کے اسفار (روشنی کے وقت) میں نمازِ صبح ختم کی جائے، اور ختم بھی ایسے وقت میں کر لینی چاہئے کہ اگر نماز لوٹانے کی ضرورت پڑ جائے تو مستحب طریقہ پر پھر سے پڑھی جا سکے، یعنی ۴۰ سے ۶۰ آیات تک دونوں رکعتوں میں پڑھی جا سکیں۔

بحث ونظر: سب سے اول گذارش ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے ابتدائی دور تدریس دارالعلوم دیوبند میں ابوداؤد و مسلم شریف پڑھائی تھیں جبکہ حضرت شیخ الہندؒ ترمذی و بخاری شریف پڑھایا کرتے تھے، اس وقت کے درس کی امالی مولانا محمد صدیق ساکن نجیب آباد ضلع بجنور کی ضبط کردہ ''انوار المحمود'' کے نام سے طبع شدہ موجود ہے۔ اور العرف الشذی معارف السنن وفیض الباری (امالی درس ترمذی و بخاری) بھی ہمارے سامنے ہیں، اور حضرتؒ نے ''کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ'' لامام محمدؒ کے حوالہ سے ایک بات پیش کی ہے، یہ کتاب بھی اب طبع شدہ موجود ہے، لیکن

حضرتؒ کے ارشاد کو پیش کرنے میں کچھ مسامحت ہوگئی ہے، اس کو بھی ہم واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں، امام محمدؒ نے جس مقصد سے یہ کتاب لکھی تھی وہ سب اہل علم پر روشن ہے، امام صاحب نے اپنی کتاب کا آغاز اسی مسئلہ سے کیا ہے اور بتلایا ہے کہ حنفیہ اور امام مالکؒ کے اختلاف کی نوعیت کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ نے آثار کی روشنی میں اور اس لئے بھی کہ لوگ صبح کو نیند کی گرانی سے اٹھتے ہیں، یہ فیصلہ کیا کہ صبح کی نماز اسفار میں پڑھی جائے تا کہ سونے والے اور دوسرے سب ہی جماعت میں شریک ہو جائیں، دوسرا مسلک امام مالک و اہل مدینہ کا ہے کہ اندھیرے میں پڑھی جائے، پھر لکھا کہ دونوں کے لئے آثار و اخبار ہیں، مگر ہمارے نزدیک اسفار ہی بہتر ہے۔ کیونکہ پہلے لوگ جو اندھیرے میں پڑھتے تھے وہ قراءت طویل کرتے تھے، جس سے سونے والوں اور دوسروں کو جماعت کی نماز مل جاتی تھی، اور ختم وہ بھی اسی وقت کرتے تھے، جس وقت اسفار والے کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے منقول ہے کہ وہ صبح کی نماز میں سورۂ بقرہ پڑھتے تھے، تو معلوم ہوا کہ وہ اندھیرے سے نماز اسی لئے پڑھتے تھے (کہ کافی وقت لگے گا اور اسفار تک نماز ختم ہوگی۔) لیکن جو لوگ تھوڑی قراءت کریں اور مفصل کی سورتیں یا ان کی برابر کی قراءت قرآن مجید سے کریں ان کو اسفار میں ہی پڑھنی چاہئے۔ (کتاب الحجہ مع حواشی محدث علام مولانا مفتی مہدی حسنؒ)

اس سے ثابت و واضح ہے کہ امام محمدؒ کا مسلک بھی امام ابوحنیفہ و امام ابو یوسف ہی کی طرح ہے، کوئی فرق نہیں کیونکہ اگر سورۂ بقرہ جیسی طویل قراءت اب بھی کی جائے گی تو ظاہر ہے کہ اس کو اندھیرے میں شروع کرنا پڑے گا، اور جس طرح کتب فقہ حنفی میں ہے کہ صبح کی نماز میں طوال مفصل پڑھی جائیں، یعنی سورۂ حجرات (پارہ نمبر ۲۶) سے سورۂ بروج (پارہ نمبر ۳۰) تک کی سورتیں۔ اور اسی کا ارشاد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو فرمایا تھا، ان سب سورتوں میں ۱۸ سے ۶۰ تک آیات ہیں، سورۂ نجم و رحمٰن میں زیادہ ہیں تو ان کی آیات بہت چھوٹی چھوٹی ہیں، غرض دونوں رکعتوں میں جتنی قراءت نماز صبح میں ہونی چاہئے، اس میں ۸۔۱۰ منٹ صرف ہو سکتے ہیں، ظاہر ہے کہ اتنی قراءت کے لئے اندھیرے سے نماز شروع کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔ اور اسی کی طرف امام محمدؒ رہنمائی فرما رہے ہیں، اور اسی لئے انہوں نے اسفار کو احب الینا فرمایا یعنی امام صاحب وغیرہ اور اپنا مسلک ایک ہی قرار دیا، اور اندھیرے میں شروع کرنے کو ایک مخصوص حالت پر محمول کیا، برخلاف اس کے کہ امام طحاوی کا مسلک یہ ہے کہ اندھیرے میں شروع کر کے اسفار میں ختم کرے۔ یہ مسلک بالکل الگ ہے کیونکہ امام مالک شافعی و احمد کے نزدیک نماز صبح اندھیرے میں شروع کرنا اور اندھیرے میں ہی ختم کرنا افضل ہے، ائمہ حنفیہ سب ہی کے نزدیک اسفار میں شروع اور اسی میں ختم ہے، صرف امام طحاوی حنفی کا یہ مسلک سب سے الگ ہے کہ اندھیرے میں شروع کر کے اسفار میں ختم ہو۔ امام محمدؒ نے اس صورت کو غیر معمولی طوالتِ قراءت پر محمول کر دیا ہے، اور یہ بھی فرمایا کہ پہلے لوگوں نے اس پر عمل کیا تھا اور ظاہر ہے کہ امام ابو یوسف اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ سے الگ نہیں ہی، لہٰذا تینوں ائمہ حنفیہ کا مسلک واحد ہے اور وہی بات نقل مذہب کی کتابوں میں بھی ملتی ہے، غرض کتاب الحجہ اور دوسری کتب نقول میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور حضرتؒ کی مراد بیان کرنے میں مسامحت ہوئی ہے۔ حضرتؒ کا مقصد یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ و امام ابو یوسف تو اسفار ہی کے بدایۃ ونہایۃ میں قائل ہیں امام طحاوی ہدایت فی التغلیس ونہایت فی الاسفار کے قائل ہیں یعنی قراءت خواہ طویل ہو یا قلیل نماز ایسے وقت ہو کہ غلس میں شروع کر کے اسفار پر ختم کرے، کیونکہ غلس اور اسفار کے بھی مراتب ہیں۔ امام محمدؒ نے یہ صراحت کی کہ ہم بدایۃ فی التغلیس ونہایۃ فی الاسفار کو صرف غیر معمولی تطویل قراءت پر محمول کرتے ہیں، اس کے سوا دوسری صورتوں میں بدایۃ ونہایۃ دونوں میں اسفار ہی افضل ہے اور چونکہ امام ابوحنیفہ کا منشاء سب لوگوں کا جماعت پالینا ہے، اس لئے طویل قراءت میں وہ بھی یہی کہیں گے جو امام محمد نے فرمایا ہے اور اگر امام طحاوی کے یہاں بھی اطالت قراءت کی قید بدایۃ فی التغلیس ونہایۃ فی الاسفار کے لئے مان لی جائے تو پھر چاروں ائمہ حنفیہ کا مسلک متحد ہو جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دلائل اسفار وحافظ ابن حجرؒ:

حنفیہ کے حق میں اسفارف کے دلائل اتنے زیادہ اور قوی ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ نے بھی باوجود مسلک شافعی ہونے کے اس کو اختیار کیا ہے، ملاحظہ ہو، معارف السنن ص۴۲/۲، تاہم فتح الباری وغیرہ میں حافظ نے وہی روش رکھی ہے جو دیگر شافعیہ یا دہ خود اختلافی مسائل میں اختیار کیا کرتے ہیں۔ دلائل اسفار او جز اور معارف السنن، عمدۃ القاری وغیرہ میں دیکھے جائیں۔ ہمیں یہاں اہم بات ذکر کرنی ہے۔

حدیث ابن مسعودؓ کی بحث

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ دلائل اسفار میں ایک حدیث عبداللہ بن مسعودؓ کی بھی ہے، جس کو امام بخاری نے بھی باب من اذن و اقام لکل واحدۃ ص ۲۲۷ میں ذکر کیا ہے، اور وہ امام شافعی وغیرہ کے مخالف ہے اس میں ہے کہ "میں نے کبھی بھی حضور علیہ السلام کو نہیں دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز غیر وقت میں پڑھی ہو، بجز اس دن کے، یعنی یوم مزدلفہ میں صبح کی نماز اور مغرب کی نماز بھی وقت سے بدل کر مزدلفہ کی شب میں عشا کے وقت میں پڑھی"۔ کیونکہ ظاہر ہے آپ نے اس دن بھی صبح کی نماز طلوع فجر میں قبل تو پڑھی نہ ہوگی کہ وہ تو کسی طرح بھی اور کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے، لہٰذا اول وقت پر پڑھنے کو ہی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے غیر وقت اس لئے قرار دیا ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کے عام معمول کے خلاف تھی، لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ کی عام عادت اسفار میں پڑھنے کی ہی تھی ابتداء وقت کی نہ تھی جو شافعیہ کا مسلک ہے اور صرف حج کے موقع پر دسویں ذی الحجہ کو مزدلفہ میں صبح کی نماز اول وقت ہوتے ہی آپ نے پڑھی ہے۔ نیز آپ کے قولی ارشادات سے بھی اسفار کا ہی حکم ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کے قول وفعل دونوں سے اسفار کا مستحب وافضل ہونا واضح ہو گیا۔ علامہ نووی نے فرمایا کہ حدیث عبد اللہ بن مسعود سے امام ابوحنیفہؒ جمع بین الصلاتین فی السفر کی ممانعت بھی ثابت کی ہے، مگر یہ استدلال اس لئے صحیح نہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے مزدلفہ کی مدات میں جمع بین الصلاتین کا ذکر کر کے یہ بھی کہا کہ اس کے سوا حضور علیہ السلام نے کبھی دو نمازوں کو جمع نہیں کیا، حالانکہ جمع عرفہ سب کے نزدیک ثابت ہے، اور عبداللہ بن مسعود نے اس کو ذکر نہیں کیا۔ لہٰذا ان کی حدیث قابل استدلال نہیں رہی۔ حضرتؒ نے علامہ نووی کا یہ اعتراض نقل کر کے فرمایا کہ حافظ نے بھی ان کے اعتراض کو ذکر کیا اور خاموشی سے آگے گذر گئے (جیسے اس کو تسلیم کر لیا ہو) میں کہتا ہوں کہ جمع عرفہ کا ذکر بھی حضرت ابن مسعودؓ کی روایت نسائی میں موجود ہے، ملاحظہ ہو، کتاب الحج میں باب الجمع بین الظہر والعصر بعرفۃ، نسائی ص۴۳/۲ (واضح ہو کہ بعینہٖ اسی عنوان سے یہ باب کتاب الصلوۃ میں بھی ص۱۰۰/۱ میں امام نسائی نے قائم کیا ہے مگر وہاں ابن مسعود کی یہ روایت ذکر نہیں فرمائی، اس لئے صرف اس کو دیکھ کر یہ سمجھا جاتا ہے کہ نسائی کا حوالہ غلط ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے علامہ نووی سے یہ روایت نسائی پوشیدہ رہی ہو، مگر حافظ ابن حجرؒ سے تو مخفی نہ ہوگی، اس لئے ان کا سکوت موجب حیرت ہے۔

حضرتؒ کے اس قسم کے محدثانہ نکات نہایت قابل قدر ہیں، احقر کا خیال ہے شاید علامہ سندیؒ محشی نسائی شریف کو بھی علامہ نووی کے اعتراض اور حافظ کے سکوت سے یہی یقین ہو گیا ہوگا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث ضرور گر جانے کے ہی لائق ہے کہ انہوں نے جمع عرفہ ایسی مشہور ومتواترات کا بھی انکار کر دیا اور فرمادیا کہ میں نے حضور علیہ السلام کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے دو نمازوں کو جمع کیا ہو بجز مزدلفہ کے اور اسی کی صبح کو فجر کی نماز بھی وقت سے قبل پڑھی (نسائی شریف ص۱۰۰/۱ باب الجمع بین المغرب والعشاء بالمزدلفہ)

اس پر علامہ سندی نے حاشیہ میں لکھا کہ شاید حضرت ابن مسعودؓ کو جمع عرفہ کی خبر نہ پہنچی ہوگی، اس لئے حصر سے ایسی بات فرمادی۔

حیرت ہے کہ نسائی شریف ص۴۴/۲ کی حضرت ابن مسعودؓ سے مروی حدیث کان رسول اللہ ﷺ یصلی الصلوات لوقتھا الا بجمع و عرفات، ان سے بھی مخفی ہوگئی۔ ورنہ وہ حاشیہ میں ایسی بات نہ لکھتے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

قولہ ان زید بن ثابت

حضرتؒ نے فرمایا: یہ وہی حضرت زید بن ثابتؓ ہیں جو حضور علیہ السلام کی نمازِ شبانہ میں بھی شریک ہوئے ہیں اور ان کا مذہب نماز وتر کے بارے میں وہی ہے جو حنفیہ کا ہے (تفصیل کشف الستر میں ہے)

قولہ کنت اتسحر فی اہلی

یعنی میں اپنے گھر میں سحری کھا کر جلدی کر کے حضور علیہ السلام کے ساتھ نمازِ صبح میں شرکت کرتا تھا، حضرتؒ نے فرمایا کہ بظاہر یہ تغلیس کی نماز صرف رمضان کے لئے تھی، کیونکہ آخری وقت سحری کھا کر سب کو جمع ہونا زیادہ آسان تھا، اور حنفیہ بھی جمع ہونے کی سہولت کے لئے ہی اسفار کو افضل قرار دیتے ہیں اور حضور علیہ السلام کے اسفار کے لئے ترغیبی ارشادات کو بھی اسی پر محمول کرتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ رمضان کے اندر ہمارے اکابر کا معمول بھی سحری کے بعد متصلا نمازِ فجر کی جماعت کا رہا ہے۔

احقر عرض کرتا ہے کہ نمازِ فجر پڑھ کر سونے کا جو معمول ہو گیا ہے وہ سمجھ میں نہیں آیا۔ کیونکہ حدیث میں ہے الصبحة تمنع الرزق (جامع صغیر سیوطی ص۲/۴۹) یعنی صبح کا سونا رزق کو کم کرتا ہے، اور نوم الصبحة تمنع الرزق (کنوز الحقائق مناوی ص۲/۱۳۱ برحاشیہ جامع صغیر) اسی لئے حضرت شاہ صاحبؒ اپنے تلامذہ کو بھی صبح کے وقت سونے سے روکا کرتے تھے اور یہی حدیث سنایا کرتے تھے، لہٰذا اگر سونا ہی ہو تو طلوعِ شمس کے بعد سوئے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

قولہ لا یعرفہن احد من الغلس

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: اس میں "من الغلس" حضرت عائشہؓ کے الفاظ نہیں ہیں، بلکہ دوسرے راوی حدیث کا اپنی طرف سے اضافہ اور قیاسی اظہار خیال ہے، کیونکہ ابن ماجہ ص۴۹ باب وقت الفجر میں اسی حدیث حضرت عائشہؓ میں اس طرح ہے فلا یعرفهن احد، تعنی من الغلس، یعنی نیچے کا راوی بتلانا چاہتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے عدم معرفت کی بات غلس کی وجہ سے فرمائی ہے، پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ خود بخاری میں جو دوسری جگہ حضور علیہ السلام کی طرف نسبت کی گئی ہے کہ آپ غلس میں پڑھا کرتے تھے یعنی بطریق عادت کے ایسا کرتے تھے تو "دارمی" میں بعینہ اسی متن وسند سے حدیث اس طرح ہے:۔ کان یغلس او کانوا یغلسون، یعنی اس میں روایت شک کے ساتھ ہے کہ حضور علیہ السلام غلس میں پڑھتے تھے، یا دوسرے حضرات پڑھتے تھے۔ لہٰذا اس سے بھی استدلال ضعیف ہے شکِ راوی کی وجہ سے۔

معرفت سے کیا مراد ہے؟

علامہ نووی نے فرمایا کہ اتنا زیادہ اندھیرا ہوتا تھا کہ مردوں کو عورتوں سے الگ نہ پہچان سکتے تھے، علامہ عینی نے فرمایا کہ معرفتِ عین مراد ہے کہ مثلاً فاطمہؓ کو عائشہؓ سے ممتاز نہ کر سکتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا میرے نزدیک علامہ نووی کی تاویل بہت مستبعد ہے، اور مراد معرفت شخص ہی ہے کہ ایک کو دوسرے سے متمیز نہ کر سکتے تھے۔ یہ نہیں کہ اندھیرا اتنا زیادہ ہوتا تھا کہ عورتوں کو مردوں سے بھی متمیز نہ کر سکتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب اور علامہ عینی کی رائے واضح ہو جانے کے بعد بھی فیض الباری ص۲/۳۲۳ سطر ۵ میں لا یعرف الرجال من النساء کا اندراج سبقت قلم ہے۔

فلیتنبه له: نہایت افسوس ہے کہ سابقہ مطبوعہ امالی انور کے بیشتر مقامات میں حضرتؒ کی مراد صحیح طور سے پیش نہیں کی جا سکی ہے۔

باب من ادرک من الفجر رکعة

اس شخص کا بیان جو فجر کی ایک رکعت پائے

۵۴۹: حدثنا عبداللہ بن مسلمة عن مالک عن زید بن اسلم عن عطآء بن یسار وعن بسر بن سعید و عن الاعرج یحدثونہ عن ابی ھریرة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من ادرک من الصبح رکعة قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک الصبح و من ادرک رکعة من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرک العصر

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص آفتاب کے نکلنے سے پہلے صبح کی ایک رکعت پالے، تو اس نے صبح کی نماز پالی، اور جو کوئی آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالے، تو بے شک اس نے عصر کی نماز پالی۔

باب من ادرک من الصلوٰة رکعةً

اس شخص کا بیان جس نے نماز کی ایک رکعت پائی

۵۵۰: حدثنا عبداللہ بن یوسف قال حدثنا مالک عن ابن شھاب عن ابی سلمة بن عبدالرحمٰن عن ابی ھریرة ان رسول اللہ علیہ وسلم قال من ادرک رکعةً من الصلوٰة فقد ادرک الصلوٰة

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص نماز کی ایک رکعت پالے، تو اس نے (پوری) نماز پالی:

باب الصلوٰة بعد الفجر حتیٰ ترتفع الشمس

فجر کے بعد آفتاب بلند ہونے تک نماز پڑھنے کا بیان

۵۵۱: حدثنا حفص بن عمر قال حدثنا ھشام عن قتادة عن ابی العالیہ عن ابن عباسؓ قال شھد عندی رجال مرضیون وارضاھم عندی عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھیٰ عن الصلوٰة بعد الصبح حتیٰ تشرق الشمس و بعدالعصر حتیٰ تغرب

۵۵۲: حدثنا مسدد قال حدثنا یحییٰ عن شعبة عن قتادة سمعت ابا العالیة عن ابن عباسؓ قال حدثنی ناس بھٰذا

۵۵۳: حدثنا مسدد قال حدثنا یحیی بن سعید عن ھشام قال قال اخبرنی ابی قال اخبرنی ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتحروا بصلوٰتکم طلوع الشمس ولاغروبھا قال حدثنی ابن عمر قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا طلع حاجب الشمس فاخروا الصلوٰة حتیٰ ترتفع واذا غاب حاجب الشمس فاخروا الصلوٰة حتیٰ تغیب تابعہ عبدہ

۵۵۴: حدثنا عبید بن اسمٰعیل عن ابی اسامة عن عبیداللہ عن خبیب ابن عبدالرحمٰن عن حفص بن عاصم عن ابی ھریرة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھیٰ عن بیعتین و عن لبستین و عن صلوٰتین نھیٰ عن الصلوٰة بعد الفجر حتیٰ تطلع الشمس و بعد العصر حتیٰ تغرب الشمس و عن اشتمال الصمآء وعن الاحتیآء فی ثوب واحد یفضی بفرجہ الی السمآء و عن المنابذة والملامسة

ترجمہ ۵۵۱: حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں، کہ میرے سامنے چند پسندیدہ لوگوں نے کہ ان میں سب سے زیادہ پسندیدہ میرے نزدیک عمرؓ تھے، یہ بیان کیا کہ رسول خدا ﷺ نے صبح کی نماز کے بعد آفتاب نکلنے سے پہلے اور عصر کے بعد غروب ہونے سے پہلے نماز پڑھنے کو منع فرمایا ہے۔

ترجمہ ۵۵۲: حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے چند آدمیوں نے اس حدیث کو روایت کیا۔

تشریح: ۔حضرتؒ نے فرمایا کہ امام بخاری نے پہلے ادراک صلوٰۃ کی حدیث خاص عصر کے لئے ذکر کی تھی پھر باب سابق میں خاص فجر کے لئے، پھر آپ مطلق ہر نماز کے لئے لائے ہیں۔ ممکن ہے اس سے اشارہ یہ ہو کہ پہلی حدیثیں بھی اس مطلق حدیث کی طرح مسبوق کے لئے ہیں۔ تفصیل پہلے ہو چکی۔

ترجمہ ۵۵۳: حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی نمازیں طلوع آفتاب کے وقت نہ پڑھو، اور نہ غروب آفتاب کے وقت، عروہ کہتے ہیں، مجھ سے ابن عمر نے (یہ بھی) کہا کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے، کہ جب آفتاب کا کنارہ نکل آئے تو آفتاب بلند ہونے تک نماز موقوف کر دو اور جب آفتاب کا کنارہ چھپ جائے تو جب تک پورا نہ چھپ جائے، اس وقت تک نماز موقوف کر دو۔ عبدہ نے اس کے تابع حدیث روایت کی ہے۔

ترجمہ ۵۵۴: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے دو قسم کی بیع، اور دو قسم کے لباس اور دو نمازوں سے منع فرمایا، فجر کے بعد نماز پڑھنے سے، جب تک آفتاب اچھی طرح نہ نکل آئے اور عصر کے بعد (نماز سے) جب تک کہ (اچھی طرح) آفتاب غروب نہ ہو جائے اور ایک کپڑے میں اشتمال صماء اور احتیاء سے، جو کہ پورے طور پر شرم گاہ کے لئے پردہ نہ ہو سکے، اور (بیع) منابذہ اور ملامسہ سے۔

تشریح: نماز فجر کے بعد طلوع شمس تک کوئی نماز نہ پڑھی جائے اور نماز عصر کے بعد بھی غروب شمس تک کوئی نماز نہ پڑھی جائے چنانچہ امام بخاری نے یہاں چار احادیث ذکر کیں۔ جن سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے، مگر امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں صرف بعد فجر کا ذکر کیوں کیا؟ اس کی وجہ علامہ عینی اور حافظ ابن حجر دونوں نے یہ لکھی کہ احادیث میں اول ذکر بعد فجر کا ہے یا اس لئے کہ حضور علیہ السلام سے بعد عصر کے تو نماز پڑھنا ثابت بھی ہوا ہے، مگر بعد فجر کے نہیں ہوا۔ (عمدہ ص ۵۸۸/۲ و فتح ص ۲/۳۹)

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اکابر امت نے حضور علیہ السلام کی نماز بعد العصر کو آپ کی خصوصیات میں سے شمار کیا ہے، لہٰذا اس کی وجہ سے ترجمۃ الباب میں سے اسکی صریح و متواتر ممانعت کو نظر انداز کر دینا موزوں نہ تھا اور اولاً و ثانیاً والی تاویل بھی دل کو نہیں لگتی، حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس ترجمۃ الباب کا ذکر ہی چھوڑ دیا۔

علامہ ابن بطال نے فرمایا کہ نماز بعد صبح و بعد عصر دونوں کی ممانعت متواتر احادیث سے ثابت ہے، علامہ عینی نے فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی نماز آپ سے مخصوص تھی اور امت کے لئے ممنوع ہی رہی (خیر جاری در حاشیہ بخاری ص ۸۲)

ایک حدیث ترمذی شریف میں یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام نے جو دو رکعت بعد عصر پڑھی تھیں، وہ بعد ظہر کی دو سنت تھیں کیونکہ حضور علیہ السلام لوگوں کو مال تقسیم کرنے میں مشغول ہو گئے تھے کہ عصر کا وقت ہو گیا، اس کے بعد فرض عصر کے اور دو رکعت پڑھیں اور اس کے بعد پھر کبھی نہ پڑھیں (فتح الباری ص ۲/۴۳) حنفیہ کا مسلک یہی ہے کہ بعد عصر کے نفل نماز مکروہ ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: ہمارے یہاں پانچ وقت نماز کے لئے مکروہ اور ناپسندیدہ ہیں، طلوع و غروب و استواء کے اوقات جن میں کوئی نماز فرض و نفل جائز نہیں حتی کہ نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت بھی۔ اور بعد نماز فجر طلوع تک اور بعد نماز عصر غروب تک قضا نماز، سجدۂ تلاوت اور نماز جنازہ جائز ہیں، باقی سب مکروہ ہیں۔ فرق یہ ہے کہ پہلے تین اوقات میں نماز کے اندر نقص خود وقت کے نقص و خرابی کے سبب آتا ہے اور آخر کے دو وقتوں میں وقت کی وجہ سے کراہت نہیں، بلکہ اس لئے ہے کہ یہ دونوں وقت فرضوں کے لئے رکھے گئے ہیں۔ لہٰذا

کراہت لاجل الوقت نہیں، بلکہ لحق الفرض ہوئی۔ تاکہ پورا وقت فرض نماز کے لئے مشغول ہو۔ اگر وقت کی وجہ سے ہوتی تو فجر وعصر کی تاخیر طلوع وغروب سے قبل تک جائز نہ ہوتی، حالانکہ تاخیر فرض آخر وقت تک جائز ہے اور ممانعت بھی صرف بعد فرض کے لئے نہ ہوتی بلکہ قبل کے لئے بھی ہوتی، اسی لئے ہر قسم کے فرض وواجب ادا وقضا ان وقتوں میں درست ہوئے اور سجدۂ تلاوت ونماز جنازہ بھی واجب بعینہ ہونے کی وجہ سے درست ہوئے، بخلاف دورکعت بعد الطواف کے کہ وہ واجب بعینہ نہیں بلکہ واجب لغیرہ ہے۔ اس موقع پر حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ بعض شارحین ہدایہ سے یہ وجہ فرق مخفی رہی ہے۔[1]

شیخ ابن ہمام کا اعتراض اور تحقیق انور

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حنفیہ نے جو پانچوں اوقات میں کراہت صلوٰۃ کا فیصلہ فرق وتخصیص کے ساتھ کیا ہے وہ بلا دلیل نہیں ہے، لیکن شیخ ابن ہمام نے اعتراض قائم کیا کہ ممانعت کا حکم آخری دو وقتوں میں بھی پہلے تین اوقات کی طرح مطلق ہے، اور نص شرعی کی تخصیص ابتداءِ رائے سے کرنا جائز نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ تخصیص بالرائے کا مسئلہ وہی ہے جو شیخ نے بتلایا اگرچہ خود حنفیہ کا عمل بھی اس کے خلاف ہے کیونکہ وہ اخلاق ومعاملات کی احادیث میں تخصیص بے تکلف کرتے ہیں، تاہم یہ تسلیم ہے کہ وہ احادیث عبادات میں ایسا نہیں کرتے وجہ یہ ہے کہ اول میں وجہ حکم واضح وروشن ہوتی ہے اور عبادات میں خفی ہوتی ہے، اسی لئے علامہ ابن دقیق العیدؒ نے تصریح کی ہے کہ وجہ اگر جلی ہو تو تخصیص بالرائے بلانکیر جائز ہے۔

دوسرے یہ کہ یہاں بھی تخصیص ابتداءً نہیں ہے، کیونکہ وتر کی تخصیص حدیث دارقطنی سے ہو چکی ہے، جس کی تصحیح علامہ عراقی نے شرح ترمذی میں کی ہے (یعنی جس کے وتر فوت ہوئے ہوں وہ صبح کے بعد پڑھ لے) ابوداؤد میں ہے کہ جب یاد آئے پڑھ لے، ترمذی میں ہے کہ صبح کو پڑھ لے، یہ مرسل قوی الاسناد ہے اور اس میں مرفوع حدیث بھی ہے مگر اس میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ضعیف ہے، حاصل یہ کہ نہی وممانعت صلوٰۃ اگرچہ پانچوں اوقات مذکورہ کے لئے وارد ہے، مگر امام صاحب نے ان کے حکم میں فرق شریعت ہی کے منشاء کو سمجھ کر کیا ہے دوسرے ائمہ نے ایسی دقت نظر سے کام نہیں لیا، کیونکہ شریعت نے حکم ممانعت کو ان دو وقتوں میں نماز فجر وعصر کے ساتھ وابستہ کیا ہے، وقت کے ساتھ نہیں جیسا کہ باقی تین کے ساتھ کیا ہے، پھر حضور علیہ السلام کے عمل سے بھی کہ آپ نے بعد عصر دو رکعت پڑھی ہیں۔ یہ ثابت ہوا کہ ان دونوں وقت میں نماز کے لئے صلاحیت وتوسع ضرور ہے، برخلاف باقی تین اوقات کے۔

مسلک امام مالکؒ وغیرہ

امام مالک نے استواء کو اوقات مکروہہ کی فہرست سے خارج کیا اور باقی چار میں فرائض کی اجازت دی، نوافل کی نہیں، امام شافعیؒ نے حنفیہ کی طرح اوقات مکروہہ تو پانچ ہی رکھے۔ مگر ان میں فرائض وواجبات کے علاوہ نوافل ذوات الاسباب کی بھی اجازت دی، امام مالکؒ کی طرح فرائض ونوافل میں فرق نہیں کیا۔ اور نوافل میں فرق اس لئے کیا کہ جن نوافل کی ترغیب شرع نے دی ہے، مثلاً تحیۃ المسجد وغیرہ تو گویا خود شریعت ہی نے ان کو ممانعت سے نکال دیا۔ لہٰذا وہ اوقات ممنوعہ میں بھی جائز ہونے چاہئیں، البتہ جو نوافل ایسے ہیں جن کی شریعت نے خاص طور سے ترغیب نہیں دی۔ نہ کسی سبب سے ان کو لازم کیا بلکہ بندہ کی مرضی پر رکھا کہ چاہے کرے یا نہ کرے وہ ممانعت کے تحت آسکتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ جب احادیث ممانعت سے ساری نمازیں نکل گئیں، فرائض، واجبات اور نوافل ذوات الاسباب بھی تو اب صرف

---

[1] یہاں بھی صاحب فیض الباری سے مسامحت ہوئی کہ سب شارحین کی طرف غلط نسبت ہوگئی جبکہ صاحب عنایہ نے فرق کیا ہے اور اس جگہ عبارت میں بھی خلل ہے، ملاحظہ ہو ص ۱۳۷/۲ (مولف)

دوسرے کچھ نوافل باقی رہ گئے۔اوراس طرح احادیث کثیرہ متواترہ کا فائدہ بہت ہی کم رہ گیا ہے۔ان حضرات نے احادیث کثیرہ عامہ اور ضوابط کلیہ ہامہ کو چند جزوی واقعات کے سبب سے مخصوص ومحدود بنادیا برخلاف اس کے حنفیہ نے ان سب احادیث کواپنے عموم واطلاق پر قائم رکھااوران ہی کواسوہ فی الباب بنایا،اور جزوی واقعات کوبطور''واقعۃ حال لاعموم لہا'' کے خصوصیت پر اتارا۔اصحاب انصاف فیصلہ کریں گے کہ کون سی صورت اعلیٰ وافضل ہے،اکثر نمازوں کواوقات شیطان میں داخل کردینایاان کواس سے بچالیتا؟

بعض سلف کا مسلک

ان حضرات نے بعد فجر وعصر کے ہرنماز کو جائز کہااورحکم ممانعت کوسد ذرائع پرمحمول کیایعنی اس لئے کہ کہیں وہ نمازعین طلوع وغروب کے وقت پر نہ ہوجائے،لہٰذاان کے نزدیک اوقات مکروہہ صرف تین ہوگئے،لیکن اس مسلک پر بعد فجر وعصر والی احادیث ممانعت کے تحت کوئی فرد ہی باقی نہ رہے گااوراحادیث مذکورہ بلامصداق رہ جائیں گی۔حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا شاید حضرت عمرؓ کا مسلک بھی یہی تھا، کیونکہ علامہ سیوطی نے نقل کیا کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ بعد عصر دورکعت پڑھتے تھے،اور یہ زمانہ حضرت عمرؓ کا تھا۔آپ نے ان کو سختی سے روکا توانہوں نے کہامیں وہ کام نہیں چھوڑوں گا جوحضور علیہ السلام کے زمانہ میں کیا کرتا تھا،اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں تمہیں سد ذرائع کے طور پر روکتا ہوں کہ مبادا غروب کے وقت پر بھی کہیں نہ پڑھ لو۔

امام بخاریؒ کا مسلک

آپ نے آگے "باب من لم یکرہ الصلوۃ الابعد العصر و الفجر" قائم کیا ہے،جس سے معلوم ہوتا ہے،کہ وہ بھی امام مالک کی طرح استواء کووقت مکروہ نہیں مانتے،شایداس کی حدیث ان کی شرط پر نہ ہو،پھرانہوں نے بعد فجر وعصر کے وقت کوطلوع وغروب تک پہنچا کرعین طلوع وغروب کوبھی شامل کرلیا ہے،اس طرح ان کے نزدیک وقت مکروہ دوہی رہ گئے اور یہی ترجمۃ الباب میں وجہ حصر بھی ہے، ورنہ عین طلوع وغروب کے وقت ان کے نزدیک بھی مکروہ ہے۔

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ امام بخاری نے اگرچہ استواء سے صرف نظر کرلی ہے،مگراس کے بارے میں مسلم وابن ماجہ وغیرہ میں متعدد صحیح احادیث میں موجود ہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب لا تتحری الصلوٰۃ قبل غروب الشمس

(غروب آفتاب سے پہلے نماز کا قصد نہ کیا جائے)

۵۵۵:حدثنا عبداللہ بن یوسف قال اخبرنا مالک عن نافع عن ابن عمران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لایتحریٰ احدکم فیصلی عند طلوع الشمس ولاعند غروبھا

۵۵۶:حدثنا عبدالعزیز بن عبداللہ قال حدثنا ابراھیم بن سعد عن صالح عن ابن شھاب قال حدثنی عطآء بن یزید الجندعی انہٗ سمع اباسعید الخدری یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لاصلوٰۃ بعد الصبح حتیٰ ترتفع الشمس ولاصلوٰۃ بعد العصر حتیٰ تغیب الشمس.

۵۵۷:حدثنا محمد بن ابان قال حدثنا غندر قال ثنا شعبۃ عن ابی التیاح قال سمعت حمران بن ابان یحدث عن معاویۃ رضی اللہ عنہ قال انکم تصلون صلوٰۃ لقد صحبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فمارايناه يصليهما ولقد نهىٰ عنهما يعنى الركعتين بعد العصر

۵۵۸: حدثنا محمد بن سلام قال اخبرنا عبدة عن عبيد الله عن خبيب عن حفص بن عاصم عن ابى هريرة قال نهىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم عن صلوتين بعد الفجر حتىٰ تطلع الشمس وبعد العصر حتىٰ تغرب الشمس

ترجمہ۵۵۵: حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم میں سے کوئی شخص طلوع آفتاب کے وقت اور غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنے کا ارادہ نہ کرے۔

ترجمہ۵۵۶: حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ صبح کی نماز کے بعد کوئی نماز (جائز) نہیں جب تک کہ آفتاب بلند نہ ہو جائے اور نہ عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز (جائز) ہے، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جائے۔

ترجمہ۵۵۷: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا (اے لوگو!) تم ایک ایسی نماز پڑھتے ہو کہ ہم نے رسول خدا ﷺ کی صحبت اٹھانے کے باوجود آپ کو اسے پڑھتے نہیں دیکھا اور یقیناً آپ نے اس سے ممانعت فرمائی، یعنی عصر کے بعد دو رکعتیں:۔

ترجمہ۵۵۸: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے دو نمازوں سے ممانعت فرمائی ہے، فجر کے بعد آفتاب کے نکلنے تک اور عصر کے بعد آفتاب کے غروب ہونے تک۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بظاہر امام بخاریؒ تحری اور عدم تحری کے حکم میں فرق نہیں کرتے بلکہ لفظ تحری چونکہ حدیث میں آ گیا تھا، اس لئے اس کو ترجمہ میں لے لیا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دونوں جانب میں سے کسی ایک کے لئے فیصلہ کن رائے نہ دینا چاہتے ہوں، تاہم چونکہ حدیث قیس بن فہدان کی شرط پر نہ تھی، اور خود حضور علیہ السلام سے بھی بعد فرض فجر کوئی نماز ماثور نہیں ہے اس لئے اس کے جواز کو مرجوح سمجھتے ہیں، اور عصر کے بعد کی رکعتوں کے لئے نرم گوشہ رکھتے ہیں کیونکہ ان کی شرط پر بھی حدیث رکعتین بعد العصر ثابت ہے اور فیصلہ اس کے لئے بھی اس لئے نہ کر سکے ہوں گے کہ حضرت عمرؓ سے رکعتیں بعد العصر پڑھنے والے کے لئے تعزیر کرنا بھی ثابت ہے۔ لہٰذا حکم لگانے میں نرمی اختیار کی اور تعارض کی وجہ سے توسع سے کام لیا۔ واللہ اعلم۔

باب من لم يكره الصلوٰة الا بعد العصر والفجر

رواه عمروا بن عمرو ابو سعيد وابوهريره

اس شخص کا بیان، جس نے صرف عصر اور فجر (کے فرض) کے بعد نماز کو مکروہ سمجھا ہے، اس کو عمر اور ابن عمر اور ابوسعید اور ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے

۵۵۹: حدثنا ابو النعمان قال حدثنا حماد بن زيد عن ايوب عن نافع عن ابن عمر قال اصلى كمارأيت اصحابى يصلون لآانهىٰ احداً يصلى بليل ونهار ماشآء غيران لاتحروا طلوع الشمس ولاغروبها

ترجمہ۵۵۹:۔ حضرت ابن عمرؓ کہا، جیسے میں نے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھتے دیکھا ہے، اسی طرح میں ادا کرتا ہوں میں کسی کو منع نہیں کرتا کہ وہ دن رات میں جس قدر چاہے، نماز پڑھے، البتہ یہ ضرور کہتا ہوں کہ طلوع آفتاب (کے وقت نماز پڑھنے) کا قصد نہ کرو، اور نہ غروب آفتاب کے وقت اس کا قصد کرو۔

تشریح۵۵۹: اس حدیث کی تشریح پہلے گذر گئی۔

باب ما يصلى بعد العصر من الفوآئت و نحوها وقال كريب عن ام سلمة صلى النبى صلى الله عليه وسلم بعد العصر الركعتين وقال شغلنى ناس من عبدالقيس عن الركعتين بعد الظهر

۵۶۰: حدثنا ابو نعيم قال حدثنا عبدالواحد بن ايمن قال حدثنى ابى انه سمع عائشة قالت والذى ذهب به ماتركهما حتىٰ لقى الله و ما لقى الله حتى ثقل عن الصلوٰة و كان يصلى كثيراً من صلوته قاعداً تعنى الركعتين بعد العصر و كان النبى صلى الله عليه وسلم يصليهما فى المسجد مخافة ان يثقل علىٰ امته و كان يحب ما يخفف عنهم

۵۶۱: حدثنا مسدد قال حدثنا يحيىٰ قال حدثنا هشام قال اخبرنى ابى قال قالت عائشة رضى الله عنها ابن اختى اما ترك النبى صلى الله عليه وسلم السجدتين بعد العصر عندى قط

۵۶۲: حدثنا موسى بن اسماعيل قال حدثنا عبدالواحد قال حدثنا الشيبانى قال ثنا عبدالرحمٰن بن الاسود عن ابيه عن عآئشة قالت ركعتان لم يكن رسول الله صلى الله عليه وسلم يدعهما سراولا علانية ركعتان قبل صلوٰة الصبح و ركعتان بعد العصر

۵۶۳: حدثنا محمدبن عرعرة قال حدثنا شعبة عن ابى اسحاق قال رايت الاسود ومسروقاً شهداعلىٰ عآئشة قالت كان النبى صلى الله عليه وسلم لاياتينى فى يوم بعد العصر الاصلىٰ ركعتين

ترجمہ۵۶۰: حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اس کی قسم جو نبی کریم ﷺ کو دنیا سے لے گیا آپ نے اپنی وفات کے وقت تک عصر کے بعد دو رکعتیں ادافرمانا کبھی نہیں چھوڑیں، اور جب آپ اللہ سے ملے ہیں، اس وقت بوجہ ضعف عمر کے آپ کی یہ حالت تھی کہ آپ نماز سے تھک جاتے تھے، اور آپ اپنی بہت سی نمازیں بیٹھ کر پڑھتے تھے، اور نبی کریم ﷺ ان دونوں کو یعنی عصر کے بعد دو رکعت (ہمیشہ) پڑھا کرتے تھے، لیکن گھر ہی میں پڑھتے تھے، اس خوف سے کہ آپ کی امت پر گراں نہ گزرے۔ کیونکہ آپ وہی بات پسند فرماتے تھے، جو آپ کی امت پر آسان ہو۔

ترجمہ۵۶۱: حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اے میرے بھتیجے! نبی کریم ﷺ نے عصر کے بعد دو رکعتیں میرے ہاں کبھی ترک نہیں فرمائیں۔

ترجمہ۵۶۲: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ دو رکعتوں کو پوشیدہ و آشکارا کبھی ترک نہ فرماتے تھے، دو رکعتیں، صبح کی نماز سے پہلے اور دو رکعتیں عصر کی نماز کے بعد:۔

ترجمہ۵۶۳: حضرت اسود اور مسروقؓ حضرت عائشہؓ کے اس قول کی گواہی دیتے تھے کہ انہوں نے فرمایا، نبی کریم ﷺ عصر کے بعد جب کسی دن میرے پاس آتے تھے، تو دو رکعتیں ضرور ادا فرمالیا کرتے تھے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاریؒ کا رجحان بعد نماز فجر کے طلوع تک لئے تو حنفیہ ہی کی طرح معلوم ہوتا ہے کہ سنت فجر بھی بعد الطلوع ہی پڑھ سکے گا، لیکن بعد العصر میں شافعیہ کے مسلک کی طرف معلوم ہوتا ہے، اسی لئے یہاں حضرت عائشہؓ کی حدیث لائے ہیں، جس سے حضور علیہ السلام کا بعد العصر دو رکعت پڑھنے کا ثبوت مداومت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے بعد العصر کے لئے متعدد تراجم وعنوانات قائم کئے ہیں۔ گویا امام بخاری نے حدیث حضرت عائشہؓ کو راجح سمجھا ہے اور امام ترمذیؒ نے باوجود شافعی ہونے کے حدیث ابن عباسؓ کو اصح قرار دیا ہے، کہ حضور علیہ السلام نے جو دو رکعت بعد عصر کے پڑھی تھیں وہ ظہر کے بعد کی متروکہ تھیں، ان کو ہی آپ نے بعد عصر پڑھا تھا، پھر کبھی نہیں پڑھیں۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا کہ یہ حدیث حسن ہے، پھر لکھا کہ چند صحابہ سے حضور علیہ السلام کا بعد

عصر دو رکعت پڑھنا بھی مروی ہے، مگر یہ اس کے خلاف ہے حضور علیہ السلام نے نماز بعد العصر کی ممانعت فرمائی اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث زیادہ صحیح ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک دفعہ کے بعد پھر کبھی دو رکعت عصر کے بعد نہیں پڑھیں۔ اور حضرت زید بن ثابت سے بھی حضرت ابن عباسؓ ہی کی طرح روایت ثابت ہے البتہ حضرت عائشہؓ سے متعدد روایات ایسی ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب بھی ان کے پاس عصر کے بعد تشریف لاتے تو دو رکعت پڑھتے تھے۔ پھر حضرت عائشہؓ سے ہی روایت حضرت ام سلمہؓ کے واسطہ سے یہ بھی مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے بعد عصر و بعد فجر نماز سے ممانعت فرمائی ہے۔ اور جس بات پر اہل علم کا اجماع ہوا وہ یہی ہے کہ بعد عصر و بعد فجر کے نماز مکروہ ہے، بجز خاص استثناء کے مثلاً مکہ معظمہ میں بعد نماز عصر اور بعد نماز صبح کے طواف کے بعد والی نماز کہ اس میں حضور علیہ السلام سے رخصت مروی ہے اور اہل علم کی ایک جماعت صحابہ اور بعد کے حضرات نے بھی اس کو اختیار کیا ہے۔ یہ قول امام شافعی، امام احمد و اسحٰق کا ہے لیکن دوسرے اہل علم صحابہ اور دوسرے حضرات نے مکہ معظمہ میں بھی بعد طواف کے صبح و عصر کے بعد نماز کو مکروہ ہی قرار دیا ہے۔ یہ قول سفیان ثوری، امام مالک اور بعض اہل کوفہ کا ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ یہاں امام شافعیؒ کا مسلک صرف مکہ معظمہ کے بارے میں جواز کا معلوم ہوتا ہے حالانکہ امام شافعی کے نزدیک دو رکعت بعد عصر کا جواز مطلقاً ہے اور اسی لئے حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس کی تائید کے لئے زور لگایا ہے دوسرے یہ کہ امام احمدؒ کا مسلک مغنی ابن قدامہ کے ذریعہ مثل مذہب امام ابوحنیفہؒ کے ثابت ہے، اس لئے امام ترمذیؒ سے یہاں دو تسامح ہو گئے، واللہ اعلم۔

اس طرح جمہور ائمہ (امام صاحب، امام مالک و احمدؒ) کا مسلک عدم جواز نماز بعد العصر کا ہوا اور صرف امام شافعی جواز کے قائل ہیں، جمہور کی بڑی دلیل ممانعت کی احادیث کثیرہ متواترہ و مشہورہ ہیں۔ اور مذکورہ حدیث ابن عباس و زید بن ثابت بھی، اور امام شافعی نے حضرت عائشہؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، حالانکہ اس میں بہت اضطراب ہے۔ کسی میں ہے کہ آپ نے اس معاملہ کی صحیح تحقیق کے لئے حضرت ام سلمہؓ کا حوالہ دیا۔ گویا وہ خود اس کی پوری ذمہ داری لینا نہیں چاہتی تھیں، اور طحاوی میں ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ان کے پاس دریافت حال کے لئے بھیجا، تو فرمایا کہ میرے یہاں تو حضور علیہ السلام نے عصر کے بعد دو رکعت پڑھی نہیں۔ البتہ حضرت ام سلمہؓ نے مجھے بتلایا کہ ان کے یہاں پڑھی ہے، اور حضرت ام سلمہؓ کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عائشہؓ کو معاف کرے، انہوں نے روایت میں تسامح کیا، میں نے تو یہ کہا تھا کہ حضور علیہ السلام نے بعد ظہر والی دو رکعت ادا کی تھیں، اور حضرت عائشہؓ سے ہی یہ بھی مروی ہے کہ حضور علیہ السلام عصر کے بعد نماز پڑھتے تھے، مگر دوسروں کو منع فرماتے تھے، اور صوم وصال رکھتے تھے اور دوسروں کو منع فرماتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ دونوں باتیں حضور علیہ السلام کے خصائص میں سے تھیں۔

اس تفصیل سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اصل تحقیقی خبر اس بارے میں حضرت ام سلمہؓ کے پاس تھی، اسی لئے حضرت عائشہؓ بھی ان پر حوالہ کرتی تھیں، اور حضرت ام سلمہؓ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم سے بھی ظہر کی سنتیں رہ جائیں تو عصر کے بعد قضا کر لیا کریں؟ تو آپ نے فرمایا کہ نہیں یہ روایت طحاوی کی ہے، جس کو نقل کر کے حافظ ابن حجر نے لکھا کہ یہ روایت ضعیف ہے، حجت نہیں بن سکتی (فتح ص ۲/۴۳) یہاں تو امام طحاوی کی روایت بتلا کر اس کو حافظ نے ضعیف بتلا دیا، لیکن اسی حدیث کی روایت تلخیص میں امام احمد سے نقل کر کے سکوت کر گئے۔ اور اس کو ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے، محدث ہیثمی نے ''الزوائد'' ص ۲/۲۲۴ میں لکھا کہ اس حدیث امام احمد کے رجال رجال صحیح ہیں، پھر تعجب ہے کہ فتح الباری میں صرف امام طحاوی کی طرف نسبت کر کے حدیث کو گرا دیا اور اس طرف سے صرف نظر کر لی کہ اسی حدیث کو امام احمد اور ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے اور چونکہ امام احمد کے رجال حدیث مذکور کو ضعیف نہیں کہہ سکتے تھے، اس لئے سکوت سے کام لیا۔ اس سے ان کا تعصب شدید ثابت ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ اس حدیث کے رجال میں یزید بن ہارون بہت بڑے محدث اور ثقہ حنفی ہیں، اور حماد بن سلمہ بھی ثقہ ہیں رجال مسلم میں سے ہیں۔ بلکہ امام بخاریؒ پر یہ اعتراض بھی ہوا ہے کہ انہوں نے حماد بن سلمہ

سے روایت نہیں لی اوران سے بہت کم درجہ کے لوگوں سے لی ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بعض لوگ یزید بن ہارون عن حماد بن سلمہ کوضعیف ثابت کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ مسلم شریف میں ان سے بہ کثرت احادیث مروی ہیں۔ اور امام سیوطیؒ نے خصائص کبری میں حدیث مذکور کی تصحیح کی ہے۔ اور فرمایا کہ بخاری میں حدیث عن معاویہؓ بھی ہمارے لئے حجت ہے، جس میں انہوں نے کہا کہ تم ایسی نماز پڑھتے ہو جس کو ہم نے حضور علیہ السلام کو پڑھتے نہیں دیکھا جبکہ ہم بھی حضور کی صحبت میں رہے ہیں۔ بلکہ آپ نے ان سے روکا ہے، یعنی ۲رکعت بعد عصر سے (بخاری ص ۸۳) پھر فرمایا کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث صحیحین وغیرہ میں بہت اضطراب ہے اور اسی لئے امام ترمذی نے حضرت ابن عباس کی حدیث کو حضرت عائشہؓ کی حدیث پر راجح قرار دیا ہے۔ اور ہماری دلیل مصنف عبدالرزاق کی حدیث بھی ہے جس میں ہے کہ ہم وہ کریں گے، جس کا حضور علیہ السلام نے حکم فرمایا (کہ ہمیں بعد عصر نماز سے روک دیا) اور حضور نے وہ کیا جس کا حکم ان کو ملا تھا۔ نیز حضرت عمر وابن عباس کا بعد عصر نماز پڑھنے والوں کو تعزیر وسزا دینا بھی ثابت ہے۔

فیض الباری کا تسامح: ص ۱۴۱ سطر ۸ میں قال الحافظ و فیہ جریر عن عطاء کا تعلق حدیث عائشہؓ سے کر دیا ہے، حالانکہ حافظ کا نقد حدیث ابن عباسؓ سے متعلق ہے، اور سطر ۲۰ میں زید بن ہارون غلط چھپ گیا ہے۔ صحیح یزید ہے۔

راوی بخاری کا تسامح

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اصل مضمون حدیث کا اس طرح تھا ما ترکھما حتی لقی اللہ، تعنی الرکعتین بعد العصر وما لقی اللہ تعالے حتی ثقل عن الصلوٰۃ و کان یصلی کثیرا من صلاتہ قاعدا و کان النبی ﷺ الخ راوی نے قاعدا کے ساتھ تعنی والے جملے کو جوڑ کر ترتیب ومعنی کو بگاڑ دیا۔ فتنبہ لہ

امام دارمی کا عمل

مسند دارمی میں یہ بھی ہے کہ جب ان سے حضرت عائشہؓ والی حدیث کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ میرا عمل تو اس پر ہے، جس پر حضرت عمرؓ عمل کرتے تھے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک ایک عمدہ استدلال حنفیہ وجمہور کے لئے یہ بھی ہے کہ محدث جلیل وفقیر نبیل حضرت لیث بن سعدؒ نے طبقات میں نقل کیا کہ وہ موسم حج میں مکہ معظمہ حاضر ہوئے، کسوف شمس بعد عصر ہوا تھا، وہاں کسی نے بھی نماز کسوف نہ پڑھی، حالانکہ وہ نماز ذوات الاسباب میں بھی تھی (جس کی نماز شوافع جائز کہتے ہیں) سوال کیا گیا کہ نماز کیوں نہیں پڑھ رہے ہیں؟ تو لوگوں نے کہ کراہت وقت کی وجہ سے، یہ واقعہ ہزاروں تابعین کے سامنے پیش آیا اور صحابہ کا بھی آخری دور تھا، مگر کسی نے بھی نماز کسوف کے لئے اقدام نہیں کیا۔ اس واقعہ کو علامہ عینی نے نقل کیا ہے اور غالبا ۸۳ھ کا ہے، پھر فرمایا کہ یہ لیث حنفی ہیں (کما صرح بہ ابن خلکان فی کتاب الخراج) امام شافعیؒ نے فرمایا کہ لیث ہمارے نزدیک امام مالک سے کم نہیں ہیں، لیکن ان کے اصحاب نے ان کو ضائع کر دیا (یعنی ان کے علوم کی خدمت نہیں کی) ان کی روایت حضرت امام ابو یوسفؒ سے مسئلہ قراءۃ خلف الامام میں امام طحاوی نے ذکر کی ہے۔ لیکن ان کی تقلید متقدمین کی طرح تھی۔

اصحاب صحاح کا حال

حضرت شاہ صاحبؒ نے یہاں ضمناً کچھ ذکر اصحاب صحاح کا بھی کیا اور فرمایا کہ امام ابوداؤد تو دل بھر کے امام ابوحنیفہؒ کی تعظیم کرتے تھے۔ امام مسلم کا حال معلوم نہ ہو سکا اور ان کے شافعی ہونے کی بھی نقل موجود نہیں ہے، صرف ان کے ایک رسالہ سے استنباط کیا گیا ہے کہ

شافعی ہیں۔امام ترمذی امام صاحب کی نہ تعظیم کرتے ہیں نہ تحقیر معتدل ہیں۔امام بخاری بہت زیادہ مخالف ہیں،اپنی حدیثیں لاتے ہیں،امام صاحب کی نہیں لاتے۔امام نسائی بھی حنفیہ کے خلاف ہیں۔

باب التکبیر بالصلوٰۃ فی یوم غیم

بادل کے دنوں میں نماز سویرے پڑھنے کا بیان

۵۶۴: حدثنا معاذ بن فضالۃ قال حدثنا ھشام عن یحییٰ ھوا بن ابی کثیر عن ابی قلابۃ ان اباالملیح حدثہ' قال کنا مع بریدۃ فی یوم ذی غیم فقال بکروا باً الصلوٰۃ فان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال من ترک صلوٰۃ العصر حبط عملہ

ترجمہ:۔حضرت ابوالملیحؒ روایت کرتے ہیں،کہ ہم ایک دن بریدہ کے ہمراہ تھے،یہ دن ابر کا تھا تو انہوں نے کہا کہ نماز سویرے پڑھ لو،کیونکہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا ہے،جس نے نماز عصر چھوڑ دی،تو سمجھ لو کہ اس کا (نیک) عمل ضائع ہو گیا۔

تشریح: ابر و بارش کے دنوں میں نماز جلد پڑھنے کا حکم اسی لئے کیا گیا کہ کہیں وقت کا اندازہ نہ ہونے کی وجہ سے نماز قضا نہ ہو جائے،یا وقت مکروہ میں داخل نہ ہو جائے،جو بمنزلہ ترکِ صلوٰۃ ہے۔(الخیرالجاری)

پھر سوال یہ ہے کہ امام بخاری نے عنوان تو مطلق نماز کا قائم کیا اور حدیث الباب میں نماز عصر کا ذکر ہے تو مطابقت نہ ہوئی،جواب یہ ہے کہ واقعہ وقت عصر کا ہے،جس میں حضرت بریدہؓ نے نماز عصر سے متعلق حدیث پیش کی،اور قیاس سے ہر نماز کے حکم کی طرف اشارہ کیا۔

حنفیہ کے نزدیک عام طور سے تمام نمازوں میں سواء مغرب کے تاخیر مستحب ہے۔اور عصر و عشاء کی نماز صرف ابر کے دن جلد پڑھنا مستحب ہے،شافعیہ کے یہاں تمام نمازوں میں سواء عشاء کے تعجیل مستحب ہے۔

مشاجرات صحابہؓ: حضرت شاہ صاحبؒ نے حضرات صحابہ کرام کے تذکرہ میں ضمناً فرمایا کہ بعض لوگ ان کے باہمی جھگڑوں کے واقعات سن کر بے دین ہو جاتے ہیں،اسی لئے علماء نے ان کے مطالعہ کو ممنوع قرار دیا ہے،اسی طرح اگر ایمان کا مدار اقوال بخاری وغیرہ پر ہوتا تو ضرور ہمارا ایمان بھی جاتا رہتا،مگر ایمان کا تعلق خدا اور اس کے رسول سے ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا اشارہ اس طرف تھا کہ امام بخاری وغیرہ نے بھی امام اعظمؒ وغیرہ کے بارے میں انصاف نہیں کیا اور سخت ریمارکس کر گئے ہیں،مگر ان کے کہنے سے کوئی گمراہ نہیں ہو سکتا۔

یارسول اللہ کے لئے افادۂ انور

حضرتؒ درس بخاری میں جہاں کوئی عبارت پڑھنے والا طالب علم یارسول اللہ کے ساتھ علیہ السلام کہتا،تو فرماتے تھے کہ جس قدر لکھا ہے اسی قدر پڑھو،راویان حدیث نبوی ہم سے زیادہ پابند احکام شرع تھے،اور ان کی عبادات و ریاضات بھی ہم سے زیادہ ہیں۔اور لڑائی بھڑائی بھی ان کے یہاں ہم سے زیادہ ہے،بلکہ وہ غیر مستحق کو برا بھلا کہتے ہیں اور ہم مستحق کو۔(اشارہ ہے جرح رواۃ و جرح ائمہ کی طرف)اس کے علاوہ وہ ہم سے ہر چیز میں زیادہ اور افضل ہیں۔

ضروری تنبیہ: جیسا کہ حضرتؒ نے ارشاد فرمایا ہمیں اپنے اسلاف و اکابر امت کی پوری عظمت کرنی چاہئے کہ چند کوتاہیوں کے علاوہ کہ وہ بھی معلوم نہ تھے،وہ ہم سے ہزار جگہ برتر و افضل تھے،اور اسی کے ساتھ ہمیں چاہئے کہ جب ان کا ذکر کریں تو ان کا نام بھی ادب و احترام سے لیں۔عربی زبان میں ناموں کے ساتھ القاب و آداب لکھنے کا دستور نہ تھا۔اس کی وجہ سے ہم بھی ان کے نام ساتھ ادب نہ برتیں تو یہ ہمارے

عرف کے خلاف ہوگا کہ ہمارے یہاں باعظمت لوگوں کے تذکروں میں القاب وآداب کی رعایت نہ کرنا خلاف ادب ہے اور ہمیں اپنی عرف ورسم کے لحاظ سے مثلاً کسی صحابی رسول اکرم علیہ کے نام ساتھ اول میں حضرت اور آخر میں رضی اللہ عنہ نہ لکھنا بڑی بے ادبی وناحق شناسی ہے یہ بھی واضح ہو کہ صحابہ کے لئے اور دیگر اکابر امت کے لئے رحمہ اللہ لکھنا بھی کافی ہے مگر انبیا علیہم السلام کے لئے ص یا صلعم والی تخفیف جائز نہیں۔افسوس ہے کہ آجکل کے علماء بھی اس غلطی میں مبتلا ہیں۔اکابر نے اس پر نکیر کی ہے۔

باب الاذان بعدذهاب الوقت

وقت گزرجانے کے بعد نماز کے لئے اذان کہنے کا بیان

۵۶۵: حدثنا عمران بن ميسرة قال حدثنا محمد بن فضيل قال حدثنا حصين عن عبدالله بن ابی قتادة عن ابيه قال سرنا مع النبی صلی الله عليه وسلم ليلة فقال بعض القوم لوعرست بنا يا رسول الله قال اخاف ان تناموا عن الصلوٰة قال بلال انا اوقظكم فاضطجعوا واسند بلال ظهره' الیٰ راحلته فغلبته عيناه فنام فاستيقظ النبی صلی الله عليه وسلم وقدطلع حاجب الشمس فقال يا بلال اين ماقلت قال مآالقيت علی نومة مثلها قط قال ان الله قبض ارواحكم حين شآء وردها عليكم حين شآء يا بلال قم فاذن بالناس بالصلوٰة فتوضا فلما ارتفعت الشمس وبياضت قام فصلی

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے ایک مرتبہ نبی کریم علیہ کے ہمراہ شب میں سفر کیا، تو بعض لوگوں نے کہا، کہ کاش! آپ اخیر شب میں مع ہم سب لوگوں کے آرام فرماتے (تو کتنا اچھا ہوتا) آپ نے فرمایا کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم نماز (فجر) سے (غافل ہوکر) سو نہ جاؤ، بلال بولے، کہ میں تم سب کو جگادوں گا، لہٰذا سب لوگ لیٹ رہے اور بلال اپنی پیٹھ اپنے اونٹ سے ٹیک کر بیٹھ گئے، مگر ان پر بھی نیند غالب آگئی، اور وہ بھی سوگئے، (چنانچہ) نبی کریم علیہ ایسے وقت بیدار ہوئے، کہ آفتاب کا کنارہ نکل آیا تھا، آپ نے فرمایا، اے بلال! تمہارا کہنا کہاں گیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ (یارسول اللہ) ایسی نیند میرے اوپر کبھی مسلط نہ کی گئی (جیسی کہ آج مجھ پر طاری ہوگئی) آپ نے فرمایا (سچ ہے) اللہ نے تمہاری جانوں کو جس وقت چاہا قبض کرلیا اور جس وقت چاہا واپس کیا، اے بلال اٹھو۔ اور نماز کے لئے اذان دے دو، پھر آپ نے وضوفرمایا اور جب آفتاب بلند اور سفید ہوگیا، آپ کھڑے ہوگئے اور نماز پڑھی:۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس میں امام بخاری حدیث لیلۃ التعریس لائے ہیں اور ہمارے یہاں مسئلہ یہ ہے کہ جب کئی نمازیں قضا ہوجائیں تو جماعت سے ادا کرسکتے ہیں مگر اذان شروع میں صرف ایک بار ہوگی اور اقامت ہر نماز کے ساتھ ہوگی، لیکن اذان فائتہ نماز کے لئے جب ہوگی کہ گھر میں پڑھے، مسجد میں پڑھے گا تو نہیں۔

پھر فرمایا کہ لیلۃ التعریس کا واقعہ ایک بار پیش آیا ہے، خیبر سے واپسی میں اور جن حضرات نے متعدد بتلائے ان کو تصرفات رواۃ اور تغائر الفاظ کی وجہ سے مغالطہ لگا ہے۔ حتی کہ محقق ابن سید الناسؒ نے بھی دو واقعے سمجھے اور کوئی حدیث بخاری کو وہم راوی کہہ دے گا۔ مگر یہ سب غلط ہے۔

اگر کسی پر یہ بات گراں ہو کہ حضور اکرم علیہ کی شان رفیع سے مستبعد ہے کہ ان کی نماز قضا ہوئی ہو، تو یہ کوئی بات نہیں کیونکہ حضور علیہ السلام نے ایک شخص کو جگانے پر مامور کردیا تھا اور حضرت بلال نے پوری ذمہ داری لی تھی، اس لئے وہ لیٹے بھی نہ تھے، بلکہ اپنے اونٹ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے تھے، مگر خدا کی تقدیر میں تو اسی طرح تھا کہ باوجود ان سب انتظامات کے بھی نماز قضا ہوجائے، چنانچہ وہی ہوا، اور حق یہ ہے کہ سونے کی حالت میں اگر مجبوری و بے اختیاری کی وجہ سے نماز میں تقصیر ہو تو وہ شریعت میں معاف بھی ہے، چنانچہ نسائی شریف باب

من نام عن صلوۃ میں حدیث نبوی ہے کہ کوتاہی پر مواخذہ حالت بیداری کا ہوگا، نوم کی حالت کا نہ ہوگا، دوسری میں ہے کہ ایسے شخص سے مواخذہ ہوگا جو نماز نہ پڑھے اور اسی حالت میں دوسری نماز کا وقت آجائے تب بیدار ہو۔

شرح قولہ ان اللہ قبض ارواحکم

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ عام طور سے لوگ قبض روح بمعنی موت سمجھتے ہیں، لیکن اصل حقیقت وہ ہے جو علامہ محقق سہیلیؒ نے پیش کی ہے کہ قبض کے معنی دبانا، بھینچنا ہے، جیسے تم روئی وغیرہ کسی چیز کو مٹھی میں بھینچ کر بند کرلو۔ اس سے وہ پھیلی ہوئی چیز ایک جگہ سمٹ جاتی ہے۔ یہ تو قبض کی صورت ہے اور رد اس کا یہ ہے کہ پھر اس کو سابقہ حالت پر لوٹا دیا جائے۔ قبض روح کا معاملہ بھی اسی طرح ہے کہ وہ سونے کی حالت میں سمٹ جاتی ہے اور اپنے بعض افعال سے رک جاتی ہے، اسی کو قرآن مجید میں توفی وارسال سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس کو حدیث الباب میں قبض ورد فرمایا گیا ہے۔ پھر جب عمر ختم ہو جاتی ہے تو اس وقت کامل قبض توفی کا عمل ہوگا کہ روح کو بدن سے خارج کرلیں گے، نیند کی حالت میں وہ خارج نہیں ہوتی بلکہ وہ جسم کے اندر ہی رہ کر ایک جانب میں سمٹ جاتی جس کی وجہ بعض افعال کے لحاظ سے معطل ہو جاتی ہے۔ اگرچہ تدبیر بدن کا کام پھر بھی کرتی رہتی ہے۔

ردروح نبوی کا مطلب

حضرتؒ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے جو ارشاد فرمایا کہ جو میری قبر پر حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے تو حق تعالیٰ میری روح کو لوٹا دیتے ہیں اور میں اس کو سنتا ہوں اور جواب سلام دیتا ہوں، اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ حضور علیہ السلام کی روح مبارک مشغول بجانب قدس رہتی ہے، اور وقتِ سلام ادھر سے ادھر کو متوجہ ہو کر سلام سنتے اور جواب دیتے ہیں۔ اس سے مراد احیاء واماتت نہیں ہے (کہ آپ کی حیات برزخی مثل حیات دنیوی ہے، یہاں بھی حضور علیہ السلام نے حضرت بلالؓ کو سونے کی حالت میں معذور قرار دے کر ارشاد فرمایا ہے کہ تمہاری ارواح تو خدا کے اختیار میں ہیں کہ جب وہ چاہتا ہے ان کو سمیٹ لیتا ہے اور جب چاہے اصل حالت پر لوٹا دیتا ہے، اور حالت نوم میں قبض اور بیداری پر رد برابر ہوتا رہتا ہے۔

روح اور نفس میں فرق

حضرتؒ نے یہاں محقق سہیلیؒ ہی کے حوالہ سے یہ بھی فرمایا کہ نفس و روح دونوں ایک ہیں۔ صفات کے بدلنے سے نام بدلتا ہے، بحالت تجرد اس کو روح کہتے ہیں اور باعتبار تعلق بدن واکتساب ملکاتِ ردیہ کے نفس کہتے ہیں۔ جیسے پانی کہ جب تک وہ اصل حالت پر رہتا ہے، پانی ہے، اور وہی جب درختوں میں پیوست ہو جائے تو اس کے اوصاف واحکام بھی بدل جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر درخت سے پانی نکال کر اس سے وضو کرنا چاہیں تو وہ بھی صحیح نہ ہوگا۔

قولہ فلما ارتفعت الخ

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا حضور علیہ السلام نے سورج کے بلند اور روشن ہونے کا انتظار فرمایا پھر نماز پڑھی، یہ نہیں کہ اٹھنے کے بعد فوراً ہی پڑھ لیتے، جیسا کہ حدیث فلیصلہا اذا ذکرہا سے بعض لوگوں نے سمجھا ہے۔ یہ آپ کا عمل ہے اور حضور علیہ السلام سے بحد تواتر ممانعتِ صلوٰۃ بھی ارتفاع شمس سے قبل کی ثابت ہے، گویا قول وفعل دونوں سے حنفیہ کا مسلک واضح وثابت ہے، اور دار قطنی میں حتی اذا امکننا الصلوۃ بھی مروی ہے، یعنی جب نماز ادا کرنے کی صورت میسر ہوگئی، معلوم ہوا کہ ارتفاع سے قبل صورتِ جواز ہے ہی نہیں۔ اور یہ تاویل جو کی جاتی ہے کہ وہاں شیطان کا اثر تھا، اس لئے حضور علیہ السلام نے دیر کی اور آگے بڑھ گئے تو اگر ایسا ہوتا تو کسی روایت

میں یہ الفاظ بھی تو ہوتے کہ ہم نے شیطان کی جگہ سے دور ہونے کے لئے نماز کو موخر کیا، اور یہ مسئلہ تو خود ان لوگوں کے یہاں بھی نہیں ہے کہ اگر کسی جگہ سونے میں نماز قضا ہو تو شیطان کا اثر سمجھ کر وہاں سے دور ہو کر نماز پڑھی جائے، لہٰذا یہ تاویل صرف ہمیں جواب پکڑانے کے لئے اختیار کی گئی ہے۔ پھر یہ کہ اگر جگہ میں شیطان کا اثر مان کر دوسری جگہ پڑھنے کی بات مانتے ہیں تو شیطان کے زمانہ عبادت سے بچنے کیلئے کیوں نہیں مانتے جبکہ احادیث میں صراحت بھی آچکی کہ طلوع و غروب و استواء کے وقت نماز اس لئے نہ پڑھو کہ یہ وقت شیطانی اثر و عبادت کے ہیں۔

غرض حضرتِ حق جل ذکرہٗ کی عبادت تو اسی حالت میں اس کی کامل رضا کا موجب ہوگی کہ شیطان کے زمان و مکان دونوں سے ہی اس کو دور رکھا جائے، اگر ان ہی اوقات میں تم اپنی عبادت کرو گے، جن میں شیطان بتوں کی پرستش کراتا ہے تو وہ تو اس کی مرضی کی بات ہوگی نہ کہ خدائے برتر عزاسمہ کی۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ شیطان تمہارا دشمن ہے۔ اس کو دشمن ہی سمجھو، یعنی اس کے طور طریقوں سے کامل پرہیز کرو۔

حاصل یہ ہے کہ مذکورہ تین اوقات کے بارے میں احادیثِ ممانعت مشہور و متواتر طریقہ سے وارد ہیں اور بعد نماز فجر کی ممانعت لیلۃ التعریس والی حدیث الباب سے بھی ثابت ہے کہ آپ نے ارتفاع شمس کا انتظار فرمایا اور نماز کو مؤخر کیا۔ اور بعد عصر بھی آپ نے غزوۂ احزاب میں قبل مغرب وقتِ مکروہ میں نماز نہیں ادا کی، اور بعد غروب کے قضا فرمائی جبکہ حضرت عمرؓ نے اپنی تنہا نماز عصر بمشکل وقت کے اندر ادا کی تھی۔ اور حضور علیہ السلام سے ذکر کیا کہ میں نے نماز عصر ایسی حالت میں ادا کی کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہی تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب من صلےٰ بالناس جماعةً بعد ذهاب الوقت

اس شخص کا بیان جو وقت گزرنے کے بعد لوگوں کو جماعت سے نماز پڑھائے

۵۶۲ : حدثنا معاذ بن فضالة قال حدثنا هشام عن يحيىٰ عن ابى سلمة عن جابر بن عبدالله ان عمر بن الخطاب رضي الله عنه جآء يوم الخندق بعد ماغربت الشمس فجعل يسب كفار قريش قال يارسول الله ماكدت اصلى العصر حتىٰ كادت الشمس تغرب قال النبى صلى الله عليه وسلم والله ماصليتها فقمنا الىٰ بطحان فتوضا للصلوٰة وتوضانالها فصلے العصر بعد ما غربت الشمس ثم صلى بعدها المغرب

ترجمہ: **معاذ بن فضالہ**، ہشام، یحییٰ، ابوسلمہ، جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ (غزوہ) خندق میں آفتاب غروب ہونے کے بعد حضرت عمرؓ قریش کو برا بھلا کہتے ہوئے حضور انور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ یارسول اللہ میں نے عصر کی نماز (ابھی تک) نہیں پڑھی تھی، اور سورج غروب کے قریب ہو گیا تھا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ واللہ میں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی پھر ہم سب (مقام) بطحان کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ نے اور ہم سب نے (بھی) نماز کے لئے وضو کیا پھر آپ نے آفتاب غروب ہو جانے کے بعد پہلے عصر کی نماز پڑھی اس کی بعد مغرب کی ادا کی۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ کاد کے معنی میں اختلاف ہوا ہے، عام طور پر یہ مشہور ہے کہ مثبت میں منفی اور منفی میں مثبت کے معنی دیتا ہے اور اسی لئے عربی شاعر کے اس شعر۔

"اذا غير الهجر المحبين لم يكد. رسيس الهوى من حب مية يبرح." پر لوگوں نے اعتراض کیا تو اس نے لم یکد کو لم یجد سے بدل دیا تھا، مگر میرے نزدیک یہ بھی دوسرے افعال ہی کی طرح ہے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ کے ارشاد ما کدت الخ کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے بمشکل نماز عصر ادا کی تھی جس کو حافظ نے بھی فتح الباری میں ذکر کیا کہ حضرت عمرؓ باوضو ہوں گے۔ اس لئے عجلت کے ساتھ نماز پڑھ لی ہوگی۔ دوسرے صحابہ اور حضور اکرم ﷺ رہ گئے، وہ نہ

پڑھ سکے۔اور حضرت عمرؓ نے وقتِ مکروہ میں پڑھی، عند الحنفیہ بھی اس دن کی عصر جائز ہے، مگر حکم نہیں دیتے، کیونکہ کراہت کے ساتھ حکم نہیں دیا جاسکتا۔ فقہاءِ حنفیہ صحیح اور جائز کا لفظ لکھ دیتے ہیں جس سے لوگوں کو مغالطہ ہوتا ہے، حالانکہ وہ جواز یا صحت کراہت کے ساتھ ہوتی ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ مغرب کی نماز کو فوائت میں سے شمار کرنا مسامحت ہے، کیونکہ وہ فوت نہ ہوئی تھی۔ بلکہ مغرب سے قبل ہی جنگ ختم ہوگئی تھی۔ اور اتنی قبل کہ حضرت عمرؓ نے غروب سے قبل نماز عصر پڑھ لی تھی۔ لیکن چونکہ ظہر وعصر کی ادائیگی وغیرہ کے باعث مغرب بھی وقتِ معتاد ومستحب سے مؤخر ہوگئی تھی۔ اس لئے اس کو بھی فواءت میں شمار کردیا گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب من نسی صلوٰۃ فلیصل اذا ذکر ولایعیدالاتلک الصلوٰۃ وقال ابراھیم من ترک صلوۃ واحدۃً عشرین سنۃً لم یعدالاتلک الصلوٰۃ الواحدۃ

(اس شخص کا بیان جو کسی نماز کو بھول جائے' تو جس وقت یاد آئے پڑھ لے اور صرف اسی نماز کا اعادہ کرے' ابراہیم نے کہا ہے' کہ جو شخص ایک نماز ترک کردے (اور) بیس برس تک (اس کو ادا نہ کرے' تب بھی) وہ صرف اسی نماز کا اعادہ کرے گا)

۵۷۶: حدثنا ابونعیم و موسیٰ بن اسماعیل قالا حدثنا ھمام عن قتادۃ عن انس بن مالک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من نسی صلوٰۃ فلیصل اذا ذکر لاکفارۃ لھا الاذٰلک اقم الصلوٰۃ لذکری قال موسیٰ قال ھمام سمعتہ یقول بعد اقم الصلوٰۃ لذکری وقال حبان ثناھمام ثناقتادۃ قال حدثنا انس عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم نحوہ

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، جو شخص کسی نماز کو بھول جائے تو اسے چاہئے کہ جب یاد آئے، تو پڑھ لے، اس کا کفارہ یہی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔ اور حبان نے کہا، کہ ہم سے ہمام نے ان سے قتادہ۔ نے اور ان سے انسؓ نے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اسی کے مثل روایت کیا۔

تشریح: حافظؒ نے لکھا کہ اس حدیث میں امام مسلم نے اونام عنہا کی بھی روایت کی ہے، یعنی جو بھول جائے یا سو جائے تو جب بھی یاد کرے یا بیدار ہو تو فوت شدہ نماز ادا کرے۔ بعض نے اس کی دلیلِ خطاب سے یہ ثابت کیا ہے کہ عمداً اگر نماز ترک کردے تو اس کی قضا جائز نہ ہوگی، کیونکہ حدیث میں بھولنے اور سونے کی قید وشرط ہے، لہٰذا عمداً ترک کرنے والے کی قضا صحیح نہ ہوگی، حافظؒ نے اس سے اشارہ حافظ ابن تیمیہ اور ان کے پیش رو اہلِ ظاہر کی طرف کیا ہے اور پھر ان کی دلیل کا رد بھی کیا ہے۔ (فتح ص ۲/۴۸)

انوار المحمود ص ۱/۱۸۷ میں ہے: بعض اہل الظاہر نے جمہور علماءِ امت کے خلاف یہ شاذ رائے قائم کی ہے کہ عمداً تارک صلوٰۃ پر قضا نہیں ہے، اور علامہ نوویؒ نے بھی لکھا کہ بعض اہلِ ظاہر نے شذوذ کیا کہ صلوۃِ فائتہ بغیر عذر کی قضا درست نہیں ہے۔ لیکن یہ ان کی غلطی اور جہالت ہے، علامہ شوکانی نے نیل میں لکھا کہ داؤد ظاہری اور ابن حزم نے عامد کے لئے قضا کا انکار کیا، اور ابن تیمیہ سے بھی نقل ہوا کہ انہوں نے بھی اسی کو اختیار کیا۔ پھر دلائل فریقین ذکر کئے ہیں۔ جن کا خلاصہ انوار الباری قسط نمبر ۱۳ میں ذکر کیا گیا ہے۔ جہاں حافظ ابن تیمیہ کے دوسرے تفردات اور ان کا رد بھی مدلل ومکمل طور سے ہوا ہے۔

ترتیب کا مسئلہ: حضرت شاہ ولی اللہ نے ''تراجم ابواب'' میں لکھا کہ امام بخاریؒ کا مقصد اس باب سے وقتی اور فوت شدہ نمازوں میں عدمِ وجوب ترتیب کو ثابت کرنا اور امام ابوحنیفہ کا رد کرنا ہے، لیکن حضرت شاہ صاحبؒ کا یہ ارشاد اس لئے صحیح نہیں کہ حنفیہ کے نزدیک ترتیب کا وجوب تین وجہوں سے ساقط ہوجاتا ہے، بھولنے سے، تنگی وقت کی وجہ سے اور پانچ سے زیادہ نمازوں کے قضا ہوجانے سے، جب ایسی بات

ہے تو یہاں امام بخاری نسیان والی صورت ذکر کر کے امام صاحبؒ کا رد کیسے کر سکتے تھے، اگر پھر بھی رد کیا ہے تو ان کو امام اعظمؒ کا مسلک معلوم نہ ہوگا جیسا کہ اور بھی کئی مسائل میں ان سے ایسی غلطی ہوئی ہے اور ہم نے انوار الباری میں اسکی مثالوں کی نشان دہی کی ہے۔ یا پھر حضرت شاہ ولی اللہؒ سے چوک ہوگئی کہ ان کو حنفی مذہب کا یہ جزئیہ محفوظ نہ رہا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

البتہ یہاں یہ ممکن ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنے استاذ جلیل امام احمد کا رد کیا ہو، ان کا مذہب یہ ہے کہ اگر ایک نماز قضا ہوگئی اور ایک سال تک ادا نہ کی تو جب ایک سال کے بعد اس کو ادا کرے گا تو ساتھ ہی ایک سال کی ساری نمازوں کو بھی پھر سے پڑھے گا، کیونکہ ترتیب ان کے یہاں مطلقاً واجب ہے، خواہ کتنی ہی نمازیں پڑھ لے، وہ سب واجب الاعادہ ہیں، حنفیہ کی طرح پانچ سے زیادہ قضا ہونے پر ترتیب ساقط نہیں ہوتی، اور غالباً امام بخاری نے امام احمد ہی کا رد کرنے کے لئے حضرت ابراہیم نخعی کا قول ترجمۃ الباب میں ذکر کیا ہے کہ ایک نماز قضا شدہ کو اگر بیس سال تک بھی ادا نہ کرے تو جب بھی ادا کرے گا تو صرف وہی ایک ادا کرنی پڑے گی، بیس سال کی نمازوں کا اعادہ نہ کرنا پڑے گا، جس کا حکم امام احمدؒ کرتے ہیں۔ اس بات کو حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے بھی شرح تراجم ابواب البخاری ص ۲/۲۵۱ میں لکھا ہے، مگر ایک بات کھٹکتی ہے وہ یہ کہ نسیان کا عذر جس طرح حنفیہ کے یہاں معتبر ہے، امام احمدؒ کے یہاں بھی ہے، لہٰذا اعتراض ورد کی صورت صرف یہ رہے گی کہ قضا شدہ نماز یاد آجانے کے بعد بھی ادا نہ کرے اور اس کے باوجود ایک سال یا زیادہ مدت گزار دے، برخلاف حنفیہ کے کہ ان کے نزدیک اگر وہ قضا شدہ کو یاد بھی کر لے تو پانچ نمازوں سے زیادہ قضا ہو جانے پر نسیان وعمد برابر ہیں اور یاد آنے پر بھی اگر اعادۂ صلوٰۃ فائتہ نہ کرے گا تو صرف پانچ نمازوں کا اعادہ کرنا پڑے گا، امام احمد کی طرح برسوں کی نمازیں لوٹانے کی ضرورت نہ ہوگی، البتہ امام مالکؒ کے نزدیک ترتیب کا وجوب نسیان کی صورت میں بھی ہے کما فی المغنی، لیکن علامہ عینی نے لکھا کہ ان کا معتمد مذہب سقوط ترتیب بالنسیان ہے اور اسی کو ابن العربی نے "العارضہ" میں درج کیا اور حافظ نے بھی لکھا کہ اکثر کا مذہب ترتیب مع الذکر کا ہے، نسیان کے ساتھ نہیں۔ (فتح الباری ص ۲/۴۷)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ائمۂ ثلاثہ وجوب ترتیب کے قائل ہیں، اور صرف امام شافعی ترتیب کے وجوب سے منکر ہوئے ہیں، ائمۂ ثلاثہ کا استدلال حضور علیہ السلام کے عمل سے ہے کہ آپ نے غزوۂ خندق میں قضا شدہ نمازوں کو ترتیب کے ساتھ ادا کیا اور یہ بھی آپ کا عام ارشاد ہے کہ جس طرح تم مجھے نماز میں ادا کرتے ہوئے دیکھتے ہو، اسی طرح ادا کیا کرو۔

مسئلہ وجوب ترتیب اور مولانا عبدالحی رحمہ اللہ

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مولانا عبدالحی صاحبؒ نے "التعلیق الممجد" میں مذہب امام شافعیؒ کو ترجیح دی ہے اور شیخ ابن الہمام و ابن نجیم کا قول بھی اپنی تائید میں پیش کیا ہے۔ لیکن ان دونوں حضرات کا قول ایسے مسئلہ میں جس میں اکابر حنفیہ متفق الرائے ہیں، شذوذ کے درجہ میں رکھا جائے گا۔ اور معتبر نہ ہوگا۔

علامہ بنوری دامت برکاتہم نے معارف السنن ص ۲/۱۱۰ میں دلائل کے ساتھ اس مسئلہ کی تفصیل کی ہے، وہاں دیکھ لی جائے اور فیض الباری ص ۲/۱۵۱ میں بھی اچھی بحث آسکتی ہے۔ اور یہ امر بھی کم اہم نہیں کہ وجوب ترتیب کے قائل صرف حنفیہ نہیں بلکہ ان کے ساتھ امام مالک و امام احمدؒ اور ان تینوں کے متبعین کبار ائمہ ومحدثین ومحققین ہیں، اس لئے بھی حضرت شاہ صاحبؒ کا فیصلہ مذکورہ گرانقدر ہے۔

حضرت مولانا عبدالحیؒ کی حنفی مسلک کے لئے خدمات جلیلہ اور خود ان کی جلالت قدر کے سامنے ہماری گردنیں جھکی ہوئی ہیں، مگر بقول علامہ کوثریؒ کے متعدد مسائل مہمہ (مسئلہ محاذاۃ وغیرہ) میں ان کا "استسلام" بھی دل پر گراں ہے۔ یرحمہ اللہ وایانا بفضلہ وکرمہ.

قوله ولا یعید الا تلک الصلوٰۃ

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاری کا اشارہ حدیثِ ابی داؤد کی طرف معلوم ہوتا ہے جس میں ہے کہ فوت شدہ نماز کو یاد آنے پر بھی پڑھے اور اگلے دن جب اس نماز کا وقت آئے، تب بھی اس کو پڑھے، گویا ایک قضا شدہ نماز کو دوبارہ پڑھے، علامہ خطابی نے اس کو استحباب پر محمول کیا ہے، حافظ نے اس کا رد کیا ہے۔ اور حدیثِ مذکور کو ضعیف اور نا قابلِ احتجاج قرار دیا ہے، یہ بھی لکھا کہ استحباب کا قائل سلف میں سے کوئی نہیں ہوا۔ بلکہ انہوں نے حدیثِ مذکورہ کو راوی کی غلطی کہا ہے، جس کو ترمذی نے بھی امام بخاری سے نقل کیا ہے۔ یا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگلے دن والی اسی جیسی نماز کو اپنے وقت پر پڑھے، حضرتؒ نے فرمایا میرے نزدیک حدیثِ ابی داؤد بھی عمل کے لائق ہے اور جاندار ہے، اس لئے اس کی تضعیف یا انکار کی ضرورت نہیں، اور ادا شدہ نماز کا اعادہ اصل وقت کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے مستحب قرار پائے گا، اور نیت بھی اسی نماز فجر یا ظہر وغیرہ فوت شدہ کی کرے گا، اگرچہ وہ نفل ہوگی کیونکہ فرض کی ادائیگی پہلے کر چکا ہے یاد آنے پر۔ حضرتؒ کے یہاں ایک مد مستحب الخواص کی بھی تھی، ممکن ہے وہی یہاں مراد ہو، جس طرح مس الذکر و مس المراۃ واکل لحم الابل کی وجہ سے بھی حضرتؒ وضو کو مستحب الخواص فرماتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب قضآء الصلوات الاولیٰ فالاولیٰ

قضا نمازوں کو ترتیب کے ساتھ پڑھنے کا بیان

۵۶۸: حدثنا مسدد قال حدثنا یحییٰ قال حدثنا ھشام قال حدثنا یحییٰ ھو ابن ابی کثیر عن ابی سلمۃ عن جابر قال جعل عمر رضی اللہ عنہ یوم الخندق لیسب کفارھم و قال یا رسول اللہ ما کدت اصلی العصر حتیٰ غربت الشمس قال فنزلنا بطحان فصلی بعد ماغربت الشمس ثم صلی المغرب

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (غزوہ) خندق کے دن کفار قریش کو برا کہنے لگے اور کہا کہ یا رسول اللہ۔ میں آفتاب غروب ہونے تک (ان کی وجہ سے) عصر کی نماز نہ پڑھ سکا۔ جابر کہتے ہیں، پھر ہم لوگ (مقام) بطحان میں گئے، تب آپ نے آفتاب غروب ہو جانے کے بعد نماز پڑھی، اس کے بعد مغروب کی نماز پڑھی۔

تشریح: اس حدیث سے ترتیب صلوات فائتہ و وقتیہ کا ثبوت ہوتا ہے، جس کی تفصیل گذر چکی۔ امام بخاری کا رجحان بھی وجوب ترتیب کی طرف ہے، جیسا کہ ترجمۃ الباب سے واضح ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ صحیحین میں تو صرف ایک نماز عصر کے فوت ہونے کا ذکر ہے، لیکن معانی الآثار امام طحاوی میں امام شافعیؒ سے مروی ہے کہ ظہر، عصر و مغرب تین نمازیں فوت ہوئی تھیں، اور اس کی سند قوی ہے۔

حافظ ابن حجر اور رجال حنفیہ

حضرتؒ نے اس موقع پر ضمناً فرمایا کہ حافظ نے رجالِ حنفیہ کو بہت بڑا نقصان پہنچایا ہے، حتیٰ کہ امام طحاویؒ کے بھی عیوب جمع کئے ہیں، حالانکہ جب تک امام طحاوی مصر میں رہے، کوئی محدث وہاں نہیں پہنچا جس نے ان سے اجازتِ حدیث نہ لی ہو، اور امام طحاوی مسلم امامِ حدیث ہیں، لیکن حافظ نے امام طحاوی سے سوا اس حصہ رکھنے والوں کی تعریف کی ہے اور امام موصوف پر نکتہ چینی کی۔ پھر فرمایا کہ تعصب کی حد ہے کہ علامہ عینی کے جوتہ میں، شافعیہ نے صحابہ کے نام رکھوا دیئے۔ اور پھر بادشاہِ وقت سے شکایت کی کہ یہ رافضی ہے اور دو سال کے لئے قید کرا دیا، پھر حنفیہ نے موچی سے ہی کہلوا دیا کہ مجھے رشوت دے کر ایسا کرایا گیا تھا، تب علامہ نے جیل سے رہائی پائی۔ حافظ نے عینی سے ایک حدیث مسلم شریف کی

اوردو مسند احمد کی سن کران سے اجازت حدیث حاصل کی ہے اور وہ عمر میں بھی حافظ سے بڑے تھے اور ان کے بعد تک زندہ رہے ہیں۔

باب مایکرہ من السمر بعد العشآء السامر من السمر والجمیع السمار والسامر ھٰھنا فی موضع الجمیع

(عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنا مکروہ ہے' سامر سمر سے ماخوذ ہے اور جمع سمار ہے اور سامر یہاں جمع کے معنوں میں ہے)

۵۶۹: حدثنا مسدد قال حدثنا یحییٰ قال حدثنا عوف قال حدثنا ابو المنھال قال انطلقت مع ابی الیٰ ابی برزۃ الاسلمی فقال لہ' ابی حدثنا کیف کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی المکتوبۃ قال کان یصلی الھجیر وھی التی تدعونھا الاولیٰ حین تدحض الشمس و یصلی العصر ثم یرجع احدنآ الیٰ اھلہ فی اقصی المدینۃ والشمس حیۃ ونسیت ماقال فی المغرب قال وکان یستحب ان یؤخر العشآء قال وکان یکرہ النوم قبلھا والحدیث بعدھا وکان ینفتل من صلوٰۃ الغداۃ حین یعرف احدنا جلیسہ' ویقرأ من الستین الی المائۃ

ترجمہ: ابومنہال روایت کرتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ حضرت ابو برزہ اسلمیؓ کے پاس گیا، ان سے میرے والد نے کہا، کہ ہم سے بیان کیجئے، کہ رسول اللہ ﷺ فرض نماز کس طرح پڑھتے تھے، وہ بولے، کہ ہجیر جسے تم پہلی نماز کہتے ہو، آفتاب کے ڈھلتے ہی ادا فرمالیا کرتے تھے اور عصر کی نماز (ایسے وقت) پڑھتے تھے کہ (جب) ہم میں سے کوئی شخص (حضور) کے ہمراہ نماز پڑھ کر اقصٰی مدینہ میں اپنے گھر کو واپس جاتا، تو بھی آفتاب بالکل صاف ہوتا تھا ﴿وابومنہال کہتے ہیں﴾ میں بھول گیا کہ مغرب کے بارے میں انہوں نے کیا کہا﴾ ابو برزہؓ کہتے ہیں کہ آپ عشاء کی نماز دیر میں پڑھنا پسند فرماتے تھے، اور کہا کہ عشاء سے پہلے سونا اور اس کے بعد بات کرنا مکروہ خیال فرماتے تھے، اور صبح کی نماز سے (فراغت کرکے) آپ ایسے وقت لوٹتے تھے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے پاس والے کو پہچان لیتا تھا، اور (اس میں) آپ ساٹھ آیتوں سے سو تک پڑھتے تھے۔

تشریح: حافظ نے لکھا کہ یہ حدیث پہلے باب وقت العصر (ص ۷۸) میں بھی آچکی ہے، یہاں خاص طور سے سمر بعد العشاء کی کراہت بتلانے کے لئے پھر سے لائے ہیں، عشاء سے قبل سونے کی کراہت اس لئے ہے کہ عشاء کی نماز فوت نہ ہو جائے یا وقت مستحب سے نہ نکل جائے اور بعد عشا باتیں کرنے کی ممانعت اس لئے ہوئی کہ صبح کی نماز قضا نہ ہو جائے، حضرت عمر لوگوں کو اس بات پر مارتے تھے اور فرماتے تھے کہ شروع رات میں قصہ گوئی اور باتوں میں وقت خراب کروگے اور آخر رات میں سوؤ گے؟: پھر حافظ نے لکھا کہ اس علت کے پیش نظر کوئی بڑی اور چھوٹی راتوں میں فرق بھی کر سکتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ دور اندیشی کے تحت یہ ممانعت مطلقاً ہی ہو، کیونکہ شریعت جب کسی چیز پر خرابی کے اندیشہ و گمان سے کوئی حکم لگا دیتی ہے تو پھر وہ سختی ہی قائم رہتی ہے (فتح ص ۲/۴۹) لہٰذا شریعت نے نماز عشا کے بعد مباح باتوں سے روک دیا ہے، مباح اس لئے کہ حرام و ممنوع باتیں تو ہر وقت ممنوع ہیں۔

حضرت گنگوہیؒ کی رائے بھی یہی تھی کہ سمر بعد العشا کی کراہت اسی وقت ہے کہ اس کی وجہ سے صبح کی نماز فوت ہو (لامع ص ۱/۲۳۴)۔

باب السمر فی الفقه والخير بعد العشآء

دین کے مسائل اور نیک باتوں سے متعلق عشاء کے بعد گفتگو کرنے کا بیان

۵۷۰: حدثنا عبدالله بن الصباح قال حدثنا ابوعلی الحنفی قال حدثنا قرة بن خالد قال انتظرنا الحسن وراث علينا حتىٰ قربنا من وقت قيامه فجآء فقال دعانا جيراننا هٰؤلآء ثم قال قال انس بن مالک نظرنا النبی صلے الله عليه وسلم ذات ليلة حتىٰ كان شطر الليل يبلغه فجآء فصلى لنا ثم خطبنا فقال الا ان الناس قدصلوا ثم رقدوا وانكم لم تزالوا فی صلوٰة ما انتظر الصلوٰة قال الحسن و ان القوم لايزالون فی خير ما انتظروا الخير قال قرة هو من حديث انس عن النبی صلے الله عليه وسلم

۵۷۱: حدثنا ابواليمان قال اخبرنا شعيب عن الزهری قال حدثنی سالم ابن عبدالله بن عمرو ابوبكر بن ابی حثمة ان عبدالله بن عمر قال صلے النبی صلے الله عليه وسلم صلوٰة العشآء فی اٰخر حيوٰته فلما سلم قام النبی صلے الله عليه وسلم فقال ارايتكم ليلتكم هٰذه فان راس مائة سنة لايبقىٰ من هواليوم علىٰ ظهرالارض احد فوهل الناس فی مقالة النبی صلے الله عليه وسلم الىٰ مايتحدثون فی هٰذه الاحاديث عن مائة سنة وانما قال النبی صلى الله عليه وسلم لايبقىٰ ممن هواليوم علىٰ ظهرالارض يريد بذٰلک انها ينخرم ذٰلک القرن

ترجمہ ۵۷۰: حضرت قرہ بن خالد روایت کرتے ہیں کہ ہم حسن بصری کا انتظار کر رہے تھے، انہوں نے آنے میں اتنی دیر کی، کہ ان کے (مسجد سے) اٹھ جانے کا وقت قریب آ گیا، تب وہ آئے اور کہنے لگے کہ مجھے میرے پڑوسیوں نے بلا لیا تھا، اس وجہ سے دیر ہوگئی، پھر انہوں نے بیان کیا کہ حضرت انس بن مالکؓ نے (مجھ سے) کہا کہ ہم نے ایک رات نبی کریم ﷺ کا انتظار کیا، یہاں تک کہ نصف شب ہوگئی، تب آپ تشریف لائے اور ہمیں نماز پڑھائی اس کے بعد آپ نے ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ دیکھو! لوگ نماز پڑھ چکے اور سو رہے، اور تم برابر نماز میں رہے، جب تک کہ تم نے نماز کا انتظار کیا، اسی حدیث کے پیشِ نظر (خود) حسن بصریؒ کا قول ہے، کہ جب تک لوگ نیکی کرنے کے منتظر رہتے ہیں وہ اس نیکی کے کرنے کا ثواب پاتے رہتے ہیں، قرہ نے کہا، کہ حسن کا یہ قول حضرت انس کی حدیث میں داخل ہے۔

ترجمہ ۵۷۱: حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (ایک مرتبہ) عشاء کی نماز اپنی اخیر زندگی میں پڑھی، جب سلام پھیرا، تو نبی کریم ﷺ کھڑے ہوگئے، اور فرمایا کہ تم اپنی اس رات کے حال کے متعلق مجھ سے سنو! سو برس کے بعد جو شخص آج زمین کے اوپر ہے، کوئی باقی نہ رہے گا۔ (ابن عمرؓ کہتے ہیں، کہ) لوگوں نے نبی کریم ﷺ کے (اس) ارشاد (کے سمجھنے) میں غلطی کی (اور) سو برس کی توضیح کرنے) میں دوسری باتوں کی طرف خیال دوڑانا شروع کر دیا (ان ہی خیالوں کو) وہ (حدیث کی تفسیر میں) بیان کرتے ہیں، حالانکہ نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا تھا، کہ جو آج زمین کے اوپر ہیں، ان میں سے کوئی باقی نہ رہے گا، مراد آپ کی اس سے یہ تھی کہ سو سال پر یہ قرن گزر جائے گا۔

تشریح: پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ شریعت نے کسی چیز کے لئے انتظار کو بھی اسی کے حکم میں رکھا ہے اور حضور علیہ السلام نے یہ ارشاد نمازِ عشا کے بعد فرمایا ہے، لہٰذا بعد عشا کے کسی نیک بات میں کوئی حرج نہ ہوا، دوسری حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہی سے باب السمر بالعلم (ص ۲۲ کتاب العلم) میں بھی گزر چکی ہے اور حضور علیہ السلام نے یہ ارشادات بھی بعد نمازِ عشا فرمائے ہیں۔ لہٰذا کسی علمی و فقہی بات میں

کوئی مضائقہ نہیں۔ حافظ نے لکھا کہ امام ترمذی نے حضرت عمرؓ سے حدیث حسن روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ مسلمانوں کے معاملات میں بعد عشا کے مشورے کیا کرتے تھے اور میں بھی ان دونوں کے ساتھ ہوتا تھا۔ اس حدیث کے تحت حضرت خضر علیہ السلام کی حیات کا مسئلہ بھی چھڑتا ہے اور ہم اس کو پہلے لکھ چکے ہیں، یہاں حافظ نے لکھا کہ علامہ نووی وغیرہ نے کہا: اس حدیث سے امام بخاری اور ان کے ہم خیال حضرات نے حضرت خضر علیہ السلام کی موت ثابت کی ہے، مگر جمہور اکابر امت اس کے خلاف ہیں اور اس کے جوابات دیئے ہیں۔ پھر حافظ نے وہ بھی درج کئے، دیکھ لئے جائیں (فتح ص ۲\۵۰)۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ باب امام بخاری اس لئے لائے ہیں تا کہ علمی مذاکرات کو بھی عام حکم سمر بعد العشاء کے تحت نہ سمجھا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب السمر مع الاهل والضيف

(گھر والوں اور مہمانوں کے ساتھ عشاء کے بعد گفت وگو کرنے کا بیان)

۵۷۲: حدثنا ابو النعمان قال حدثنا معتمر بن سليمان ثنا ابي قال حدثنا ابو عثمان عن عبدالرحمن بن ابي بكران اصحاب الصفة كانوا اناساً فقرآء وان النبي صلى الله عليه وسلم قال من كان عنده طعام اثنين فليذهب بثالث وان اربع فخامس اوسادس وان ابابكر جآء بثالث وانطلق النبي صلى الله عليه وسلم بعشرة قال فهوانا و ابي و امي ولا ادري هل قال و امراتي و خادم بين بيتنا وبيت ابي بكرو ان ابابكر تعشى عندالنبي صلى الله عليه وسلم ثم لبث حيث صليت العشآء ثم رجع فلبث حتىٰ تعشى النبي صلى الله عليه وسلم فجآء بعد ما مضىٰ من الليل ماشآء الله قالت له امراته ما حبسك عن اضيافك او قالت ضيفك قال اوما عشيتهم قالت ابوا حتىٰ تجيٓء قدعرضوا فابوا قال فذهبت انا فاختبات فقال يا غنثر فجدع و سب وقال كلوا الاهنيا لكم فقال والله لااطعمه ابداً وايم الله ماكنا ناخذمن لقمة الا ربامن اسفلها اكثر منها قال شبعوا وصارت اكثر مماكانت قبل ذٰلك فنظراليها ابوبكر فاذا هي كما هي اواكثرفقال لامرأته ياخت بني فراس ماهٰذا قالت لا وقرة عيني لهي الاٰن اكثرمنها قبل ذٰلك بثلاث مرارفاكل منها ابوبكر وقال انما كان ذٰلك من الشيطان يعني يمينه ثم اكل منها لقمةً ثم حملها الى النبي صلى الله عليه وسلم فاصبحت عنده و كان بيننا و بين قوم عقد فمضى الاجل ففرقنا اثني عشررجلاً مع كل رجل منهم اناس والله اعلم كم مع كل رجل فاكلوا منها اجمعون او كماقال

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ روایت کرتے ہیں کہ اصحاب صفہ غریب لوگ تھے، اور نبی کریم ﷺ نے فرمادیا تھا کہ جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو، وہ تیسرے کو (ان میں سے) لے جائے، اور اگر چار ہوں، تو پانچواں یا چھٹا (ان میں سے لے جائے) حضرت ابوبکر تین آدمی لے آئے، اور نبی کریم ﷺ دس لے گئے، عبدالرحمٰنؓ کہتے ہیں کہ ہم تھے، اور ہمارے باپ تھے، اور ہماری ماں تھیں، اور میں نہیں جانتا، کہ آیا انہوں نے یہ بھی کہا (یا نہیں) کہ میری بی بی اور ہمارا خادم بھی تھا، جو ہمارے گھر اور ابوبکرؓ کے گھر میں مشترک تھا (ایک روز) ابوبکرؓ نے حضور اکرم ﷺ کے یہاں شام کا کھانا کھایا، اور آکر ہمارے گھر میں رہے اتنی دیر کہ عشا کی نماز بھی ہو چکی، پھر حضور کی خدمت میں گئے اور

اتنے ٹھہرے کہ آں حضرت علیہ نے کھانا بھی تناول فرمالیا، اسکے بعد (اپنے گھر میں) آئے ان سے ان کی بی بی نے کہا کہ تمہیں تمہارے مہمانوں سے کس نے روک لیا، یا یہ کہا کہ تمہارے مہمان سے، وہ بولے، کیا تم نے انہیں کھانا نہیں کھلایا، انہوں نے کہا، آپ کے آنے تک ان لوگوں نے کھانے سے انکار کیا کھانا ان کے سامنے پیش کیا گیا تھا، مگر انہوں نے نہ مانا، عبدالرحمٰنؓ کہتے ہیں کہ میں تو (مارے خوف کے) جا کر چھپ گیا (چنانچہ) ابوبکرؓ (نے غصہ میں) یا غنثر (کہہ کر) پکارا اور بہت کچھ سخت سست مجھے کہہ ڈالا، اور کہا، تمہیں گوارہ نہ ہو کھاؤ۔ اس کے بعد کہا، کہ اللہ کی قسم! میں ہرگز نہ کھاؤں گا، کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! ہم جب کوئی لقمہ لیتے تھے تو اس کے نیچے اس سے زیادہ بڑھ جاتا تھا، عبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ مہمان سب آسودہ ہو گئے۔ اور کھانا جس قدر کہ پہلا تھا اس سے زیادہ رہ گیا، تو ابوبکرؓ نے اس کی طرف دیکھا وہ اسی قدر تھا، جیسا کہ پہلے تھا، یا اس سے بھی زیادہ تو اپنی بی بی سے کہا، کہ اے بنی فراس کی بہن! یہ کیا ماجرا ہے (وہ بولیں) کہ اپنی آنکھ کی ٹھنڈک کی قسم یقیناً یہ اس وقت پہلے سے تگنا ہے، پھر اس میں سے ابوبکرؓ نے کھایا، اور کہا، یہ قسم شیطان ہی کی طرف سے تھی، بالآخر اس میں سے ایک لقمہ انہوں نے کھالیا اس کے بعد اسے نبی کریم علیہ کے پاس اٹھالے گئے، وہ صبح تک آپ کے پاس رہا، اور ہمارے اور ایک قوم کے درمیان میں کچھ عہد تھا۔ اس کی مدت گذر چکی تھی، تو ہم نے بارہ آدمی علیحدہ علیحدہ کر دیئے، ان میں سے ہر ایک کے ساتھ کچھ کچھ آدمی تھے۔ غرض اس کھانے سے سب نے کھالیا (یا عبدالرحمٰن نے جیسا کچھ بیان کیا ہو)

تشریح: یہ حدیث الباب طویل ہے اور اس میں راویوں سے تقدیم و تاخیر بھی ہو گئی ہے۔ مسلم شریف کتاب الاطعمہ ص ۲/۱۸۵ میں بھی یہ حدیث ہے اور اس کے ساتھ والی دوسری حدیث بھی زیر نظر رکھی جائے، ابوداؤد کتاب الایمان والنذ ور ص ۲/۱۱۵ میں بھی یہ حدیث ہے، علامہ نوویؒ نے لکھا کہ اس حدیث میں اختصار ہے اور حذف نیز تقدیم و تاخیر بھی ہے۔ جس کی وضاحت و صحت اگلی دوسری روایت سے ہوتی ہے، مسلم کی حدیث میں **ثم رجع فلبث** کے بعد **حتی تعشی النبی** علیہ کی جگہ **حتی نعس النبی** علیہ ہے (نبہ علیہ العینی فی العمدہ ص ۲/۶۱۴) اور وہ زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے اگرچہ ہم نے ترجمہ روایت بخاری کے مطابق کیا ہے۔ اور ضمیروں کے مراجع ہم نے عمدۃ القاری سے متعین کئے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

افادات عینیؒ: (۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب لوگوں پر رزق کی تنگی ہو گئی ہو تو حاکم وقت ان کی کفالت بقدر وسعت و گنجائش دوسرے لوگوں کے ذمہ کر دے اور حضور علیہ السلام نے کم افراد والے کنبہ اور زیادہ والے کو برابر اس لئے کیا کہ زیادہ افراد والے خود ہی پہلے سے زیر بار ہوتے ہیں اور ان کو اپنے عیال کا خیال بھی زیادہ رکھنا چاہیئے، یہ ہدایت تو دوسروں کے لئے تھی، مگر خود حضور علیہ السلام جن پر دس افراد کا بوجھ پہلے سے ہی تھا، پھر بھی آپ نے ایثار کر کے دوسرے دس آدمیوں کا بوجھ اٹھایا، اور حضرت ابوبکرؓ نے تین کی ذمہ داری لی، جبکہ ہدایت نبوی صرف یہ تھی کہ ہر کنبہ والا صرف ایک ایک آدمی کو ساتھ لے جائے اور کھلائے۔ حضرت عمرؓ نے قحط کے سال ہر گھرانہ پر گھر کے افراد کے برابر لوگوں کی ذمہ داری سونپی تھی، اور فرمایا تھا کہ کوئی قوم آدھی خوراک کھانے کی وجہ سے ہلاک نہیں ہو سکتی۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ بیشتر علماء کی رائے یہ ہے کہ زکوۃ کے سوا بھی مال میں دوسرے ناداروں کے حقوق وابستہ ہیں۔ (۲) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رئیس قوم کے ساتھ کھانا بہتر ہے اگرچہ گھر پر مہمان بھی ہوں، جبکہ گھر پر مہمانوں کی خدمت کرنے والا موجود ہو، جس طرح حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے گھر پر موجود تھے اور آپ نے ان کو مہمانوں کی خبر گیری کی تاکید بھی کر دی تھی۔ (۳) گھر کے لوگوں کو خود بھی چاہیے کہ وہ صاحب منزل کی طرح اس کے مہمانوں کا خیال رکھیں۔ (۴) مہمانوں کو چاہیے کہ وہ صاحب منزل کا ادب و لحاظ کریں اور کھانے پر بھی اس کا انتظار کریں، اس کے بغیر کھانے کی حرص نہ کریں، (۵) حضرت ابوبکرؓ کی خاص شان حب نبوی و مصاحبت نبوی کی معلوم ہوئی کہ وہ دن و رات کا اکثر حصہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ گذارتے تھے (۶) کوئی بابرکت چیز گھر میں آئے تو وہ اہل علم و فضل کے پاس بھیجی جائے، جس طرح حضرت ابوبکرؓ نے اس برکت

والے کھانے کوحضورعلیہ السلام کی خدمت میں بھیجا۔(۷)اس حدیث سے حضرت ابوبکرؓ کی کرامت بھی ثابت ہوئی، اور معلوم ہوا کہ اولیا کی کرامات حق ہیں، یہی مذہب اہل سنت کا ہے(۸) کسی تقصیر پر خوف وڈر کے سبب اپنے والد یا بڑے سے چھپ جانے کا جواز بھی معلوم ہوا کہ حضرت عبدالرحمٰن بھی چھپ گئے تھے(۹)اولاد کو غصہ کی حالت میں کسی تقصیر پر برا بھلا کہنے کا بھی جواز نکلا(۱۰)قسم بغیر اللہ کا جواز بھی معلوم ہوا۔ (۱۱)اگر قسم کسی ناروایات پر اٹھالی ہوتو اس کو توڑنے کا استحسان بھی معلوم ہوا۔(۱۲)اگلے دن کے لئے کھانا رکھنے کا جواز بھی معلوم ہوا۔(۱۳)اگر صاحب منزل نے ہدایت کردی ہوتو مہمانوں کو اس کی غیر موجودگی میں کھانا کھالینا چاہیے، کیونکہ حضرت ابوبکرؓ مہمانوں کے نہ کھانے پر ناخوشی کا اظہار فرمایا۔(۱۴)اس حدیث سے کسی عذر کے تحت ترک جماعت کا جواز بھی معلوم ہوا کیونکہ ثم لبث (ای فی دارہ)حتی صلیت العشاء ثم رجع الی رسول اللہ ﷺ وارد ہوا(عمدہ ص ۶۱۶/۲)غالباً حضرت ابوبکرؓ کا عذر یہ تھا کہ وہ مہمانوں کی دلداری یا ان سے ضروری باتوں کے لئے گھر پر ٹھیرے رہے تا آنکہ جماعت عشاء ہوچکی، تب حضور علیہ السلام کی خدمت میں پھر حاضر ہوئے، اور ثم رجع کی جگہ صحیح اسماعیلی میں ثم رکع ہے، شاید اس سے مراد عشاء کی نماز ہو جو گھر پر پڑھ کر حضرت ابوبکرؓ حضور کی خدمت میں گئے ہوں گے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

افادات انورؒ: (۱) فرمایا:۔اس حدیث میں حلف بغیر اللہ ہے، حالانکہ دوسری حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہے اس کے بارے میں سب سے بہتر تحقیق جواب صرف علامہ چلپیؒ نے مطول کے حاشیہ میں لکھا ہے، مطول کے خطبہ میں ولعمری آگیا ہے، اس پر اسی اعتراض کے دفعیہ میں لکھا کہ ممنوع وہ ہے جو مشروع طریقہ پر ہو اور اس سے مقصود مقسم بہ کی تعظیم ہو یا عدم حنث کے لئے ہو، اور جو لغوی ہو، محض تقویتِ کلام کے لئے وہ ناجائز و ممنوع نہیں ہے۔ بشرطیکہ سامع کو مغالطہ نہ ہو، کیونکہ جہاں مغالطہ میں پڑنے کا خطرہ ہو تو وہ بھی جائز نہیں ہوگا، جیسے قرآن مجید میں صحابہ کو راعنا کہنے سے روک دیا گیا۔ یا جیسے دلائل الخیرات میں ہے حتی لایبقی من علمک شیء میرے نزدیک یہ الفاظ درست ہیں۔ مگر ابن سعودؒ نے دلائل کا داخلہ حجاز میں بند کردیا کہ یہ شرک و کفر ہے، غالباً سلف کے اذہان میں بھی یہ لغوی یمین ہی تھی، جو بمعنی استشہاد تھی، اس لئے اگر نحوی اس کا یہی نام رکھ دیتے تو اچھا تھا تاکہ یمین شرعی و فقہی سے ممتاز ہوجاتی، لہٰذا کوتاہی نام میں ہوئی، حقیقت حلف میں نہیں، مگر کچھ لوگوں سے ذہول و غفلت ہوئی اور انہوں نے یمین لغوی پر بھی یمین شرعی کے احکام جاری کردیئے۔ حالانکہ خود حضور علیہ السلام سے بھی چار جگہ یہ یمین لغوی یا حلف بغیر اللہ وارد ہے، (۱) قصۂ افک میں (۲) افلح وابیہ ان صدق میں، اور جو تاویلات ورب ابیہ وغیرہ سے کی گئی ہیں وہ غلط ہیں (۳) لا ازید ولا انقص والی حدیث میں (۴) اسی حدیث میں شوکانی نے جواب دیا کہ حضور علیہ السلام سے بطور سبقت لسانی کے ایسے کلمات قسم کے نکل گئے ہیں، میں نے کہا کہ ہاں! یہی موقع تھا سہو کا جو شرک و کفر کا مقام ہے۔

(۲) فرمایا:۔بعض چیزیں فی نفسہ جائز ہوتی ہیں، مگر وہ اس لئے ممنوع ہوجاتی ہیں کہ ان سے دوسری غلط جانب کا ایہام و احتمال ہوتا ہے اس لئے ان کو نہ مطلقاً ممنوع ہی کہہ سکتے ہیں نہ کلیتہً جائز ہے۔ مفتی کا فرض ہے کہ وہ دیکھے، اگر ضرر شرعی پائے تو روک دے اور اگر نہ پائے تو جواز پر باقی رکھے، اس باب کی طرف قرآن مجید میں بھی تعرض کیا گیا ہے، چنانچہ راعنا کے فی نفسہ جائز ہونے کے باوجود یہود کے ایہام کی وجہ سے روک دیا گیا، لہٰذا جب یہ مانع نہ رہے گا تو پھر جواز علی الاطلاق کا حکم لوٹ آئے گا۔ اسی طرح کنز کے باب الحظر والاباحۃ میں ہے۔ حاصل یہ کہ جہاں مغالطہ نہ ہو وہاں جائز ہی ہوگا۔

(۳) فرمایا:۔میرے نزدیک یا شیخ عبدالقادر جیلانی! شیئاً للہ کہنا اس کے لئے درست ہے جو شیخ عبدالقادر کو عالم الغیب اور قادر نہ مانتا ہو، الا ان یشاء اللہ کہ وہ علم بھی دے سکتا ہے اور امداد بھی کرا سکتا ہے اور یہ جائز ہی ہے، مگر عام طور سے فساد عقیدہ اور مغالطہ پڑنے کی وجہ سے روکا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ کوئی شرعی وظیفہ نہیں ہے کہ اس کی تسبیح پڑھی جائے اگر کوئی ایک ہزار بار بھی اس کا ورد کرے گا تو گھاس کے تنکے کے برابر بھی ثواب نہ ملے گا۔ اگرچہ معصیت بھی نہیں ہے اگر عقیدہ صحیح ہو۔

میں تو کہتا ہوں کہ فتاوی خیر یہ میں مذکور ہے کہ ذکر اللہ کے سوا کوئی ذکر بھی موجب ثواب نہیں ہے، حتی کہ محمد محمد کے ورد او رتکرار میں بھی ثواب تھا آپ پر درود شریف بھیجنے میں ہے، یا آپ کے ذکر سیرت وغیرہ میں۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ حافظ ابن تیمیہ نے اللہ، اللہ کے ذکر منفردا کو بھی بلا اجر قرار دے دیا اور یہ ان کی بڑی غلطی ہے، اس بارے میں انوارالباری کی سابق جلد میں لکھا گیا ہے)

(۴) فرمایا:۔ مورخ ابن خلکان نے محمود غزنوی کو''امی محض'' لکھا، اور یہ بھی کہ اس کے سامنے قفال شافعی نے حنفیہ کی نماز کا ڈراما کیا۔ حنفی نماز کے لئے نبیذ سے وضو کیا، تعدیل ارکان نہ کی اور بجائے سلام کے عمداً حدث کر کے نماز ختم کر دی اس پر محمود شافعی ہو گیا، پھر کچھ عرصہ کے بعد ایک حنفی نے شافعی نماز دکھلائی، دو مٹکے پانی میں بہت سی نجاست ڈالی پھر اس سے وضو کیا اور نماز شافعی طریقہ پر پڑھی، تو وہ اس سے متنفر ہو گیا۔ ملا علی قاری وغیرہ نے جوابات لکھے ہیں حنفیہ کی طرف سے میں نے جواب دیا کہ جو باتیں حنفی نماز میں مخالفین نے دکھلائی ہیں اور ان کو نمایاں کیا ہے وہ سب فقہ حنفی میں بھی مکروہ تحریمی ہیں، لیکن فقہائے حنفیہ کی غلطی ہے کہ مکروہ کے لئے بھی جائز اور صحیح لکھ دیتے ہیں، ان کے ایسے تجوزات نے ہی اس قدر مغالطے ڈال دیئے ہیں، مثلاً ہدایہ میں لکھدیا کہ جس نے ختم نماز پر حدث عمد کیا تو نماز صحیح ہوگئی، حالانکہ وہ مکروہ تحریمی ہے، اصحاب متون صرف صحیح وجائز لکھدیتے ہیں، پھر شروح میں مکروہ تحریمی لکھا ہوا ملتا ہے۔ حافظ ابن تیمیہ نے سینکڑوں اعتراض کئے ہیں اور باقی تینوں مذاہب والے بھی اعتراض کرتے ہیں، کیونکہ ان کے یہاں فرق کیا ہے الفاظ میں۔ پس اگر فقہاء حنفیہ بھی جواز وصحت کا اطلاق کراہت پر نہ کرتے تو ہم پر بہت سے اعتراضات نہ ہوسکتے۔ ان کی اس تقصیر اور صحیح وجائز کہنے کی وجہ سے ہم پر بہت سی نصوص ممانعت کی مخالفت کا اعتراض بھی ہوا ہے، اگر مکروہ کہدیا جاتا تو وہ اعتراض نہ پڑتا۔ کیونکہ ظاہر الفاظ سے کراہت کی بھی نفی معلوم ہوتی ہے۔ دوسرا جواب میرا یہ ہے کہ طبقات شافعیہ کا درجہ گرا ہوا ہے، کیونکہ اس میں بہت ہی نادر ہے کہ کسی محدث سے کوئی نقل ہو اور طبقات حنفیہ لکھنے والا محدث ہے، اس میں ہے کہ محمود غزنوی بڑا فقیہ عالم اور حنفی تھا، اس نے مسائل حنفیہ میں کتاب بھی لکھی ہے، لہٰذا اس کو جاہل وامی لکھنے والے کی غلطی ہے، اور اس کا شافعی ہو جانا بھی غلط ہے، میں نے تینوں مذاہب کے طبقات کا مطالعہ کیا ہے، اور میرے نزدیک طبقات حنفیہ سب میں زیادہ قابل وثوق اور پچی و پکی ہے، دوسری کچی ہیں۔

افادۂ علامہ کوثریؒ: آپ نے اپنی جلیل القدر تالیف تانیب الخطیب ص ۸ لکھا کہ ایک عرصۂ مدید تک مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور حنفیہ کے باہمی تعلقات نہایت خوشگوار رہے، کیونکہ ان سب کے اصول ومبادی کا سرچشمہ واحد اور اجتہادات میں یکسانیت تھی، سب کے اندر ایک دوسرے کے ساتھ خلوص وللٰہیت تھی، اس کے بعد کچھ شرپسندوں نے جن کے پیشوا حشویہ مبتدعہ رواۃ تھے، دراندازی کر کے تعلقات بگاڑے اور فسادات کرائے، عوام کو بھڑکایا اور امام ابوحنیفہ واصحاب کے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ کیا گیا، (جیسا کہ آج کے غیر مقلدین بھی کرتے ہیں، اس کے بعد علامہ کوثریؒ نے شیخ طریقہ عراقیہ کا ذکر کیا، پھر قفال مروزی کا ذکر کیا اور لکھا کہ اس نے اپنے فتاوی میں حنفی نماز کا غلط نقشہ کھینچا تھا، اور صاحب مغیث الخلق نے یہ بھی لکھا کہ اس نے سلطان محمود غزنوی مؤلف ''التفرید فی الفقہ الحنفی'' کے سامنے حنفی نماز بھی پڑھ کر دکھائی تھی، پس اگر یہ واقعہ صحیح مان لیا جائے تو گویا ان دونوں شیوخ نے مذہب حنفی کو بدنام کرنے کے لئے یہ سب نئے ڈھنگ اختیار کئے تھے، لیکن صحیح یہ ہے کہ قفال نے صرف اپنے فتاوی میں ہی حنفی نماز کی مغالطہ آمیز تصویر دکھائی تھی اور سلطان کے سامنے نماز پڑھ کر نہیں دکھائی تھی، ورنہ اس متدین عالم بادشاہ کی طرف سے اس کو کوڑوں کی سزا ضرور ملتی۔ اور اہل بلاد کے ایک مذہب سے دوسرے کی طرف منتقل ہونے کے افسانے بھی سراسر غلط ہیں، البتہ بعض اہل علم کی روش سے ضرور حیرت ہے کہ انہوں نے مناقب شافعی میں رحلت مکذوبہ اور دوسری من گھڑت وبے سند باتیں بھی امام اعظم وغیرہ کو مطعون کرنے کے لئے چلتی کر دیں، خاص طور سے ابونعیم اور علامہ محدث بیہقی جیسے حضرات کو بھی ان کے زمرہ

میں دیکھ کر بڑی روحانی کوفت بھی ہوتی ہے، باقی ابن الجوینی شافعی، امام غزالی ورازی وغیرہ جن کو نقد روایات میں کوئی درک نہیں ہے، ان کو ایک حد تک معذور سمجھا جا سکتا ہے۔ خصوصا اس لئے بھی کہ وہ ابونعیم وبیہقی وغیرہ کی وجہ سے دھوکہ میں پڑے ہوں گے۔ الخ پوری کتاب قابل مطالعہ۔ جزی اللہ المؤلف عنا وعن سائر الامة خیر الجزاء

کتاب الاذان

(اذان کا بیان)

باب بدء الاذان وقوله تعالیٰ و اذا ناديتم الى الصلوٰة اتخذوها هزوًا ولعبا ذٰلک بانهم قوم لايعقلون و قوله تعالیٰ اذا نودی للصلوٰة من يوم الجمعة

(اذان کی ابتداء کا بیان' اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے' اور جب تم نماز کے لئے اعلان کرتے ہو تو وہ اس سے ہنسی مذاق کرتے ہیں یہ اس سبب سے کہ وہ نادان لوگ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول' جب جمعہ کے دن نماز (جمعہ) کی اذان دی جائے)

۵۷۳: حدثنا عمران بن ميسرة قال حدثنا عبدالوارث قال حدثنا خالد عن ابی قلابة عن انس قال ذكروا النار والناقوس فذكروا اليهود والنصارىٰ فامر بلال ان يشفع الاذان وان يوتر الاقامة

۵۷۴: حدثنا محمود بن غيلان قال حدثنا عبدالرزاق قال اخبرنا ابن جريج قال اخبرنی نافع ان ابن عمر كان يقول كان المسلمون حين قدموا المدينة يجتمعون فيتحينون الصلوٰة ليس ينادى لها فتكلموا يوما فی ذٰلک فقال بعضهم اتخذوا ناقوساً مثل ناقوس النصارىٰ وقال بعضهم بل بوقاً مثل قرن اليهود فقال عمر اولا تبعثون رجلاً ينادى بالصلوٰة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم يابلال قم فناد بالصلوٰة

ترجمہ ۵۷۳:۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ (نماز کے اعلان کے لئے) لوگوں نے آگ اور ناقوس تجویز کیا، پھر یہود ونصاریٰ کی طرف ذہن منتقل ہوگیا (کہ یہ باتیں وہ لوگ کرتے ہیں) تب بلال کو حکم دیا گیا کہ اذان کے کلمات دو دو مرتبہ کہیں اور اقامت کے ایک ایک مرتبہ:۔

ترجمہ ۵۷۴:۔ حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں، کہ مسلمان جب مدینہ آئے، تو نماز کے لئے، نماز کے وقت کا اندازہ کر کے جمع ہو جاتے تھے، اس وقت تک نماز کے لئے اعلان نہ ہوتا تھا، ایک دن مسلمانوں نے اس بارے میں گفتگو کی (کہ کوئی اعلان ضرور ہونا چاہئے) بعض نے کہا، کہ نصاریٰ کے ناقوس کی طرح ناقوس بنالو، اور بعض نے کہا نہیں، بلکہ یہود کے سنکھ کی طرح ایک سنکھ بنالو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، کہ کیوں نہیں ایک آدمی کو مقرر کر دیتے، کہ وہ الصلوٰۃ (الصلوٰۃ) پکار دیا کرے، پس رسول خدا ﷺ نے فرمایا، کہ اے بلال! اٹھو اور نماز کی اطلاع کر دو۔

تشریح: اذان کے معنی اطلاع اور خبر دینے کے ہیں، معروف اذان بھی چونکہ وقت نماز کی خبر دیتی ہے، اس لئے اس کو اذان کہتے ہیں، نماز اگر چہ مکہ معظمہ میں پانچ وقت کی فرض ہو چکی تھی۔ مگر وہاں اذان وغیرہ کے ذریعہ تشہیر نہ ہو سکتی تھی مدینہ طیبہ پہنچ کر جب مسلمانوں کی تعداد پہلے ہی سال میں زیادہ ہو گئی تو جماعت کے لئے اجتماع کی صورت کیا ہو، اس کے لئے حضور علیہ السلام نے صحابہ سے مشورہ کیا، اور ابتداء میں حضرت عمرؓ کی رائے سے حضرت بلالؓ کو "الصلوٰۃ جامعة" کے ذریعہ لوگوں کو خبر دینے کا حکم نبوی ملا، پھر حضرت عبداللہ بن زیدؓ کو خواب میں اذان کی موجودہ صورت اور کلمات بتلائے گئے، دوسرے صحابہ حضرت عمرؓ وغیرہ نے بھی خواب میں اسی طرح دیکھا مگر حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے سب سے پہلے حضور علیہ السلام کو خبر دی تھی، اور جب حضور علیہ السلام کے حکم سے پہلی اذان دی گئی تو حضرت عمرؓ نے اس کو سن کر بتلایا کہ میں نے بھی اسی طرح خواب دیکھا تھا۔ ایک

روایت مراسیل ابی داؤد اور مصنف عبدالرزاق کی یہ بھی ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے حضور علیہ السلام سے اپنا خواب بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تم سے پہلے وحی الٰہی بھی اسی کے مطابق آچکی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے اذان موجودہ کا فیصلہ وحی کے ذریعہ ہوا تھا، اور امام بخاریؒ نے جو ترجمۃ الباب میں پہلے دو آیتوں کو ذکر کیا، اس سے بھی اشارہ تقدم وحی کا مل سکتا ہے، دوسرے حضرات جو حضرت عبداللہ بن زیدؓ کے خواب کو سب سے مقدم کہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اس خواب کی تائید وحی کے ذریعہ ہوئی اور امام بخاری نے تقدم کی وجہ سے نہیں بلکہ تبرک کے لئے آیات ذکر کی ہیں، جس طرح ان کی عادت ہے کہ تراجم میں آیات کو استدلال یا استبراک کے لئے بھی ذکر کیا کرتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حکم اذان اور مسئلہ ترجیع

اذان نماز جماعت کے لئے سنت موکدہ ہے، شیخ ابن ہمام نے جو وجوب کا درجہ سمجھا ہے، وہ صحیح نہیں، دلائل کی تفصیل فقہ کی کتاب بحر الرائق میں موجود ہے۔ اذان کے کلمات حنفیہ کے نزدیک پندرہ ہیں، امام احمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں، امام شافعی و مالکؒ کے یہاں انیس کلمات ہیں، اس طرح کہ وہ ہر کلمہ شہادت کو پہلے دوبار آہستہ آواز سے اور پھر دوبار بلند آواز سے بتلاتے ہیں، اور یہ ترجیع کہلاتی ہیں یعنی لوٹا کر پڑھنا یہ ترجیع فرشتے کی اذان میں نہیں تھی، جس نے خواب میں حضرت عبداللہ بن زیدؓ کو اذان کی تلقین کی تھی۔ اور نہ اذان بلال میں تھی جو حضور علیہ السلام کی موجودگی میں دس سال تک بلا ترجیع کے ہوتی رہی۔ البتہ حضرت ابومحذورہؓ کی اذان میں تھی' جس کی وجہ خاص تھی، اس لئے اس کو اذان کی صفت نہیں بنا سکتے۔ باقی اگر کوئی کرلے تو گناہ بھی نہیں، مباح ہے، نہ سنت ہے نہ مکروہ (کمافی البحر) حضرت شاہ صاحبؒ نے اسی فیصلہ کو ترجیح دی ہے، اور صاحب النہر نے ترجیع کو کراہت تنزیہی قرار دیا ہے جس کو مولانا عبدالحی لکھنوی نے اختیار کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ ترجیع کا انکار یا تاویل درست نہیں کیونکہ وہ مکہ معظمہ میں رہی ہے اور حضرت امام شافعیؒ کے زمانہ تک بھی باقی تھی، اسی لئے انہوں نے اس کو اختیار کیا تھا، اور اختلاف صرف افضلیت کا ہے، جواز عدم جواز کا نہیں ہے۔

مسئلہ اقامت: امام اعظمؒ کے نزدیک اقامت بھی اذان کی طرح ہے بجز اضافت قد قامت الصلوٰۃ کے، باقی تینوں ائمہ بجز قد قامت الصلوٰۃ کے ایتار (ایک ایک بار) کے قائل اور امام مالکؒ اس کلمہ میں بھی ایتار کہتے ہیں، اس طرح ہمارے یہاں اقامت کے کلمات سترہ، امام احمد و شافعی کے نزدیک گیارہ اور امام مالک کے یہاں دس ہوئے، ہماری دلیل حضرت ابومحذورہؓ کی اقامت ہے کہ وہ ہر کلمہ کو دو دوبار کہتے تھے، اور ابوداؤد میں فرشتے کی اقامت بھی دو دوبار کی ہے اور بعض طرق میں جو ایک بار کا ذکر ہے، وہ بھی معہود دوبار پر محمول ہوگا کیونکہ واقعہ ایک ہی ہے اور امام طحاویؒ نے حضرت بلالؓ سے بھی اقامت دوبار نقل کی ہے۔ جس کو محقق امت شیخ تقی الدین بن دقیق العیدؒ نے بھی قبول کیا ہے کمافی الزیلعی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک حضرت بلالؓ سے ایتار اور ثنی دونوں ثابت ہیں، اور شیخ نورالدین طرابلسیؒ نے (جو ابن الہمام سے متاخر ہیں) ایتار کو بیان جواز پر محمول کیا ہے کیونکہ اکثر تو ثنی ہی ہوگا، کبھی کبھی ایتار بھی ہوا ہوگا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ان کے علاوہ حنفیہ میں سے کسی سے میں نے جواز ایتار کی صراحت نہیں دیکھی پھر فرمایا کہ احادیث دونوں قسم کی ثابت ہیں، اس لئے میں مثنویت کو ترجیح نہیں دے سکا اور فرمایا کہ امام بخاریؒ نے حنفیہ کی اذان اور شافعیہ کی اقامت کو اختیار کیا ہے، حنفیہ کہا کرتے ہیں کہ ہم نے اذان بلالؓ کی اور اقامت ابومحذورہؓ کی لی ہے۔ میرے نزدیک یہ ٹھیک نہیں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ہر دو چیزیں نازل من السماء فرشتے کی بھی ہیں، امام ترمذیؒ نے مستقل باب الاقامہ مثنیٰ مثنیٰ کا بھی قائم کیا ہے اور حدیث ذکر کی ہے۔ معارف السنن ص ۱۸۸/۲ میں اس پر پوری بحث کی گئی ہے۔

شیخ نورالدین، طرابلسی کا تذکرہ موجودہ کتب طبقات حنفیہ میں نہیں ملا۔ البتہ اس ضمن میں حضرت شاہ صاحبؒ نے علامہ محدث تورپشتی حنفیؒ کا بھی ذکر کیا، ان کا ذکر حدائق حنفیہ میں ہے اور مولانا عبدالحلیم چشتی دام فضلہم نے فوائد جامعہ ص ۲۰۷ میں اچھی تفصیل و تحقیق کی ہے، لیکن

ص ۲۰۹ میں جو عبارت فیض الباری سے نقل کی ہے اور اس کو حضرت علامہ کشمیریؒ کی طرف منسوب کر کے نقد کیا ہے وہاں کی شان تحقیق و وسعت مطالعہ سے بعید ہے کیونکہ "فیض الباری" حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد مرتب ہو کر شائع ہوئی ہے، جس میں بے شمار غلطیاں ہیں، جن کی حضرتؒ کی طرف نسبت صحیح نہیں، اور وہ مؤلف فیض الباری کے عدم تحقیق وتثبت اور امالی درس کے ضبط کی غلطیاں ہیں۔ اسی لئے رفیق محترم علامہ بنوری دامت برکاتہم نے مقدمہ فیض الباری میں ایسی اغلاط وتسامحات کے بارے میں تنبیہ کردی تھی تا کہ وہ حضرتؒ کی طرف منسوب نہ ہوں، مگر بہت سے حضرات مقدمہ پر نظر نہیں کرتے، یا حضرت شاہ صاحبؒ کی جلالت قدر سے ناواقف حضرات مؤلف پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کر لیتے ہیں۔ چونکہ اس قسم کی غلطی متعدد اہل علم وصاحب تالیف حضرات کر چکے ہیں۔ اس لئے اب مجھے اس صراحت کے لئے مجبور ہونا پڑا، اور پہلی فیض الباری کی اغلاط سے صرف نظر کرتا تھا، اب مجبوری وضرورت سے اہم مواضع میں نشان دہی کے ساتھ غلطیوں پر تنبیہ بھی کرنے لگا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ اپنی وسعت علم وفضل کے لحاظ سے نمود سلف تھے، اور درس میں نہایت اختصار کے ساتھ بقدر ضرورت اور طلبہ کی محدود استعداد کے مطابق بولتے تھے اور اپنی مکمل ومدلل تحقیقات کے لئے فرمایا کرتے تھے کہ میری یادداشتوں کے تین بکس گھر پر ہیں، یقیناً درس میں جتنا وہ فرماتے تھے، وہ بھی اس دور کے ہر درس حدیث پر فائق تھا، مگر تالیف کا میدان بڑا وسیع ہے، اس کے لئے حضرتؒ کی یادداشتوں کی بھی ضرورت تھی، جو افسوس ہے کہ گھر والوں کی ناقدری کے سبب ضائع ہو گئیں۔ مقدرات میں کسی کا چارہ نہیں۔ ان یادداشتوں میں حضرتؒ کی چالیس سالہ تحقیقات عالیہ نادرہ موجود تھیں، اور اب جو کچھ ہمارے پاس ہیں اس کی حیثیت "جہد المقل دموعہ" سے زیادہ نہیں ہے۔ والی اللہ المشتکی.

باب الاذان مثنٰی مثنٰی

اذان کے الفاظ دو دو بار کہنے کا بیان

۵۷۵: حدثنا سلیمان بن حرب قال حدثنا حماد بن زید عن سماک ابن عطیة عن ایوب عن ابی قلابة عن انسؓ قال امر بلال ان یشفع الاذان وان یوتر الاقامة

۵۷۶: حدثنا محمد ھوا بن سلام قال حدثنا عبدالوھاب الثقفی قال حدثنا خالد ن الحذآء عن ابی قلابة عن انس بن مالک قال لما کثر الناس قال ذکروا ان یعلموا وقت الصلوٰة بشی یعرفونہ فذکروا ان یوروا نارا او یضربوا ناقوسا فامر بلال ان یشفع الاذان وان یوتر الاقامة

ترجمہ ۵۷۵: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت بلالؓ کو یہ حکم دیا گیا تھا، کی اذان (میں) جفت (کلمات) کہیں، اور اقامت (میں) سوائے قد قامت الصلوٰة کے طاق رکھیں:۔

ترجمہ ۵۷۶: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ جب لوگ زیادہ (مسلمان) ہوئے، تو انہوں نے تجویز کی کہ نماز کے وقت کی کوئی ایسی علامت مقرر کر دیں، جس سے وہ پہچان لیا کریں (کہ اب نماز تیار ہے) لہٰذا بعض نے کہا، کہ آگ روشن کر دیں، یا ناقوس بجا دیں، تو بلالؓ کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان (میں) جفت (کلمات) کہیں، اور اقامت میں طاق۔

تشریح: اس باب میں امام بخاریؒ نے اذان کے بارے میں حنفیہ کی موافقت کی ہے، جس کی تفصیل ہم پہلے کر چکے ہیں۔

باب الاقامة واحدة الا قوله' قدقامت الصلوٰة

۵۷۷:حدثنا علی بن عبدالله قال حدثنا اسماعیل بن ابراهیم قال حدثنا خالد الحذآء عن ابی قلابة عن انسؓ قال امر بلال ان یشفع الاذان و ان یوتر الاقامة اسمٰعیل فذکرته لایوب فقال الا الاقامة

ترجمہ: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں، کہ بلال کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان (میں) جفت (کلمات) کہیں، اور اقامت (میں) طاق اسمٰعیل (راوی حدیث) کہتے ہیں میں نے ایوب سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا (ہاں) اقامت اکہری ہونی چاہیے، البتہ قد قامت الصلوۃ (دومرتبہ کہا جائے)

تشریح: امام بخاریؒ نے اقامت کے بارے میں شافعیہ کی موافقت کی ہے، اس کی تفصیل اور دلیل بھی پہلے ذکر ہوئی۔

باب فضل التاذین

۵۷۸:حدثنا عبدالله بن یوسف قال اخبرنا مالک عن ابی الزنادعن الاعرج عن ابی هریرة ان النبی صلی الله علیه وسلم قال اذانودی للصلوٰة ادبر الشیطان له' ضراط حتیٰ لایسمع التاذین فاذا قضی النداء اقبل حتیٰ اذاثوب بالصلوٰة ادبر حتی اذا قضی التثویب اقبل حتی یخطربین المرء و نفسه یقول اذکر کذااذکر کذالما لم یکن یتکر حتیٰ یظل الرجل لایدریٰ کم صلے

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب نماز کی اذان کہی جاتی ہے، تو شیطان پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہے (اور مارے خوف کے) وہ گوز مارتا جاتا ہے، اور اس حد تک بھاگتا چلا جاتا ہے کہ، اذان کی آواز نہ سنے جب اذان ختم ہو جاتی ہے، تو پھر واپس آجاتا ہے، یہاں تک کہ جب نماز کی اقامت کہی جاتی ہے، تو پھر پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہے، حتیٰ کہ جب اقامت ختم ہو جاتی ہے تو پھر واپس آجاتا ہے، تاکہ آدمی کے دل میں وسوسے ڈالے، کہتا ہے کہ فلاں بات یاد کر فلاں بات یاد کر، وہ (تمام) باتیں جو اس کو یاد نہ تھیں (یاد دلاتا ہے) یہاں تک کہ آدمی بھول جاتا ہے، کہ اس نے کس قدر نماز پڑھی:۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بظاہر اذان کی فضیلت نماز سے بھی بڑھی ہوئی معلوم ہوتی ہے، مگر واقعہ یہ کہ ہر عمل کے خواص الگ ہوتے ہیں، اذان میں چونکہ اعلان ہے شہادتین کا اور احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ موذن کی شہادت کی گواہی ہر خشک و تر چیز اور جن وانس دیں گے، شیطان کو یہ گوارانہیں کہ کوئی بھی کسی مومن کے ایمان وشہادت کی گواہی دے، چہ جائیکہ ساری مخلوق موذن کے لئے گواہ بنے گی، اس لئے وہ اذان سن کر بری طرح خائب وخاسر اور ذلیل ورسوا ہوتا ہے، اور اس کو سننے کی تاب نہ لا کر اس سے اتنی دور بھاگتا ہے کہ آواز نہ سن سکے۔ مسلم شریف وغیرہ میں ہے کہ روحا تک چلا جاتا ہے جو مدینہ سے ۳۶ میل دور ہے۔ لیکن نماز کے اندر اگر چہ وہ افضل عبادات ہے یہ خاصہ نہیں ہے، کیونکہ وہ خدا کی مناجات وسرگوشی ہے، اس میں اعلان کی صورت نہیں، اس لئے شروع ہوتے ہی شیطان لوٹ آتا ہے اور اس میں طرح طرح سے خلل اندازی کرتا ہے، وسوسے ڈالتا ہے، خیالات کو افعال صلوۃ سے ہٹا کر ادھر ادھر کرنے کی سعی کرتا ہے، حتیٰ کہ جو بات یاد کرنے سے بھی یاد نہ آتی ہو، نماز میں اس کو بھی یاد دلا دیتا ہے، اور اسی لئے امام اعظمؒ کا واقعہ ہے کہ کوئی شخص گھر کا اپنا دفینہ بھول گیا، کسی طرح یاد نہ آتا تھا کہ کس جگہ دفن کیا ہے۔ امام صاحب سے عرض کیا، آپ نے فرمایا گھر جا کر رات بھر نفلیں پڑھ اور خیال رکھنا کہ بجز نماز کے اور کسی دنیا کی بات کی طرف دھیان ہرگز نہ ہو، اس نے اس طرح کیا تو شیطان نے یہ سوچ کر کہ یہ تو ساری نفلیں اور وہ بھی اس شان سے پڑھ کر جو امام صاحب نے بتلائی ہیں، خدا کا ایک ہی رات میں مقرب ترین بندہ بن جائے گا، اس کو جلد ہی وہ دفینہ کی جگہ یاد دلا دی، اور اس نے نماز ختم

کر کے اس جگہ کو کھودا تو وہ دفینہ نکل آیا۔ امام صاحبؒ کی اس منقبت کے واقعہ کو حافظ ابن حجرؒ نے بھی فتح الباری ص ۲/۵۸ میں قولہ لـمـا لـم یکن یذکر کے تحت ذکر کیا ہے، جس کو نقل کر کے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حافظ کا بھی عجیب حال ہے کہ جب مسائل فقہی کی ابحاث آتی ہیں تو حنفی مسلک کی سخت مخالفت کرتے ہیں اور رجال حنفیہ کو بھی گرانے کی سعی ہمیشہ کرتے ہیں، اور امام صاحب کی بزرگی و بڑائی ثابت کرنے کے لئے ایسی چیزوں کا ذکر کرتے ہیں جو علوم امام اعظم کے مقابلے میں کچھ بھی اہمیت نہیں رکھتیں۔

باب رفع الصوت بالندآء وقال عمر بن عبدالعزیز اذن اذاناً سمحاً والا فاعتزلنا

(اذان میں آواز بلند کرنے کا بیان، اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے (اپنے موذن سے) کہا تھا' کہ صاف اور سیدھی اذان کہو ورنہ دور ہو جاؤ)

حافظ نے اذان کی فضیلت کے بارے میں ۵۔۱۶ اقوال ذکر کئے ہیں اور علامہ عینیؒ نے بھی اذان و موذن کی فضیلت میں بہت سی احادیث ذکر کی ہیں۔ (فتح ص ۲/۵۸، عمدہ ص ۲/۶۲)

حافظ نے علامہ ابن الجوزی کا یہ قول بھی ذکر کیا کہ اذان کے لئے خاص ہیبت و رعب ہوتا ہے جس سے شیطان سخت ہیبت زدہ ہو کر بھاگتا ہے کیونکہ اذان ایسی عبادت ہے جس میں کوئی ریا اور غفلت نہیں ہوتی شیطان کے دور ہونے کی وجہ سے، بخلاف نماز کے کہ اس میں شیطان کی دراندازی کے سبب غفلت، ریا اور انواع واقسام کے وساوس ہجوم کرتے ہیں۔

حافظ عینیؒ نے یہ حدیث بھی نقل کی کہ جب کسی بستی میں اذان دی جاتی ہے تو اس دن میں وہ بستی عذاب الٰہی سے محفوظ رہتی ہے، آخر میں حدیث ارشاد للائمہ ومغفرت للمؤذنین ذکر کر کے لکھا کہ اس کی وجہ سے امام شافعیؒ نے اذان کو امامت سے افضل قرار دیا ہے، مگر ہمارے نزدیک امامت افضل، ہے کیونکہ وہ نبی کریم ﷺ کا وظیفہ ہے،

افادات شیخ الحدیث دام ظلہم

آپ نے اوجز ص ۱/۱۸۳ میں لکھا: ۔حدیث نبوی سے بعض سلف نے اذان غیر وقت صلوۃ بھی دفع اثرات شیاطین و جنات کے لئے ثابت کی ہے، مسلم شریف میں سہیل بن ابی صالح کی روایت ہے، جس میں انہوں نے کسی نظر نہ آنے والے کی آواز سننے کا ذکر اپنے والد ماجد سے کیا تو فرمایا کہ جب ایسی کوئی آواز سنو تو اذان کہو۔

علامہ ابن عبدالبرؒ نے امام مالکؒ سے نقل کیا کہ زید بن اسلم، معدن بنی سلیم پر عامل بنا کر بھیجے گئے، جہاں لوگوں کو جن ستاتے تھے، جب ان لوگوں نے شکایت کی تو حضرت زیدؓ نے ان کو بلند آواز سے اذان دینے کا مشورہ دیا، انہوں نے ایسا کیا تو پھر ان کو جنوں نے نہیں ستایا۔ حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھوت پریت کا ذکر کیا گیا تو آپ نے بھی اذان کا ہی مشورہ دیا۔

سعایہ میں ہے کہ اذان کی اصل وضع تو نماز ہی کے لئے تھی، پھر وہ دوسرے مواضع میں بھی مستعمل ہوئی، مثلاً ولادت مولود پر دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت مسنون ہوئی، جن، بھوت پریت کا جہاں اثر ہو وہاں بھی اذان دی جاتی ہے، جب سواری کا جانور سرکشی کرے یا کسی بدکردار، بداخلاق آدمی سے واسطہ پڑے تو اس کے کان میں اذان دی جائے، غم زدہ، مرگی کے مریض اور غضبناک آدمی کے لئے بھی اذان اس کے کان میں دینا مفید ہے، لڑائی کے میدان میں جنگ کے وقت، آگ لگ جانے پر اور جنگل میں راستہ گم ہو جانے پر بھی اذان دینی چاہیے۔ علامہ ابن عابدین شامی نے دس مواقع شمار کئے ہیں۔

۵۷۹: حدثنا عبداللہ بن یوسف قال اخبرنا مالک عن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی صعصعة الانصاری ثم المازنی عن ابیہ انہ اخبرہ ان اباسعید ن الخدری قال لہ انی اراک تحب الغنم والبادیة فاذا کنت فی غنمک اوبادیتک فاذنت للصلوٰة فارفع صوتک بالندآء فانہ لا یسمع مدی صوت المؤذن جن ولاانس ولاشی الاشھد لہ یوم القیٰمة قال ابوسعید سمعتہ من رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰنؒ روایت کرتے ہیں کہ ان سے ابوسعید خدریؓ نے کہا، کہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم بکریوں اور جنگل کو پسند کرتے ہو (تو میری ایک نصیحت کو یادرکھو) جب تم اپنی بکریوں (کے گلہ) میں یا اپنے جنگل میں ہو، اور نماز کے لئے اذان کہو، تو اذان دیتے وقت اپنی آواز بلند کرو، اس لئے کہ مؤذن کی آواز کو جوکوئی جن یا انس یا اور کوئی سنے گا تو وہ اس کے لئے قیامت کے دن گواہی دے گا، ابو سعدی کہتے ہیں کہ میں نے یہ رسول خدا ﷺ سے سنا تھا۔

تشریح: حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے سادہ اور رواں اذان کی تلقین فرمائی تا کہ اس میں تصنع اور تغنی کی کیفیت پیدا نہ ہو، جس سے خشوع و خضوع جاتا رہتا ہے۔ بلند آواز کرنے سے نہیں روکا کیونکہ وہ تو مطلوب ہے۔ اسیلئے رفع صوت کا حکم جنگل کی اذان میں بھی وارد ہوا، جبکہ وہاں انسان نہ ہوں کیونکہ وہاں بھی جہاں تک آواز پہنچتی ہے، اس کو سننے والے قیامت میں گواہی دیں گے۔ اور موطأ امام مالک میں تو یہ حدیث بھی ہے جو شخص جنگل میں نماز پڑھے تو اس کے دائیں بائیں ہوکر فرشتے بھی ساتھ نماز پڑھتے ہیں، اور اگر اذان و اقامت کہہ کر نماز پڑھے تو اس کے پیچھے پہاڑوں کے برابر کثیر تعداد میں فرشتے جمع ہوکر نماز پڑھتے ہیں۔ (اوجز ص ۱/۱۹۵)

علامہ باجیؒ نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا جماعت کبیرہ وصغیرہ کے ثواب میں فرق ہے، اور مالکیہ سے جو نقل ہوا کہ ایک شخص اور جماعت کثیرہ کا ثواب برابر ہے، وہ مرجوح ہے، لہٰذا ائمہ ثلاثہ کا مسلک مذکورہ بالا راجح ہے ('') حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ابوداؤد باب فضل المشی الی الصلوة میں بھی حدیث ہے کہ نماز جماعت کا ثواب پچیس گنا ہے اور اگر جنگل میں رکوع وسجود اچھی طرح کر کے پڑھے تو پچاس گنا ثواب ملے گا۔ لیکن یہ امر اتفاقی صورت کے لئے ہے کہ کسی ضرورت سے جنگل جائے یا سفر میں ہو تو ثواب زیادہ حاصل ہوگا یہ نہیں کہ بے ضرورت آبادی کی مساجد جماعت ترک کر کے زیادہ ثواب کے خیال سے جنگل کا رخ کرے اگر ایسا ہوتا تو سلف سے ضرور منقول ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی یہی تحقیق کی ہے۔

باب ما یحقن بالاذان من الدمآء

(اذان سن کر قتال وخونریزی سے رک جانا)

۵۸۰: حدثنا قتبة قال ثنا اسمٰعیل بن جعفر عن حمید عن انس عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم انہ کان اذا غزابنا قوماً لم یکن یغیر بناحتیٰ یصبح وینتظر فان سمع اذا ناکف عنھم وان لم یسمع اذانا اغار علیھم قال فخرجنا الیٰ خیبر فانتھینا الیھم لیلا فلما اصبح ولم یسمع اذانا رکب ورکبت خلف ابی طلحة و ان قدمی لتمس قدم النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال فخرجوا الینا بمکاتلھم ومساحیھم فلما راوالنبی صلے اللہ علیہ وسلم قالوا محمد واللہ محمد والخمیس قال فلمارٰاھم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال اللہ اکبر اللہ اکبر خربت خیبر انآ اذا نزلنا بساحة قوم فسآء صباح المنذرین

ترجمہ: حضرت انسؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جب آپ ہمارے ساتھ کسی قوم سے جہاد کرتے تو ہم سے لوٹ مار نہ کرواتے

تھے، یہاں تک کہ صبح ہو جاتی، اور آپ انتظار کرتے۔ اگر اذان سن لیتے، تو ان لوگوں (کے قتل) سے رک جاتے اور اگر اذان نہ سنتے تو ان پر حملہ کرتے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں، ہم خیبر کی طرف (جہاد کو) نکلے تو ہم رات کو ان کے قریب پہنچے، جب صبح ہوگئی، اور آپ نے اذان نہ سنی، تو سوار ہو گئے، اور میں ابوطلحہؓ کے پیچھے سوار ہو گیا میرا پیر نبی کریم ﷺ کے پیر کو چھو رہا تھا، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ خیبر کے لوگ اپنے تھیلے اور پھاوڑے لئے ہوئے ہماری طرف آئے اور جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا، تو کہنے لگے کہ "محمد اللہ کی قسم محمد اور اس کا لشکر" (آگئے) حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب ان کو رسول خدا ﷺ نے دیکھا تو فرمایا، کہ اللہ اکبر! اللہ اکبر! خیبر برباد ہو گیا، بے شک جب ہم کسی قوم کے میدان میں (بقصد جنگ) اترتے ہیں، تو ان ڈرائے ہوؤں کی صبح خراب ہو جاتی ہے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ جس طرح اسلام کا اظہار قول اور شہادت توحید ورسالت سے ہوتا ہے، اسی طرح ہمارے نزدیک عمل سے بھی ہوتا ہے، چنانچہ کسی کافر اصلی کو اگر اذان پڑھتے سنیں گے خواہ وہ شہادتین ادا نہ کر رہا ہو تب بھی اس کو قتل کرنا جائز نہ ہوگا، پھر جب تک اس سے کوئی کفر کا عمل نہ دیکھیں گے اس کو مسلمان ہی سمجھیں گے۔ نماز کے بارے میں اختلاف ہے کہ اگر جماعت کے ساتھ پڑھتے دیکھا تو اس کو بھی قتل کرنا جائز نہ ہوگا ورنہ جائز ہوگا۔ وجہ یہ کہ اذان قولی شہادت ہے اور یہ عملی۔ لہٰذا شبہ پڑ گیا جو نماز جماعت کی وجہ سے رفع ہو گیا۔

قوله و ان قدمي لتمس قدم النبي عليه السلام

حضرتؒ نے فرمایا کہ پہلے بخاری ص۵۳ میں بجائے قدم کے فخذ روایت کیا گیا ہے، اور وہاں بحث ہو چکی ہے، انوار الباری ص۱۶۵/۹ میں تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔

باب ما يقول اذا سمع المنادى

(اذان سنتے وقت کیا کہنا چاہئے)

۵۸۱: حدثنا عبدالله بن يوسف قال اخبرنا مالک عن ابن شهاب عن عطآء بن يزيد الليثي عن ابي سعيد الخدري ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اذا سمعتم الندآء فقولوا مثل مايقول المؤذن

۵۸۲: حدثنا معاذ بن فضالة قال حدثنا هشام عن يحيىٰ عن محمد بن ابراهيم ابن الحارث قال حدثني عيسىٰ بن طلحة انه' سمع معاوية يوماً فقال بمثله اليٰ قوله واشهد ان محمداً رسول الله

۵۸۳: حدثنا اسحٰق قال حدثنا وهب بن جرير قال حدثنا هشام عن يحيىٰ نحوه' قال يحيىٰ و حدثني بعض اخواننا انه' قال لما قال حي على الصلوٰة قال لاحول ولاقوة الا بالله و قال هكذا سمعنا نبيكم صلے الله عليه وسلم يقول

ترجمہ ۵۸۱: حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا جب تم اذان سنو تو اسی طرح کہو، جس طرح مؤذن کہہ رہا ہو

ترجمہ ۵۸۲: حضرت عیسیٰ بن طلحہ روایت کرتے ہیں، کہ میں نے ایک دن حضرت معاویہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ انہوں نے اشهد ان محمداً رسول الله تک اسی طرح کہا جس طرح مؤذن نے کہا:۔

ترجمہ ۵۸۳: یحییٰ اسی کی مثل روایت کرتے ہیں اور یحییٰ کا بیان ہے کہ مجھ سے میرے بعض بھائیوں نے بیان کیا، کہ مؤذن نے جب حی على الصلوٰة کہا تو معاویہؓ نے لاحول ولا قوة الا بالله، کہا، اور کہا، کہ میں نے تمہارے نبی ﷺ کو اسی طرح کہتے ہوئے سنا ہے۔

تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ جواب اذان میں تین صورتیں ہیں، بعینہ وہی کلمات ادا کرے جو مؤذن کہتا ہے حی علی الصلوٰۃ پر لاحول پڑھے اور حی علی الفلاح پر بھی۔ باقی کلمات مؤذن کی طرح کہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح پر یہ کلمات بھی کہے اور لاحول بھی پڑھے۔ اس قول کو شیخ ابن ہمام حنفیؒ نے اختیار کیا ہے اور اس کو انہوں نے بعض مشائخ کی طرف بھی منسوب کیا ہے، غالباً مراد حضرت شیخ اکبرؒ ہیں، جن کے وہ معتقدین میں سے ہیں۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ میں نے تقریباً پندرہ سال تک اسی پر عمل کیا، پھر مجھے اس امر کے لئے انشراح ہوا کہ شارع کا مقصد تخییر ہے، جمع نہیں، اور یہی دوسرے اذکار میں بھی سنت ہے، کہ اذکار ماثورہ میں سے کبھی کسی کو اختیار کرلے اور کبھی دوسرے کو، لہٰذا جمع کا قول صرف شیخ اکبرؒ کا ہے، جس کو ابن ہمام نے بھی اختیار کیا ہے۔ حافظؒ نے علامہ محدث ابن المنذرؒ سے نقل کیا کہ شاید یہ اختلاف اباحت کا ہو کہ کبھی حی علی الصلوٰۃ و حی علی الفلاح پر مؤذن کی طرح ان ہی کو دہرا دے اور کبھی ان دونوں کو سن کر لاحول پڑھے، (فتح الباری ص ۶۱/۲) حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک حدیث[1] میں یہ بھی مروی ہے کہ حضور علیہ السلام مؤذن کی شہادت سن کر وانا وانا فرمایا کرتے تھے۔

ان متعدد روایاتِ مختلفہ سے حضرت کا رجحان یہی ہوا کہ شارع کی طرف سے تخییر کا اشارہ ہے، اور مولانا عبدالحئیؒ نے السعایہ (حاشیہ شرح وقایہ) میں حافظ ابن تیمیہؒ کی رائے بھی منہاج السنہ سے اسی کے موافق نقل کی ہے، ان کی تعبیر یہ ہے کہ جہاں احادیث میں مختلف وجوہ ماثور ہیں، وہاں کبھی تو اختلاف تضاد کا ہوتا ہے اور کبھی اختلاف تنوع کا ہوتا ہے، تنوع کی صورت میں تخییر ہوگی کہ ہر روایت پر عمل درست ہوگا، تضاد کی صورت میں ایک پر عمل جائز اور دوسرے پر نادرست۔

اختلاف تنوع میں قراءت کا اختلاف، تشہد کا تنوع، صفات استعاذہ کا تعدد، انواع ادعیہ و اذکار، اور نماز نفل میں قیام و تعوذ وغیرہ ذکر کی ہیں۔ البتہ حافظ ابن تیمیہ نے ادعیہ (اذکار ماثورہ متنوعہ میں یہ تفرد کیا ہے کہ جمع بین الاذکار والادعیہ کو وہ خلاف سنت کہتے ہیں، حالانکہ جب وہ سب باوقات مختلفہ حضور اکرم ﷺ سے ماثور ہیں تو ان کو ایک جگہ اور ایک وقت میں جمع کرنا بدعت کیسے ہو جائے گا۔

بدعت وسنت کا فرق

فتح الملہم ص ۴۰۶/۳ میں حدیث "کل بدعۃ ضلالۃ" کے تحت نہایت مفید بحث درج ہوئی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:۔ حضرت ملا علی قاریؒ نے فرمایا کہ یہاں بدعت سے مراد بدعت سیئہ ہے، کیونکہ حدیث "من سن سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل بھا" سے ثابت ہوا کہ نیا طریقہ حسن بھی ہوتا ہے جیسے حضرت ابوبکر و عمرؓ کا جمع قرآن وغیرہ علامہ نوویؒ نے لکھا شرعاً بدعت ہر وہ فعل ہے جس کی کوئی اصل عہد نبوت میں نہ ملتی ہو، اور کل بدعۃ ضلالۃ عام مخصوص ہے اسی لئے شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے آخر کتاب القواعد میں لکھا کہ بعض بدعت واجب ہوتی ہیں جیسے علم نحو کا سیکھنا فہم کلام اللہ کے لئے، یا علم اصول فقہ، علم کلام، فن جرح و تعدیل کا حاصل کرنا۔ بعض بدعت حرام ہیں، جیسے جبریہ، قدریہ، مرجئہ، مجسمہ کے نظریات کہ ان کا رد بھی بدعات واجبہ میں سے ہے کیونکہ حفاظت شریعت فرض کفایہ ہے۔ بعض بدعت مستحب ہیں، جیسے سرحدات دارالاسلام یا مدارس اسلامیہ کا قائم کرنا اور دوسری وہ سب بہتر مفید چیزیں جو صدر اول میں نہ تھیں جیسے نماز تراویح عام جماعت کے ساتھ اور دقائق صوفیہ میں کلام وغیرہ بعض بدعات مکروہ ہیں جیسے مساجد کی تزئین یا مصاحف کی تزویق، عند الشافعیہ، (وہ عندالحنفیہ مباح ہیں) بعض بدعات مباح ہیں، جیسے نماز صبح و عصر کے بعد مصافحہ عندالشافعیہ (عندالحنفیہ مکروہ ہے) یا جیسے طعام ولباس و

---

[1] اس موقع پر فیض الباری ص ۱۶۴/۲ میں مسلم ص ۱۶۷ کا حوالہ حضرتؒ کی طرف غلط منسوب ہوا ہے، کیونکہ حضرتؒ نے صرف ایک حدیث کا حوالہ بغیر نام کتاب کے دیا تھا، اور وہ حدیث مسلم میں نہیں بلکہ ابوداؤد ص ۷۷/۱ میں ہے۔ اگر مؤلف فیض الباری ضبط میں غلطی نہ کرتے یا پھر مراجعت کرکے حوالہ کی تخریج کر لیتے تو یہ غلطی حضرتؒ کی طرف منسوب نہ ہوتی۔ واللہ المستعان (مؤلف)

مساکن کے تکلفات وتوسعات امام شافعی کا ارشاد یہ ہے کہ جونئی چیزیں کتاب، سنت، اثر واجماع کے مخالف ہیں وہ بدعت وگمراہی ہیں۔ اور جو بہتر امور ہیں اور ان کے مخالف بھی نہیں ہیں وہ مذموم نہیں ہیں۔ حضرت عمرؓ نے قیام رمضان کو "نعمت البدعۃ ہذہ" فرمایا تھا، علامہ شاطبی نے شیخ موصوف کی اس تقسیم پر ردوقدح بھی کی۔ جس کی مراجعت علماء کے لئے مفید ہے۔ تاہم علامہ عثمانیؒ نے بطور حاصل بحث کے لکھا کہ اصل الاصول بدعت وسنت کے بارے میں ارشاد نبوی "من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منه فھو رد" ہے، اور مراد امر سے دینی ہے، لہٰذا ہر نئی بات رد نہ ہوگی بلکہ صرف وہ امور ہوں گے جو دین میں بطور اضافہ کے ہوں گے، لہٰذا اس سے توسع مطاعم ومراکب وغیرہ امور مباحہ خارج ہوں گے، اور وہ رسول بھی جو علی وجہ التقرب وحصول ثواب نہ ہوں۔ اور مالیس منه سے ثابت ہوا کہ جن امور کے لئے کتاب، سنت نبوی، سنت خلفائے راشدین وتعامل سلف یا اجتہاد معتبر میں کوئی اصل نہ ہو صرف وہ بدعت شرعیہ میں داخل ہوں گے الخ آگے ص ۲/۱۷۰ تک مزید تفصیل وتشریح ہے اور سب ہی لائق مطالعہ ہے۔

لہٰذا آج کل جو سلفی حضرات ہر چیز پر بلاوجہ بدعت وشرک کا حکم لگا دیتے ہیں، وہ درست نہیں، جس طرح اہل بدعت بہت سی رسوم مروجہ غیر شرعیہ کو بھی بدعت سے خارج کرتے ہیں، یہ دونوں طریقے افراط وتفریط کے ہیں۔

فرض نمازوں کے بعد دعا کا مسئلہ

علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاوی جلد اول میں دو جگہ اور حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں اس دعا کو خلاف سنت قرار دیا ہے، فرق یہ ہے کہ علامہ نے امام ومقتدی کے لئے تو دعا بعد الصلوۃ کو خلاف سنت کہا اور کہا کہ اصحاب امام شافعی واحمد نے امام ومقتدی کے لئے بعد نماز کے دعا کو جو لکھا ہے وہ خلاف سنت ہے۔ مگر منفرد کے لئے اس کو خلاف سنت نہیں قرار دیا بلکہ صراحت کردی کہ اگر منفرد نماز کے بعد دعا کرے گا تو یہ خلاف سنت نہ ہوگا۔ (فتاوی ص ۱/۲۰۴)

حافظ ابن قیم نے اگرچہ یہ لکھا ہے کہ جس طرح میرے استاذ ابن تیمیہ نے دعا قبل السلام کو ترجیح دی ہے، میں نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، مگر انہوں نے اپنے استاذ کے خلاف دعاء بعد السلام من الصلوۃ مستقبل القبله کو خواہ وہ منفرد سے ہو یا امام ومقتدی سے، سب ہی کو خلاف سنت کہا ہے، ملاحظہ ہو فتح الملہم ص ۱/۱۷۵، اس فرق کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی۔

حافظ کا نقد: آپ نے فتح الباری میں لکھا کہ ابن قیم کا مطلقاً نفی دعا بعد السلام کا دعوے مردود ہے، کیونکہ حضرت معاذ ابن جبلؓ کو حضور علیہ السلام نے بعد نماز دعا کی تاکید فرمائی تھی، اور خود حضور علیہ السلام سے بھی دعا بعد الصلوۃ مروی ہے حافظ نے ان احادیث کی تخریج وتصحیح بھی کی ہے، پھر دعا میں ہاتھ اٹھانے کو بھی ثابت کیا ہے، اور دعا کے بعد چہرہ پر ہاتھوں کے پھیرنے کو بھی احادیث سے ثابت کیا ہے اور محدث منذری ونووی کی تحقیق کا بھی حوالہ دیا ہے (فتح الملہم ص ۲/۱۷۵)

واضح ہو ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے کہ غالباً حافظ کو علامہ ابن تیمیہ کے فتاوی نہیں ملے، ورنہ وہ ابن قیم کے ساتھ ان کا بھی رد کرتے، جیسا کہ دوسرے بہت سے عقائد وکلام کے مسائل میں علامہ کا نام لے کر ان کا قوی ومستحکم رد کیا ہے۔ اعلاء السنن ص ۱۹۹/۳ تا ۳/۲۱۷ میں وہ سب احادیث جمع کردی گئی جن سے اجتماعی دعاء بعد الصلوۃ، رفع یدین فی الدعاء، اور مسح الوجہ بعد الدعاء سب امور کا اثبات ہوتا ہے، اور کئی جگہ حافظ ابن قیم کا رد کیا گیا ہے، (ابن تیمیہ کا ذکر ان سے بھی رہ گیا ہے)

افادۂ انور: حضرتؒ نے فرمایا: ترمذی شریف میں نمازوں کے بعد تسبیح واذکار کا باب باندھا گیا ہے، اور علامہ جزری نے حصن حصین میں، علامہ نووی نے الاذکار میں اور محدث ابن السنی نے بھی عمل الیوم واللیلہ میں بعد نماز کے اذکار جمع کئے ہیں، اور جامع صغیر میں حدیث

ہے کہ فرض نماز کے بعد دعا قبول ہوتی ہے، لیکن حدیث میں ادبار الصلوۃ ہے، جس کو علامہ ابن تیمیہؒ نے بعد التشہد وقبل السلام پر محمول کیا ہے اوران کا مسلک یہ ہے کہ نماز کے اندر دعا ہو، بعد نماز کی دعا کے وہ منکر و مخالف ہیں حالانکہ احادیث تسبیح ادبار صلوۃ میں نماز کے بعد ہی کی تسبیحات مراد ہیں کہ فاذا صلیتم فقولوا سبحان اللہ الخ وارد ہے۔اور بخاری کی کتاب الدعوات میں بھی دبر کل صلوۃ اور کتاب الصلوۃ میں خلف کل صلوۃ اور حدیث ابی ذر میں اثر کل صلوۃ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب نماز کے بعد کے لئے ہے، نماز کے اندر سے متعلق نہیں ہے۔

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ فرض نمازوں کے بعد اگر چہ بہ ہیئت اجتماعیہ، ہاتھ اٹھا کر دعا ماثور نہیں ہے، لیکن حضور علیہ السلام سے نافلہ کے بعد تو ثابت ہے، جیسے نماز استسقاء کے بعد اور بیت ام سلیم کی نماز کے بعد۔دوسرے یہ کہ ہاتھ اٹھا کر دعا کے لئے قولی ترغیبات بھی حضور علیہ السلام سے ثابت ہیں، لہٰذا اس جیسے معاملہ میں بدعت کا حکم لگا دینا صحیح نہ ہوگا۔یعنی ہماری موجودہ ہیئت کذائی والی دعا بعد الصلوٰۃ کو اگر سنت بایں معنی نہ بھی کہیں کہ بعینہ اس کا ثبوت حضور علیہ السلام سے نہیں ہوا تب بھی اس کو بدعت نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس کی اصل دین میں موجود ہے اور بدعت وہ ہے، جس کی اصل دین میں موجود نہ ہو۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ اذان دینا بھی خود حضور علیہ السلام کے فعل سے ثابت نہیں ہے، البتہ اس کے لئے فضیلت وغیرہ کے ارشادات ثابت ہیں، اس لئے اس کو بھی بدعت یا خلاف سنت نہیں کہہ سکتے اور اسی طرح چاشت کی نماز کہ اس کی فضیلت بھی بکثرت احادیث سے ثابت ہے اگر چہ خود حضور علیہ السلام کے فعل سے اس کا ثبوت کم ہے اسی لئے اس کو بھی بعض لوگوں نے بدعت کہہ دیا ہے۔

لہٰذا اگر فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کا التزام بھی کیا جائے تو وہ حضور علیہ السلام کی قولی ترغیبات کے تحت آتا ہے اگر چہ خود اس کو حضور نے کثرت سے نہیں کیا ہے اس کو خوب سمجھ لو۔

ترمذی باب ما یقول اذا سلم کے تحت حضرتؒ نے فرمایا کہ شیخ ابن الہمامؒ نے فرض کے بعد متصلاً سنن کی ادائیگی کو ترجیح دی ہے اور اذکار کو بعد الرواتب رکھا ہے، اور اذکار ماثورہ کے بارے میں یہ بھی لکھا کہ حضور علیہ السلام سے اذکار بعد الصلوٰۃ بہ کثرت ثابت ہیں۔اس لئے بظاہر وہ کبھی کوئی ذکر اختیار فرماتے تھے، کبھی دوسرا، اور ایک وقت میں سب کو جمع نہ فرماتے ہوں گے۔

علامہ بنوری دام فضلہم نے لکھا کہ شیخ ابن ہمامؒ کی تحقیق نقل کرنے کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو بھی ان ہی کی تحقیق زیادہ پسند تھی، اور فرض ورواتب کے درمیان فصل اذکار کو مرجوح سمجھتے تھے، بخلاف اس کے حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ میں اذکار کثیرہ ذکر کر کے ان کو قبل رواتب کے اولیٰ قرار دیا ہے، ان کی تحقیق دل کو نہیں لگتی۔(معارف ص ۳/۱۱۸)

علامہ موصوف نے بھی دعا بعد الصلوٰۃ کے لئے تنبیہ والفاظ کا عنوان دے کر ۳/۱۲۱ تا ص ۳/۱۲۵ عمدہ دلائل ذکر کئے ہیں۔اور یہ بھی لکھا کہ روایت کے بعد دعاء ثانی کا جو رواج بعض علاقوں میں ہوگیا ہے وہ ضرور بدعت ہے۔اس سلسلہ میں اعلاء السنن ص ۳/۱۹۹ و ۳/۲۱۶ بھی مستحق مراجعت ہے۔

اکابر امت حضرت شاہ صاحبؒ کی نظر میں

اوپر کی بحث میں شیخ ابن ہمامؒ کا ذکر ہوا کہ وہ شیخ اکبر محی الدین بن عربیؒ کے معتقدین میں سے تھے، اس سلسلہ میں حضرتؒ نے فرمایا:۔

حافظ ابن حجرؒ شیخ اکبر سے خوش نہیں ہیں اور علامہ ابن تیمیہ تو ان کے شدید مخالف ہیں بلکہ ان پر زندقہ کا حکم لگاتے ہیں لیکن میرے نزدیک شیخ اکبر اکابر امت میں سے ہیں اور علم حقائق میں تو ساقی غایات ہیں، علامہ ابن تیمیہؒ بھی علوم کے بحر مواج ہیں، مگر انہوں نے بہت سے مسائل اصول وفروع میں جمہور امت سے تفرد وشذوذ کیا ہے یعنی ان سب سے الگ مسلک اختیار کیا ہے، حالانکہ حق جمہور ہی کے ساتھ ہے، نیز ان کے مزاج میں حدت وشدت ہے اور اپنی تحقیق کو وحی الٰہی کے برابر سمجھتے ہیں اگر چہ وہ خلاف واقع ہوتی ہے، پھر اپنے کسی بھی مخالف کی پرواہ

نہیں کرتے اگر چہ وہ حق پر ہو۔ یہ لوگوں کے طبقات و مدارج ہیں، کسی میں اعتدال وانصاف کی شان نمایاں ہوتی ہے جیسے شیخ تقی الدین بن دقیق العید، علامہ ابن عبدالبر اور زیلعی حنفی وغیرہ بعض میں انتہائی تیقظ اور بیدار مغزی ہوتی ہے مگر ساتھ ہی شدت تعصب بھی جیسے حافظ ابن حجرؒ اوران کی فتح الباری میں حوالے بھی غلط ہوتے ہیں۔ تاہم وہ بڑے محدث اور محقق ہیں، بلکہ حافظ الدنیا کہلانے کے بجا مستحق۔

علامہ سیوطی و ذہبی کے متعلق فرمایا کہ یہ دونوں محدث تھے مگر معقول سے عاری تھے۔ حالانکہ فلسفہ کا علم بھی ضروری ہے اور پہلے صوفیاء سب حاذق تھے فلسفہ کے۔ امام غزالی عارف محقق ہیں مگر حدیث میں کمی ہے اور فلسفی بھی کامل نہیں ہیں۔

علامہ سبکی علم عقائد واصول میں بڑا پایہ رکھتے ہیں اوران کی کتاب شرح عقائد ماتریدیہ مل جائے تو بہت ہی اچھی کتاب ہے، اس میں انہوں نے ماتریدیہ واشاعرہ کے اختلاف کو کم کیا ہے اور بعض اختلافات کو نزاع لفظی کی طرف راجع کیا ہے۔ وہ علامہ ابن تیمیہ سے ہر علم میں آگے تھے۔ (انہوں نے ابن تیمیہ کا رد بھی کیا ہے)۔

علامہ سبکی م ۷۵۶ھ مصر میں علماء کے مرکز تھے، علامہ صفدی نے کہا کہ لوگوں کا کہنا ہے کہ امام غزالی کے بعد سبکی جیسا عالم پیدا نہیں ہوا، میرے نزدیک یہ کہہ کر لوگ سبکی پر ظلم کرتے ہیں، کیونکہ وہ اپنے زمانہ میں سفیان ثوری کے درجہ میں تھے، علامہ چاروں فقہی مسالک سے یکساں باخبر تھے، آپ نے مسئلہ زیارۃ نبویہ پر علامہ ابن تیمیہ کے رد میں ''شفاء السقام'' اور نونیہ ابن قیم کے رد میں ''السیف الصیقل'' لکھ کر علم وتحقیق کی شان دوبالا کی ہے، اور بہت سے اصول وعقائد پر لاثانی کلام کیا ہے۔

فرمایا کہ ابن حزم اور شوکانی جیسے لوگوں نے امت کو بہت ضرر پہنچایا ہے، کیونکہ ان سے اغلاط فاحشہ ہوئی ہیں۔ ان دونوں کے درمیان علامہ ابن قیم م ۷۵۱ھ گذرے ہیں، جنھوں نے بہت اہم مفید علمی کتابیں لکھیں، لیکن خاص طور سے ایک کتاب فقہ میں اعلام الموقعین لکھی، جس میں ائمہ مجتہدین خصوصاً امام اعظمؒ اوران کی فقہ کے خلاف نہایت مضر اور زہریلا مواد فراہم کیا، جس سے دور حاضر کے غیر مقلدین نے تفریق کلمۂ مسلمین کا کام لیا، حالانکہ علامہ ابن قیم نے وہی اعتراضات نئے سرے سے اٹھائے ہیں جو محدث ابن ابی شیبہؒ نے سینکڑوں سال قبل اپنی مصنف میں ذکر کئے تھے اوران کے محدثانہ ومحققانہ جوابات بار بار دیئے جاچکے تھے، بلکہ بقول علامہ کوثریؒ کے ان اعتراضات کو جو محدث موصوف نے بڑی متانت اور ادب وتہذیب کے ساتھ پیش کئے تھے، علامہ ابن قیم نے ان کو نہایت ہولناک بلکہ رعد وبرق بنا کر انتہائی غیر مہذب لب ولہجہ میں ذکر کیا ہے، یہ درحقیقت خود ان کا اپنا خالص جذباتی اور متعصبانہ رویہ تھا یا دوسرے کے کاندھے پر بندوق رکھ کر نشانہ بازی کی مشق تھی جس کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ خصوصاً جبکہ ان میں اکثر اعتراضات ایسے تھے کہ علم حدیث کا ایک اچھا طالب علم بھی ان کا دفعیہ آسانی سے کرسکتا ہے اور صرف ان کا عشر عشیر ہی ایسا تھا کہ بڑے محدثین ان کا جواب دے سکتے تھے، اوروہ جوابات بھی اکابر محدثین دے چکے تھے، پھر علامہ کوثری نے ان جوابی تالیفات کا ذکر بھی تفصیل سے کیا ہے (ص ۱۵۸ حاشیہ ذیل تذکرۃ الحفاظ) راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ افسوس ہے یہ کتاب بغیر کسی جوابی تالیف کو حاشیہ بنانے کے شائع کی گئی اور پھر اس کا اردو ترجمہ بھی عوام کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے ہندوستان میں شائع کیا گیا، جس کو مولانا آزاد کی تائید حاصل تھی، ہم نہیں سمجھ سکتے کہ ایسی کوئی بھی علمی خدمت مفید ہوسکتی ہے بلکہ ہمارے نزدیک ایسی چیزوں سے بجائے جمع کلمہ کے تفریق بین المسلمین کی راہیں کھلتی ہیں۔ جن کا سد باب ضروری ہے۔ واللہ الموفق۔

احقر نے پہلے کسی جگہ دو بڑوں کے فرق کے عنوان سے لکھا تھا کہ علامہ ابن تیمیہ فقہ حنفی کے لئے کم سے کم متعصب ہیں جبکہ ان کے تلمیذ خصوصی ابن قیم فقہ حنفی کے حق میں غالی متعصب اور تقلید ائمہ مجتہدین کے حد سے زیادہ مخالف ہیں۔ پھر یہ کہ انہوں نے اپنے قصیدہ نونیہ میں جمہور سلف کے عقائد سے بھی انحراف کیا ہے۔ فلیتنبہ لہ۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ ہمارے اکابر دیوبند میں نہایت عظیم وجلیل شخصیت تھے، اور علوم وحقائق کے بحر ناپیدا کنار، ہمارے

حضرت شاہ صاحبؒ بھی ان کی علمی تحقیقات بڑی عظمت و اہتمام کے ساتھ بیان فرمایا کرتے تھے، مگر بعض چیزوں پر نقد فرماتے تھے، مثلاً فرمایا کہ حضرت مولانا قدس سرہٗ نے بالذات و بالعرض کو ہر کتاب میں چھیڑا ہے اور بالعرض کے علاوہ مجاز اور واسطہ فی العروض کا لفظ بھی اطلاق کیا ہے، چنانچہ صلوٰۃ مقتدین کو مجازاً اور صلوٰۃ امام کو بالذات کہا، نیز حضور علیہ السلام کی نبوت کو بالذات کہا اور بقیہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت کو بالعرض کہا ہے، اس پر کسی عالم نے اعتراض بھی کیا کہ پھر تو اور انبیاء کی نبوت ہی نہ رہی، مجھ سے حضرت الاستاذ مولانا محمود حسن صاحبؒ نے بیان کیا تو میں نے یہی کہا کہ اعتراض تو قوی ہے باقی ختم نبوت کا انکار مولاناؒ کی طرف منسوب نہیں ہوسکتا کیونکہ مولانا نے خود لکھدیا کہ ختم زمانی کا انکار مجمع علیہ ہونیکی وجہ سے کفر ہے۔ اس پر مولانا خاموش ہوگئے، غرض میری رائے ہے کہ بالذات و بالعرض کے الفاظ خواہ منطقی اصطلاح سے یا اور وجہ سے، مناسب نہیں ہیں۔ انبیاء علیہم السلام سب مستقل ہیں اور ایک نوع ہے خدا کے یہاں اصطفاء کی، اور سب انبیاء اس کے افراد ہیں، باقی فرق مراتب اور فضیلت جزئی کا معاملہ دوسرا ہے۔ اس عنوان کی دوسری اقساط آئندہ کسی موقع پر پیش ہوں گی۔ ان شاء اللہ

نماز چاشت: اشراق کے بعد صلوٰۃ الضحیٰ کے ثبوت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، مگر علامہ ابن تیمیہ نے اس کی احادیث میں صبح کی سنت و فرض مراد لی ہیں، جو محدثین کے خلاف ہے، کیونکہ ابوداؤد، ترمذی، دارمی وغیرہ نے تو باب بھی ضحیٰ کے نام سے باندھا ہے، اور یہ وقت لغۃً وعرفاً و شرعاً خوب دن چڑھنے کا ہوتا ہے، اس کو صبح کی نماز پر محمول کرنا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے؟ بخاری، مسلم، مسند احمد، حاکم، ترمذی، ابن ابی شیبہ وغیرہ کی احادیث خود علامہ ابن قیم نے بھی زاد المعاد میں ذکر کی ہیں، جن میں صلوٰۃ الضحیٰ کی فضیلت بیان ہوئی ہے، پھر بھی وہ اپنی اور اپنے استاذ ابن تیمیہ کی ضعیف ترین رائے کو اونچا دکھانے کی سعی ناکام کرتے ہیں۔

پوری بحث معارف السنن ص ۲۶۶/۴ سے دیکھی جائے۔ صلوٰۃ الضحیٰ کے لئے فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۱۸۵/ اطبع مصر بھی دیکھا جائے، جس میں انہوں نے صلوٰۃ الضحیٰ کے غیر مسنون ہونے کو اختیار کیا ہے، اور اس کو صرف جائز نفل کے درجہ میں کر دیا ہے۔

جبکہ جمہور حنفیہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک وہ مندوب و مستحب کے درجہ میں اور اکثر شافعیہ کے نزدیک سنت کے درجہ میں ہے۔ (معارف ص ۲۶۷/۴)

ابن جریر طبریؒ نے لکھا کہ اس کی احادیث حد تواتر کو پہنچ گئی ہیں اور ابن العربی نے فرمایا کہ یہ نماز (چاشت والی) حضور علیہ السلام سے قبل انبیاء علیہم السلام پڑھتے تھے، صحیح ابن خزیمہ میں بھی اس کی فضیلت ہے۔ وہی ابن خزیمہ جن کی اتباع علامہ ابن تیمیہ نے بہت سے عقائد میں کی ہے، جبکہ وہ ایک بڑے محدث ضرور تھے۔ مگر علم عقائد و اصول میں درک نہ رکھتے تھے اور اسی لئے غلطیاں کی ہیں۔ اور علامہ ابن تیمیہ نے ان پر اصول و عقائد کے بارے میں اعتماد کرنے کی وجہ سے بھی زیادہ غلطیاں کی ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مندوب و مسنون کا فرق

یہاں سے یہ بات بھی سمجھ لی جائے کہ مندوب بھی مسنون کا ہی کم درجہ ہے، یعنی مندوب فقہاء اس کو کہتے ہیں جو حضور علیہ السلام کی ترغیب یا احیاناً فعل سے ثابت ہو، اور جو حضور علیہ السلام کے اکثری فعل یا تاکد سے ثابت ہو وہ مسنون ہے، لہٰذا محدثین و ائمہ کے نزدیک جو نفل بدرجہ ندب قرار پائی اس کو صرف تطوع جائز و مباح کے درجہ میں کر دینا یہ علامہ ابن تیمیہ و ابن قیم کی خصوصی رائے ہے۔ نیز انہوں نے جس طرح بدعت و سنت کا فیصلہ بہت سے مواضع میں کیا ہے، وہ جمہور سلف و خلف کے مخالف ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق مزید

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ دعاء بعد الصلوات المکتوبہ میں جو حضور علیہ السلام سے اجتماعی اور رفع یدین کے ساتھ ثبوت نہیں ہوا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے تمامی اوقات ذکر و اوراد میں مشغول تھے، اور آپ کی دعائیں آپ کے اذکار و اوراد سے الگ نہ تھیں، اسی لئے آپ نے جب کسی مقصد کے لئے ہی دعا کا ارادہ فرمایا تو اس وقت آپ نے اجتماعی طور سے بھی دعا کی اور ہاتھ اٹھا کر بھی کی ہے۔ جیسے

استسقاء کی نماز کے بعد یا بیت ام سلیم میں نفل نماز جماعت کے بعد فرمائی ہے اور چونکہ آپ نے بعد نماز کے دعا کی ترغیب قولاً بھی دی ہے اور رفع یدین ومسح وجہ کی بھی ترغیب دی ہے، اس لئے اس کی اصل ثابت ہوگئی، لہٰذا پھر بھی اس کو فرض نمازوں کے بعد خلاف سنت یا بدعت قرار دینا صحیح نہ ہوگا، حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بیت ام سلیم کی نماز کا ذکر تو بخاری، مسلم وغیرہ سب میں ہے، مگر سب نے اس حدیث کو مختصرا روایت کیا جس میں دعا کا ذکر نہیں ہے، البتہ صرف مسلم میں دعا کا بھی ذکر تفصیل کے ساتھ موجود ہے، یہ حضرتؒ کی خاص عادت تھی کہ سارے طرق وروایات پر نظر کر کے فیصلہ فرمایا کرتے تھے، اور آج کل کے حضرات خصوصا سلفی اس کی رعایت نہیں کرتے، بلکہ ان کے اکابر نے بھی اپنی الگ رائے اسی طرح قائم کی ہے وہ دیکھتے ہیں کہ امام بخاری نے پانچ جگہ ام سلیم والی حدیث ذکر کی، اور ابوداؤد، نسائی، ترمذی نے بھی مختصرا ذکر کیا جس میں دعا بعد الصلوٰۃ کا ذکر نہیں ہے۔ تو انہوں نے مسلم والی مفصل روایت کو نظر انداز کر دیا۔

حضرتؒ نے توجہ دلائی کہ ان حضرات نے اسی حدیث کو مختصر الیا ہے جس کو مسلم نے تفصیل سے روایت کیا ہے، علامہ ابن تیمیہ نے بھی بہت سے مسائل میں اپنی دلیل میں کہدیا ہے کہ یہ حدیث صحیح (یعنی بخاری) میں نہیں ہے، اور اس طرح وہ دوسری مرویات سے قطع نظر کر لیتے ہیں، یا ان کو مرجوح کر دیتے ہیں جس طرح اقوال ائمہ میں سے کسی ضعیف ومرجوح قول کو لے کر اس کو اپنی الگ رائے کے لئے مویدبنا لیتے ہیں۔ تنبیہ اگر حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق مذکور سے مدد نہ لیں تو فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا برفع الیدین کا طریقہ خلاف سنت یا بدعت قرار پائے گا، اور علامہ ابن تیمیہ وابن قیم اور آج کل کے سلفی حضرات کے طریقہ کو مطابق سنت ماننا پڑے گا البتہ دعاء ثانیہ کا معمول خلاف سنت ہوگا کہ اس کی کوئی اصل ثابت نہیں ہے۔ اسی کے ساتھ راقم الحروف کی رائے یہ بھی ہے کہ دعاء بعد الفریضہ کے معمول کو بھی احیانا ترک کر دینا چاہیے تا کہ اس کو عوام سنن مؤکدہ اور واجب کی طرح قابل التزام نہ خیال کریں۔ اور مندوب ومسنون وواجب کے درجات اپنی اپنی جگہ محفوظ رہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ کے فقہی نظریات وآراء کو بھی ہمارے حضرات پیش نظر رکھیں تو بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ بھی ان کی رعایت فرماتے تھے۔ واللہ تعالیٰ یوفقنا لما یحب و یرضیٰ۔

باب الدعآء عند النداء

(اذان کے وقت دعا کرنے کا بیان)

۵۸۴: حدثنا علیّ بن عباشؓ قال حدثنا شعیب بن ابی حمزۃ عن محمد بن المنکدر عن جابر بن عبداللہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من قال حین یسمع النداء اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوٰۃ القائمۃ ات محمد ن الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاماً محمود ن الذی وعدتہ' حلت لہ' شفاعتی یوم القیٰمۃ

ترجمہ ۵۸۴: حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اذان سنتے وقت یہ دعا پڑھے۔ **اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ و الصلوۃ القائمۃ ات محمد ن الوسیلۃ و الفضیلۃ و ابعثہ مقاما محمود ن الذی وعدتہ،** تو اس کو قیامت کے دن میری شفاعت نصیب ہوگی۔

تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں ہم بھی یہی کہیں گے کہ اذان کے بعد والی دعا میں ہاتھ نہ اٹھائے جائیں کیونکہ ایسا حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں ہوا، اور دوسری عام احادیث سے جن میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کی ترغیب وارد ہے، یہاں کی دعا پر استدلال موزوں نہ ہو گا۔ اور اس کا قیاس نماز پر درست نہ ہوگا، کیونکہ وہاں تو ہم بتلا چکے ہیں کہ کئی بار حضور علیہ السلام سے مطلق نماز جماعت کے بعد اجتماعی دعا اور ہاتھ اٹھا کر بھی ثابت ہو چکی ہے اگرچہ وہ نمازیں فرض نہ تھیں جبکہ اذان کے بارے میں اس درجہ کا بھی کوئی ثبوت نہیں مل سکا ہے راقم عرض کرتا

ہے کہ یہ اصول بہت ہی کارآمد ہے مثلا دعا، عند القبور کے لئے بھی ہاتھ نہ اٹھائیں گے، وغیرہ۔ دعا عند القبور کے جواز پر۔۔۔ پر ہم گیارہویں جلد میں مفصل بحث کر چکے ہیں، علامہ عینیؒ نے لکھا کہ حدیث میں ہے دو وقت دعا قبول ہوتی ہے ایک اذان کے وقت دوسرے جب جہاد کے لئے صفیں آراستہ ہوں۔

باب الستهام فی الاذان ویذکر ان قوماً اختلفوا فی الاذان فاقرع بینهم سعد

(اذان دینے کے لئے قرعہ ڈالنے کا بیان' اور بیان کیا جاتا ہے کہ کچھ لوگوں نے اذان (دینے) میں جھگڑا کیا' تو اس کو ختم کرنے کے لئے سعد نے قرعہ ڈالا)

۵۸۵: حدثنا عبدالله بن یوسف قال اخبرنا مالک عن سمی مولیٰ ابی بکر عن ابی صالح عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لویعلم الناس ما فی النداء والصف الاول ثم لایجدون الا ان یستهموا علیه لاستهموا ولو یعلمون ما فی التهجیر لاستبقوا الیه ولو یعلمون ما فی العتمة والصبح لاتوهما ولوحبواً

ترجمہ۵۸۵: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ نے فرمایا:۔ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اذان اور صف اول (میں شامل) ہونے کا کتنا ثواب ہے، پھر قرعہ ڈالنے کے بغیر یہ حاصل نہ ہوں، تو ضرور قرعہ ڈالیں۔ اور اگر یہ معلوم ہو جائے، کہ اول وقت نماز پڑھنے میں کیا (ثواب) ہے، تو بڑی کوشش سے آئیں، اور اگر جان لیں، کہ عشاء اور صبح کی نماز (باجماعت ادا کرنے) میں کیا (ثواب) ہے، تو ضرور ان دونوں (کی جماعت) میں آئیں، خواہ گھٹنوں کے بل چل کر ہی آنا پڑے۔

تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ قرعہ اگرچہ حجت شرعیہ نہیں ہے، تاہم وہ قطع نزاع اور تطییب خاطر کے لئے ہمارے نزدیک بھی معتبر ہے۔

بحث ونظر: قرعہ کے مسئلہ میں امام مالک، شافعی و احمد تینوں ایک طرف ہیں کہ وہ شرعی حجت ہے اور امام اعظم آپ کے اصحاب اور بہت سے دوسرے فقہاءِ کوفہ کہتے ہیں کہ قرعہ بطور حکم شرعی منسوخ ہو گیا تھا۔ اور اب صرف حلِ مشکلات، دفعِ نزاع، اور تطییبِ خاطر و دفعِ ظنون کے لئے باقی ہے جبکہ فیصلہ کرانے والے سب برابر حقوق والے ہوں یا مشترکہ چیز کے حصے برابر کر دیئے گئے ہوں، اور حضور اکرم علیہ جو سفر کے وقت ازواجِ مطہرات کے لئے قرعہ ڈالا کرتے تھے، وہ بھی حکم شرعی نہ تھا، بلکہ تطییبِ خاطر و دفعِ ظنون ہی کے لئے تھا، کیونکہ سفر کے وقت ساتھ لے جانے میں متفقہ طور سے سب کے ہی نزدیک شرعاً آزادی ہے، کسی بیوی کو ساتھ لے سکتے ہیں یا کسی کو بھی نہ لیں۔ اور امام بخاری کا مسلک بھی حنفی مسلک سے موافق معلوم ہوتا ہے، کیونکہ آپ نے بخاری میں جتنی جگہ قرعہ کا ذکر کیا ہے، ان میں سے کسی جگہ بھی بطور حکم شرعی نہیں ہے، بلکہ صرف تطییبِ قلب یا حلِ مشکلات کے لئے ہے۔ (کذا فی لامع الدراری ص۱\۲۳۹)

محدث ابن ابی شیبہ کا نقد: آپ نے اپنے مصنف میں امامِ اعظمؒ کے خلاف جو ایرادات کئے ہیں، ان میں ایک قرعہ کا مسئلہ بھی ہے جس کے جواب میں علامہ کوثریؒ نے لکھا کہ امام طحاویؒ نے معانی الاثار ص۴۲۱ ج۲ میں اور مشکل الآثار ص۱\۳۱۸ میں قرعہ بطور حکم کی منسوخی کے دلائل ذکر کر دیئے ہیں اور اپنی مستدل احادیث کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور لکھا کہ بڑی دلیل قمار و مخاطرہ کی حرمت صریحہ ہے، کہ قرعہ کو حجتِ شرعیہ باقی رکھنے سے قمار کی طرح اتلافِ حقوق، اور احقاقِ حق بغیر استحقاق کی صورت بن سکتی ہے، اور حضرت علیؓ کا اثر بھی ہے کہ آپ نے حضور علیہ السلام کے بعد قرعہ کو حجتِ شرعیہ نہیں بنایا۔ وغیرہ

تشغیب ابن القیمؒ: علامہ کوثریؒ نے آخر بحث میں یہ بھی لکھا کہ ابن القیم نے ''اعلام الموقعین'' میں حسبِ عادت اس مسئلہ میں بھی حنفیہ کے

خلاف بڑے زور شور سے اخذِ قیاس باطل اور عراض عن السنہ کا اتہام لگایا ہے، حالانکہ ہمارا مسلک حدیثی نقطۂ نظر سے ظاہر وقوی ہے (ص ۱۳ النکت الطریفہ فی التحدث عن ردود ابن ابی شیبہ علی ابی حنیفہ۔

جو لوگ علامہ ابن القیم کی اعلام سے متاثر ہوں، ان کو "النکت" کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے، جو نہایت محققانہ و محدثانہ کتاب ہے، وہ نہ صرف محدث ابن ابی شیبہ کا جواب ہے بلکہ علامہ موصوف کی تشغیبات کا رد بھی ہے، اور زمانہ حاضر کے سلفیوں کے زہریلے پروپگینڈے کا تریاق بھی نیز ملاحظہ ہو العرف الشذی ص ۴۵۶ اور انوار المحمود ص ۲/۴۳۷۔

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ بھی قرعہ کے مسئلہ میں علامہ کی دراز لسانی کا ذکر کیا کرتے تھے۔ یہ بھی فرمایا کہ ابن القیم نے قرعہ پر بڑی بحث کی ہے، مگر میں ان کی باتوں سے متاثر نہیں ہوتا، بحث تو تحکم کی ہے اور وہ دیانت پیش کر رہے ہیں، ہمارے نزدیک بھی قرعہ تطییب خاطر کے لئے ہے، اس سے حکم نہیں کیا جاسکتا۔ پھر فرمایا کہ عمل میں ہم ہیٹے ہیں لیکن صحیح فہم کے لحاظ سے زیادہ ہی ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرتؒ ابن القیم وغیرہ سے قطعاً مرعوب نہ تھے۔

یہاں سے حضرت شیخ الہندؒ کی یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ امام اعظم کی تفقہ واجتہاد کی شانِ رفیع اس وقت اور بھی زیادہ نمایاں ہوتی ہے جب تینوں ائمۂ مجتہدین ایک جانب ہوں اور امام صاحب دوسری جانب جس طرح یہاں ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

قوله الا ان يستهموا عليه

علیہ کی ضمیر مفرد کا مرجع کیا ہے؟ جبکہ ضمیر تثنیہ کی ضرورت تھی، جواب یہ ہے کہ بتاویل "مذکور" دونوں مراد ہو سکتے ہیں، حافظ نے لکھا کہ محدث عبدالرزاق نے ضمیر تثنیہ ہی ذکر کی ہے، لہٰذا علامہ ابن عبدالبرؒ کی رائے درست نہیں کہ ضمیر مفرد صف اول کی طرف راجع ہے کیونکہ وہ قریب بھی ہے، علامہ قرطبی نے بھی ان پر اعتراض کیا کہ اس طرح تو اذان کا ذکر بے فائدہ رہے گا (فتح الباری ص ۲/۲۵) حیرت ہے کہ علامہ ابن عبدالبر ایسے یگانہ روزگار محدث سے یہاں چوک ہوگئی۔

باب الكلام في الاذان و تكلم سليمان بن صرد في اذانه وقال الحسن لاباس ان يضحک وهو يؤذن او يقيم

(اذان میں کلام کرنے کا بیان، سلیمان بن صرد نے اپنی اذان میں کلام کیا، حسن (بصری) نے کہا کہ اذان یا اقامت کہتے وقت ہنس دینے سے ان میں خلل نہیں آتا)

۵۸۶: حدثنا مسدد قال حدثنا حماد عن ايوب و عبدالحميد صاحب الزيدى و عاصم الاحول عن عبدالله بن الحارث قال خطبنا ابن عباس فى يوم رزغ فلما بلغ المؤذن حى على الصلوٰة فامره ان ينادى الصلوٰة فى الرحال فنظر القوم بعضهم الى بعض فقال فعل هذا من هو خير منه وانها عزمة

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن حارث روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جاڑوں میں ابر کے دن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ہمارے سامنے خطبہ پڑھا (کہ اتنے میں اذان ہونے لگی) جب موذن حی علی الصلوٰۃ پر پہنچا تو انہوں نے اسے حکم دیا کہ پکار دے، لوگ اپنی اپنی فرودگاہ میں نماز پڑھ لیں (جماعت کے لئے نہ آئیں، یہ سن کر) لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے، حضرت ابن عباس نے کہا کہ یہ اس شخص نے کیا ہے، جو ہم سے بہتر تھا، یعنی نبی علیہ السلام نے اور یہی افضل ہے۔

تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ اذان میں بات کرنا حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے (یعنی خلاف اولیٰ ہی کما ذکرہ فی الفتح ص ۲/۶۶) اور اتنا توسع سمجھنا کہ اس میں بات کرنا اور ہنسنا وغیرہ سب درست بلا کراہت ہو، صحیح نہیں ہوتا۔ رزغ کے معنی گارا پھر فرمایا کہ بظاہر حضرت ابن عباس کی حدیث الباب سے یہ معلوم ہوا کہ حی علی الصلوۃ پر پہنچ کر مؤذن الصلوۃ فی الرجال کہہ دے، مگر حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے پوری اذان سے فارغ ہونے کے بعد یہ کہنے کا حکم دیا ہے، لہٰذا میرے نزدیک اسی پر عمل ہونا چاہئے، کیونکہ حضرت ابن عمرؓ بہ نسبت حضرت ابن عباسؓ کے اثرِ نبوی کا اتباع زیادہ اور اجتہاد کم کرتے تھے، حدیث الباب کے دوسرے طرق میں یوم جمعہ کی تصریح بھی ہے اور فقہِ حنفی میں بھی بارش گارے کو اعذارِ جمعہ میں گنایا گیا ہے۔ فیض الباری ص ۲/۱۶۹ میں امام محمدؒ کی کتاب الحج کا حوالہ دیا گیا ہے۔ مگر راقم کو وہ حوالہ مطبوعہ کتاب الحج چار جلدوں میں نہیں ملا۔ البتہ معارف السنن ص ۴/۱۳۶ میں امام محمد اور اصحابِ لغت سے نعل بمعنی سخت زمین ذکر ہوا ہے۔ وہاں امامؒ کی کسی کتاب کا نام نہیں ہے۔

درمختار میں بیس عذر ترک جماعت کے ذکر ہوئے ہیں، جن میں بارش کیچڑ، سخت سردی، بوڑھاپا، قصدِ سفر، خوف، بھوک کی حالت میں کھانے کی موجودگی وغیرہ ہیں۔

قولہ وانہا عزمۃ: حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز دوسری نمازوں سے ممتاز ہے، کہ اس کی خاص اور زیادہ عظمت واہمیت ہے، اسی لئے وہ گھروں میں دانہ ہوگی، اور بجائے اس کے مجبوری میں ظہر پڑھیں گے، اور حضور علیہ السلام نے اشارہ دیا کہ لوگ باوجود بارش وکیچڑ کے بھی مسجد میں آنا چاہیں گے، لہٰذا اعلان کرا دیا کہ وہ ایسی حالت میں عندالشرع معذور ہیں، گھروں میں نمازیں پڑھیں، اور آپ نے تھوڑے لوگوں کے ساتھ نمازِ جمعہ ادا کرنا گوارا فرمایا۔

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ امام محمدؒ نے اپنی کتابوں میں بہ کثرت مشکل الفاظِ حدیث کی تفسیر فرما دی ہے۔ جس سے محدث ابوعبید نے اپنی کتاب غریب الحدیث میں استفادہ کیا ہے اور دوسرے کبار محدثین اس کتاب سے استفادہ کرتے ہیں (مگر تعصب کا برا ہو کہ امام محمد کو بہت سے متعصب اصحاب حدیث کی صف میں دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے، امام شافعیؒ نے برسوں ان کی خدمت میں رہ کر حدیث وفقہ حاصل کی، اور تاریخ کے اس اہم ترین واقعہ کو کسی طرح بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا مگر علامہ ابن تیمیہؒ ایسے محقق نے ان کے تلمذ سے صاف انکار کر دیا، فیاللعجب!)۔

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا کی بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں۔ کسی نے دارالعجائب کہا کسی نے دارالاضداد، کسی نے دارالافتراق والاجتماع بتلایا مگر میں اس کو بیت الحمیر کہتا ہوں، کیونکہ گدھے اپنے طویلہ میں کھڑے ہوئے ایک دوسرے پر دولتی چلاتے رہتے ہیں، یہاں جس کو دیکھو ایک دوسرے کو ذلت وتکلیف پہنچانے کے درپے ہے، اسی لئے حضرتؒ کی نظر میں کسی آدمی کی بڑی تعریف وخوبی یہ تھی کہ وہ بے ضرر ہو، کہ اس سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے، اور فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص صاف سینہ ہوگا، وہ جنت میں جائے گا۔ یعنی جس کے دل میں کسی دوسرے کے لئے کینہ کپٹ عداوت وحسد وغیرہ نہ ہو۔

باب اذان الاعمیٰ اذا کان لہٗ من یخبرہٗ

جب کہ نابینا کے پاس کوئی ایسا شخص ہو جو اسے وقت بتلائے تو اس کا اذان دینا درست ہے

۵۸۷: حدثنا عبداللہ بن مسلمۃ عن مالک عن ابن شہاب عن سالم ابن عبداللہ عن ابیہ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال ان بلالاً یؤذن بلیل فکلوا واشربوا حتیٰ ینادی ابن ام مکتوم قال و کان رجل اعمیٰ لاینادی حتیٰ یقال لہٗ اصبحت اصبحت

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ بلال رات کو اذان دیتے ہیں، پس تم لوگ کھاؤ، اور پیو، یہاں تک کہ ابن ام مکتومؓ اذان دیں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ابن ام مکتوم نابینا آدمی تھے، وہ اس وقت تک اذان نہ دیتے، جب تک لوگ یہ نہ کہہ دیں کہ صبح ہوگئی، صبح ہوگئی۔

باب الاذان بعد الفجر

(فجر کے (طلوع ہونے کے بعد) اذان کہنے کا بیان)

۵۸۸: حدثنا عبداللہ بن یوسف قال اخبرنا مالک عن نافع عن عبداللہ ابن عمر قال اخبرتنی حفصة ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان اذا اعتلف المؤذن للصبح و بدا الصبح صلے رکعتین خفیفتین قبل ان تقام الصلوة

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں، کہ مجھ سے حضرت حفصہؓ نے بیان کیا کہ رسول خدا ﷺ کی عادت تھی کہ جب موذن صبح کی اذان کہنے کھڑا ہوجاتا، اور صبح کی اذان ہوجاتی، تو دو رکعتیں پڑھ لیتے تھے۔

تشریح: حضرتؒ نے محیط (فقہ حنفی کی کتاب) کے حوالہ سے نابینا کی اذان کو مکروہ بتلایا اور فرمایا کہ اس کو اگر صحیح وقت بتلانے والا ہوتو کراہت بھی نہیں۔ حافظ نے لکھا کہ علامہ نووی نے امام ابوحنیفہؒ کی طرف یہ منسوب کردیا کہ ان کے نزدیک نابینا کی اذان صحیح نہیں، حالانکہ یہ نسبت غلط ہے اور سروجی حنفی نے بھی نووی پر اعتراض کرکے اس کو غلط قرار دیا ہے۔ البتہ محیط میں کراہت مذکور ہے (فتح الباری ص ۲/۶۷)۔

علامہ ابن عابدین شامی نے جو علی الاطلاق غیر مکروہ لکھا، وہ بھی مرجوح ہے، کیونکہ علامہ عینی نے بھی بحوالۂ محیط کراہت کا قول ذکر کیا ہے۔ باقی اس کو بھی سب نے مانا ہے کہ کراہت کا سبب عدم مشاہدہ ہے، لہٰذا کوئی مشاہد اگر نابینا کو صحیح وقت کی خبر دے تو کراہت رفع ہو جاتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵۸۹: حدثنا ابو نعیم قال حدثنا شیبان عن یحییٰ عن ابی سلمة عن عآئشة رضی اللہ عنہا کان النبی صلے اللہ علیہ یصلی رکعتین خفیفتین بین الندآء والاقامة من صلوٰة الصبح

۵۹۰: حدثنا عبداللہ بن یوسف قال اخبرنا مالک عن عبداللہ ابن دینار عن عبداللہ بن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان بلالا ینادی بلیل فکلوا واشربوا حتیٰ ینادی ابن ام مکتوم

ترجمہ ۵۸۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نماز صبح کے وقت اذان واقامت کے درمیان میں دو رکعتیں ہلکی سی پڑھتے تھے۔

ترجمہ ۵۹۰: حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، کہ بلال رات کو اذان دیتے ہیں، تم لوگ کھاؤ اور پیو، یہاں تک کہ ابن ام مکتومؓ اذان دیں۔

تشریح: امام بخاری نے اذان بعد الفجر کا عنوان مقدم کیا حالانکہ قبل الفجر کا اول ہونا تھا، اور علامہ ابن بطال نے تو اس عنوان کے ذکر پر بھی اعتراض کردیا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ اذان نماز کے لئے ہوتی ہے اور وہ ہر نماز کا وقت ہوجانے پر ہی دی جاتی ہے۔ لہٰذا طلوع فجر کے بعد اذان دینے کا عنوان ہی لاحاصل ہے، پھر اس بارے میں کوئی اختلاف بھی کسی کا نہیں ہے، مگر جواب یہ ہے کہ اس میں تو اختلاف ہے کہ اگر صبح کی اذان قبل طلوع الفجر دے دی گئی ہوتو پھر اس کا اعادہ بعد طلوع فجر ہونا چاہئے یا نہیں؟ ائمۂ ثلاثہ (امام مالک، شافعی واحمد) جو قبل الوقت اذان

فجر کو جائز و مشروع بتلاتے ہیں، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ وقت ہو جانے پر اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ برخلاف اس کے امام ابوحنیفہ وامام محمد، امام زفر وثوریؒ فرماتے ہیں کہ بقیہ اوقات کی طرح فجر کی اذان بھی قبل الوقت مشروع وجائز نہیں اور اگر کہی گئی تو وقت پر اعادہ کرنا ہوگا۔ عمدہ، فتح اور شرح المہذب میں اسی طرح ہے۔ (معارف ص۲۱۳\۲)

معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری بھی اعادہ کے قائل اور حنفیہ کے ساتھ ہیں، اسی لئے اذان بعد الفجر کا باب باندھا اور اس کو مقدم بھی کیا کہ اس کی ضرورت واہمیت واضح ہو۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاری نے الفاظ حدیث کان اذا اعتکف المؤذن سے بھی غالباً یہی سمجھا ہے کہ مؤذن طلوع صبح کے انتظار میں رہتا تھا کہ جب اچھی طرح صبح کا وقت ظاہر وواضح ہو جائے تو اذان دے اس کے بعد امام بخاری اذان قبل الفجر کو لائے ہیں کیونکہ فی الجملہ ثبوت سے تو اس کے بھی انکار نہیں ہو سکتا، اگرچہ وہ نماز کے لئے نہ تھا، بلکہ نماز کے لئے اٹھنا، ضروریات سے فارغ ہونا، نماز کے لئے تیاری کرنا اور تہجد وسحری کے آخری وقت پر متنبہ کرنا وغیرہ اس کے مقاصد تھے، تاہم وہ اذان قبل الفجر صرف حضور علیہ السلام کے زمانہ میں رہی، اور خلفائے راشدین کے دور میں اس پر عمل نہ رہا تھا، اور اس سے اس کی عدم سنیت معلوم ہوتی ہے۔ کما حققہ مولانا الکنکوہیؒ (لامع ص۲۴۱\۱)۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اذانِ اوّل (قبل الفجر) پر اکتفاء کرنا جو شافعیہ وغیرہم کا مسلک ہے وہ صحیح نہیں، جس طرح بعض حنفیہ کا اذانِ اول کو فوائد سے خالی سمجھنا بھی درست نہیں، تاہم اصل اذان بعد الفجر والی ہی ہے اور وہی پھر جاری وساری بھی رہی جبکہ اذانِ اول دورِ خلافت راشدہ میں باقی نہ رہی، اس سے حنفیہ ہی کا مسلک قوی تر بن جاتا ہے اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کا تعامل اور ان کے آثار بھی قابلِ اقتدا ہیں حتیٰ کہ ان کی وجہ سے دورِ نبوی کے ایک معمول کو بھی ترک کیا جا سکتا ہے، اور امام بخاری اگرچہ اقوال وآثارِ صحابہ کو حجت نہیں مانتے (اور ان کا اتباع سلفی حضرات بھی کرتے ہیں) مگر یہاں امام بخاری نے بھی آثارِ صحابہ ہی کو تو حجت سمجھا ہوگا۔ ورنہ اذان بعد الفجر کو اتنی اہمیت نہ دیتے چنانچہ دوسرے ائمہ ثلاثہ نے اس کو کوئی اہمیت نہیں دی اور اذانِ اول کی مشروعیت وسنیت کے بھی قائل رہے اور اذان بعد الفجر کی ضرورت بھی نہیں مانتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب الاذان قبل الفجر

(فجر کی) اذان صبح ہنے سے پہلے کہنے کا بیان

۵۹۱: حدثنا احمد بن یونس قال حدثنا زهیر قال حدثنا سلیمان التیمی عن ابی عثمان النهدی عن عبدالله بن مسعود عن النبی صلے الله علیه وسلم قال لایمنعن احدکم اواحداً منکم اذان بلال من سحوره فانه' یؤذن اوینادی بلیل لیرجع قآئمکم ولینبه نآئمکم ولیس ان یقول الفجر او الصبح وقال باصابعه ورفعها الیٰ فوق وطاطآ الیٰ اسفل حتیٰ یقول هکذاوقال زهیر بسبابتیه احدٰهما فوق الاخریٰ ثم مدهما عن یمینه وشماله

۵۹۲: حدثنی اسحاق قال اخبرنا ابواسامة قال عبیدالله حدثنا عن القاسم بن محمد عن عائشة و عن نافع عن ابن عمران رسول الله صلی الله علیه وسلم قال وحدثنی یوسف بن عیسیٰ قال حدثنا الفضل قال حدثنا عبیدالله بن عمر عن القاسم بن محمد عن عآئشة عن النبی صلے الله علیه وسلم انه' قال ان بلالایؤذن بلیل فکلوا واشربوا حتیٰ یؤذن ابن ام مکتوم

ترجمہ۵۹۱: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، تم میں سے کوئی شخص بلال کی اذان سن کر سحری کھانا نہ چھوڑے، اس لئے کہ وہ رات کو اذان کہہ دیتے ہیں، تاکہ تم میں سے تہجد پڑھنے والا فراغت کرلے، اور تاکہ تم میں سے سونے والے کو بیدار کردیں، اور یہ نہیں ہے کہ کوئی شخص سمجھے کہ صبح (ہوگئی) اور آپ نے اپنی انگلیوں سے اشارہ کیا اور ان کو اوپر کی طرف اٹھایا، اور پھر نیچے کی طرف جھکا دیا، کہ اس طرح (یعنی سفیدی پھیل جائے) اور حضرت زہیرؒ نے اپنی دونوں شہادت کی انگلیاں ایک دوسرے کے اوپر رکھیں، پھر دونوں کو اپنے داہنے اور بائیں جانب پھیلا دیا (یعنی اس طرح ہر طرف سفیدی پھیل جائے) تب سمجھو کہ صبح ہوگئی۔

ترجمہ۵۹۲: حضرت عائشہؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا، بلالؓ رات میں اذان کہہ دیتے ہیں، لہٰذا تم ابن ام مکتومؓ کے اذان دینے تک کھایا پیا کرو۔

تشریح: اس باب کے عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز فجر کی اذان فجر کے طلوع ہونے سے قبل دینا جائز ہے، حالانکہ حدیث الباب سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ اذان فجر کی نماز کے لئے ہوتی تھی، بلکہ حدیث صاف طور پر بتلا رہی ہے کہ یہ اذان سحری اور تہجد کے لئے دی جاتی تھی اور فجر کی اذان ابن ام مکتومؓ دیا کرتے تھے، جو فجر کے وقت میں ہوتی تھی، چنانچہ سابقہ احادیث میں اس کی تصریح گذر چکی ہے، مناسب یہ تھا کہ اس باب کا عنوان اس طرح مقرر کیا جاتا (فجر سے قبل سحری و تہجد کی بیداری کے لئے اذان دینا، تاکہ اس کا بھی جواز معلوم ہوجاتا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: یہ ضروری نہیں کہ صبح کی دونوں اذانوں کے کلمات متمائز ہوں تاکہ سننے والوں کو اشتباہ نہ ہو کیونکہ امتیاز دو موذنوں کی آوازوں سے بھی حاصل ہوسکتا ہے، اور اگر دونوں کے کلمات مختلف ہوتے اور کسی کو اشتباہ بھی نہ ہوتا تو حضور اکرم ﷺ کا ارشاد "لا یغرنکم اذان بلال" کیوں ہوتا؟!

امام محمدؒ، طحاویؒ اور حضرت شاہ صاحبؒ

حضرت شاہ صاحبؒ نے احادیث اذان قبل الفجر کے بارے میں نہایت عمدہ محدثانہ تحقیق ارشاد فرمائی جو فیض الباری میں بھی ص۱۷۰/۲ تا ص۱۷۸/۲ درج ہوئی ہے، اور احقر کی یادداشت میں بھی اسی طرح ہے، اس میں حضرتؒ نے امام طحاوی کی تحقیق کو بہت پسند کیا ہے، لہٰذا وہ لائق مطالعہ ہے، ہم یہاں بوجہ طوالت درج کرنے سے قاصر ہیں۔ حضرتؒ نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ امام طحاوی کی قدر وہ کر سکتا ہے جس کو معلوم ہو کہ پہلے کیا کچھ اعتراضات وغیرہ ہوچکے ہیں۔ پھر فرمایا کہ حنفیہ کے مذہب پر جس قدر احسانات امام طحاوی کے ہیں اور کسی کے نہیں، میں نے اکثر دیکھا کہ امام طحاوی کی تحقیق کی بنیاد امام محمدؒ کے کلام پر ہوتی ہے، اور بعض اوقات ان کے صرف ایک لفظ ہی پر بنیاد رکھ کر امام طحاوی اس کو پھیلا کر پوری تحقیق قائم کردیتے ہیں اور اعلیٰ تحقیقات کی نشان دہی جتنی امام طحاوی نے کی ہے اور کسی نے نہیں کی، اور ان کی تقریرات و تائیدات جس قدر میں نے جمع کی ہیں اور کسی نے نہیں کیں۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ امام محمدؒ سلف اور امام اعظمؒ کے علوم و کمالات کے جامع تھے، امت محمدیہ کے جلیل القدر محقق و مدقق تھے، آپ کے علوم کی تشریحات امام طحاویؒ نے کیں، اور امام شافعیؒ کی وساطت سے وہ علوم دوسرے ائمہ مجتہدین و محدثین کو بھی حاصل ہوئے، پھر ایک مدت مدید کے بعد ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے جن کا سلسلۂ نسب بھی امام اعظمؒ کے خاندان سے ملتا ہے، ان علوم و تحقیقاتِ عالیہ محمدیہ و طحاویہ کو سامنے رکھ کر تیس چالیس برس تک ان کے لئے تائیدی دلائل و براہین جمع کئے، اور ان کی شانِ علم و فضل و جامعیت بھی بقول حضرت تھانویؒ ایسی تھی کہ ان کے ایک ایک جملہ پر ایک ایک رسالہ مدون ہوسکتا تھا اور بقول حضرت علامہ عثمانی آپ کی گرانقدر علمی تالیفات کی قدر بھی صرف وہی کرسکتا تھا، جس کے سامنے سابقہ اعتراضات و ابحاث ہوں، چنانچہ خود ہی حضرت شاہ صاحبؒ کے رسالہ "کشف الستر" کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ اس رسالہ کا مطالعہ سترہ بار کرنے کے بعد میں سمجھ سکا ہوں کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے کن کن مشکلات و اشکالات علمیہ کا حل فرمادیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام محمد، امام طحاویؒ، اور حضرت شاہ صاحبؒ تینوں کی محدثانہ شانِ تحقیق و تدقیق علماء امت میں سے ایک نرالی

شان کی تھی، رسالۂ مذکورہ اور نیل الفرقدین، بسط الیدین و مرقاۃ الطارم کے لئے حضرتؒ نے اپنی یادداشتیں راقم الحروف ہی کو سپرد کی تھیں اور ان کو مرتب شکل میں نقل کر کے، کتابت کرا کر احقر ہی نے مجلس علمی ڈابھیل سے شائع کرایا تھا اور اس طرح کی یادداشتوں کے تین صندوق حضرتؒ کے گھر پر تھے جن سے سینکڑوں مسائل میں مدلل ہو سکتی تھی، اور آج وہ سب موجود ہوتیں تو صحاح ستہ و معانی الآثار وغیرہ کی بے نظیر شروح تالیف کی جا سکتی تھیں مگر صد افسوس کہ حضرتؒ کی وفات کے بعد وہ سارا ذخیرہ گھر والوں کی ناقدری سے ضائع ہو گیا، اور حضرتؒ کی کتابیں بھی جن پر حضرتؒ کے دستِ مبارک سے لکھے ہوئے قیمتی حواشی بھی تھے، فروخت کر دیئے گئے، لہٰذا حضرتؒ کے تلامذہ مجبور ہو گئے کہ صرف املائی افادات کو بنیاد بنا کر کچھ لکھ پڑھ سکیں، میرے ساتھ ہی دو سال تک مولانا بدر عالم صاحب بھی درسِ بخاری شریف میں شرکت کرتے اور حضرتؒ کے امالی ضبط کرتے تھے، اور مجھے اس کا خیال و وہم بھی نہ تھا کہ کسی وقت میں اپنے امالی سے کچھ کام لے سکوں گا۔

احقر نے ہی حضرتؒ کے بعد مولانا موصوف سے "فیض الباری" مرتب کرائی تھی، مگر جب وہ سامنے آئی تو خلاف توقع ثابت ہوئی، اسی لئے انوارالباری میں حوالوں کی مراجعت اور اپنے امالی کے ذریعہ تصحیح مضامین کی سعی حسب مقدور کرتا ہوں، دوسرا کام ترمذی شریف پر مجلس علمی ڈابھیل سے ہی حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری دام فضلہم وعم فیوضہم سے شروع کرایا گیا تھا اور خدا کا شکر ہے وہ جتنا ہوا ہے۔ اس سے حضرت شاہ صاحبؒ کی علمی و تحقیقی شان بڑی حد تک نمایاں ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ موصوف کی صحت و عافیت قرار رکھ کر اس عظیم خدمت کو پورا کرائے۔ آمین وما ذٰلک علی اللہ بعزیز

باب کم بین الاذان والاقامة

(اذان واقامت کے درمیان میں کتنا فصل ہونا چاہیے)

۵۹۳: حدثنا اسحاق الواسطی قال حدثنا خالد عن الجریری عن ابن بریدہ عن عبداللہ بن مغفل المزنی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال بین کل اذانین صلوٰۃ ثلاثالمن شآء

۵۹۴: حدثنا محمد بن بشار قال حدثنا غندر قال حدثنا شعبة قال سمعت عمرو بن عامر ن الانصاری عن انس بن مالک قال کان المؤذن اذا اذن قام ناس من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یبتدرون السواری حتیٰ یخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ھم کذٰلک یصلون رکعتین قبل المغرب ولم یکن بین الاذان والاقامة شی وقال عثمان بن جبلة وابو داؤد عن شعبة لم یکن بینھما الا قلیل

ترجمہ۵۹۳: حضرت عبداللہ بن مغفل مزنیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا کہ اگر کوئی پڑھنا چاہے تو دو اذانوں کے درمیان میں ایک نماز کے برابر فصل ہونا چاہئے۔

ترجمہ۵۹۴: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ جب مؤذن اذان کہتا تھا، تو کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کے اصحاب میں سے ستونوں کے پاس چلے جاتے تھے، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ تشریف لاتے اور وہ اسی طرح مغرب سے پہلے دو رکعت نماز پڑھتے ہوتے تھے، اور اذان اور اقامت کے درمیان میں کچھ فصل نہ ہوتا تھا، اور عثمان بن جبلہ اور ابو داؤد شعبہ سے ناقل ہیں کہ ان دونوں کے درمیان بہت ہی تھوڑا فصل ہوتا تھا۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: حنفیہ کے نزدیک اذان واقامت کے درمیان اتنا فاصلہ ہونا چاہئے کہ ایک شخص اپنی ضرورت بول و براز کی پوری کر کے نماز جماعت میں شریک ہو سکے، اور ترمذی شریف میں حدیث بھی ہے اگرچہ وہ ضعیف ہے کہ اذان واقامت میں اتنا فصل ہونا چاہئے کہ کھانے والا کھانے سے اور پینے والے اس سے اور بول و براز والا اپنی حاجت سے فارغ ہو سکے۔ البتہ مغرب کی نماز میں

عجلت بہتر ہے، اسی لئے بعض صحابہ سے جو منقول ہے کہ وہ فرضِ مغرب سے قبل دو رکعت پڑھتے تھے، اس کو عام کتب حنفیہ میں مکروہ کہا گیا ہے، لیکن شیخ ابن ہمام نے ان کو مباح قرار دیا ہے اور یہی بہتر و معتمد قول ہے، امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ مختصر ہلکی دو رکعت پڑھ لے، امام احمد نے ثبوت کی رعایت سے صرف ایک بار پڑھی ہیں، کما فی العمدہ، اس میں حافظ کو غلط فہمی ہوگئی کہ امام احمد نے ایک بار پڑھی تھی پھر جب حدیث پہنچی تو مستقل طور سے پڑھنے لگے۔

روایت المعنی: حضرتؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک حدیثِ مرفوع تو عام ہی ہے کہ ہر اذان و اقامت کے درمیان نماز کا وقت ہے، پھر دوسری روایات میں مغرب کا استثناء بھی آیا ہے، مگر راوی نے مغرب کو بھی حدیث عام کے تحت سمجھا اور حدیث کو روایت المعنی کے طور پر نقل کر دیا۔ جس میں مفہوم و معنی حدیث کو راوی بیان کرتا ہے دوسری صورت روایت بالمعنی کی ہوتی ہے کہ اس میں راوی الفاظ حدیث کو بھی ذہن میں رکھتا ہے، اور ان کی رعایت کر کے روایت بالمعنی کرتا ہے، لہٰذا روایت المعنی اور روایت بالمعنی کے فرق کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

حضرتؒ نے فرمایا:۔ مذہب منصور، مذہب جمہور ہی ہے، جس کو امام نووی نے بھی مان لیا ہے، لیکن عجیب بات ہے کہ علامہ نووی نے اس امر کو تسلیم کر کے بھی کہ خلفائے اربعہ اور دیگر صحابہ کا عمل ترک رکعتین قبل المغرب کا تھا، امام ابوحنیفہ پر رد کیا ہے، عدل و انصاف کا طریقہ یہ نہ تھا۔

بعض حضرات نے اس کو منسوخ کہا ہے، مگر میرے نزدیک اس کی ضرورت نہیں، بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہے کہ ایک زمانہ میں صحابہ نے دو رکعت مغرب سے قبل پڑھی ہیں، لیکن پھر یہ عمل چھوٹ گیا اور ترک ہی پر تعامل ہوگیا۔ نسخ کی صورت میں اس کی مشروعیت ختم ماننی پڑتی ہے۔ عمل نہ رہا، تو یہ نسخ و عدم مشروعیت کو مستلزم نہ ہوگا۔

ہمارے حضرتؒ کی رائے ''نسخ'' کے لئے کم سے کم تھی، اور وہ اسی طرح بہت سے مسائل میں...... رائے رکھتے تھے یعنی مشروعیت فی نفسہا باقی رکھ کر ترک عمل کا فیصلہ فرمایا کرتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حاشیۂ لامع الدراری ص۲۴۲\۱ میں ہے کہ حافظ نے فرمایا کہ امام بخاری نے اسنادِ حدیثِ ترمذی کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس پر شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے لکھا کہ میرے نزدیک اوجہ یہ ہے کہ امام بخاری نے تقویۂ معنی حدیث الترمذی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

باب من انتظر الاقامة

(اس شخص کا بیان جو اقامت کا انتظار کرے)

۵۹۵: حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعیب عن الزهری قال اخبرنی عروة بن الزبیر ان عآئشة رضی الله عنها قالت کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا سکت المؤذن بالاولیٰ من صلوة الفجر قام و رکع رکعتین خفیفتین قبل صلوة الفجر بعد ان یستبین الفجر ثم اضطجع علیٰ شقه الایمن حتیٰ یاتیه المؤذن للاقامة

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ (کی یہ عادت تھی کہ) جب مؤذن فجر کی اذان کہہ کر چپ ہو جاتا، تو آپ فجر کے فرض سے پہلے بعد صبح ہو جانے کے دو رکعتیں ہلکی سی پڑھ لیتے تھے، پھر اپنے بائیں پہلو پر آرام فرماتے تا آنکہ مؤذن اقامت کے لئے آپ کے پاس آتا (پھر آپ اٹھ جاتے)۔

تشریح: یعنی اگر کوئی شخص گھر میں بیٹھ کر اقامت کا انتظار کرے تو یہ بھی جائز ہے۔ حافظ نے بھی لکھا کہ امام بخاری نے یہ بتلایا کہ اقامت کا انتظار امام ہی کے لئے خاص نہیں، کیونکہ مقتدی کو بھی صف اول کا ثواب حاصل کرنا ہے لہٰذا وہ بھی اگر گھر قریب ہو تو اقامت سن کر مسجد میں جا سکتا ہے۔

باب بین کل اذانین صلوٰۃ لمن شآء

(اگرکوئی چاہےتو ہراذان واقامت کے درمیان نماز پڑھ سکتا ہے)

۵۹۶: حدثنا عبدالله بن یزید قال حدثنا کھمس بن الحسن عن عبدالله بن بریدة عن عبدالله بن مغفل قال قال النبی صلے الله علیه وسلم بین کل اذانین صلوٰۃ بین کل اذانین صلوٰۃ قال فی الثالثۃ لمن شآء

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفلؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ نے فرمایا ہے:۔ دواذانوں (یعنی اذان واقامت) کے درمیان ایک نماز ہے (دومرتبہ یہی فرمایا) تیسری مرتبہ فرمایا اگرکوئی پڑھنا چاہے۔

تشریح: علامہ عینی نے لکھا کہ اس میں تکرار نہیں ہے، کیونکہ پہلے اجمالی بیان مضمون حدیث الباب کا ہوا تھا، یہاں حدیث کا مکمل مضمون درج ہوا ہے۔شیخ الحدیث نے فرمایا کہ میرے نزدیک یہ بتلایا کہ روایت کے بارے میں قولی وفعلی روایات سے وجوب نہ سمجھا جائے، کیونکہ لمن شاء وارد ہے۔

باب من قال لیؤذن فی السفر مؤذن واحد

کیا سفر میں ایک ہی موذن کواذان دینی چاہئے (یعنی جس طرح حضر میں دوموذنوں کا اذان دینا درست ہے' کیا یہ بات سفر میں بھی درست ہوگی؟)

۵۹۷: حدثنا معلی بن اسد قال حدثنا وھیب عن ابی ایوب عن ابی قلابة عن مالک بن الحویرث قال اتیت النبی صلی الله علیه وسلم فی نفر من قومی فاقمنا عنده' عشرین لیلة وکان رحیماً رفیقاً فلما رای شوقنا الیٰ اھلینا قال ارجعوا فکونوا فیھم وعلموھم وصلوافاذا حضرت الصلوٰۃ فلیؤذن لکم احدکم ولیؤمکم اکبرکم

ترجمہ: حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ نبی کریم علیہ کی خدمت میں حاضر ہوکر بیس یوم تک مقیم رہا، ہم نے آپ کونہایت رحم دل اور مہربانی کرنے والا پایا (چنانچہ اتنا عرصہ مقیم رہنے کے بعد) جب آپ نے ہمارا) اشتیاق اپنے گھر والوں کی طرف محسوس کیا تو ارشادفرمایا کہ تم لوٹ جاؤ، اور اپنے گھر والوں میں رہو، اورانہیں (دین کی) تعلیم دو۔ اور نماز پڑھا کروجب نماز کا وقت آجایا کرے، توتم میں سے کوئی شخص اذان دے دیا کرے اورتم سب میں بزرگ آدمی تمہاراامام ہوگا۔

تشریح: آپ کے رحم دل ہونے کی یہ دلیل ہے کہ جب آپ کو یہ محسوس ہوا کہ ہم اپنے گھروں کو واپس جانا چاہتے ہیں تو فوراً ہماری خواہش ظاہر کئے بغیرازخوداجازت دے دی۔

اس میں جہاں ترجمۃ الباب کا مضمون ثابت ہوا یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور اکرام علیہ کتنے بڑے رحم دل تھے، جب آپ نے یہ محسوس فرمایا کہ وہ لوگ اپنے گھروں کوواپس جانا چاہتے ہیں تو فوراً ہی ان کی خواہش وطلب کے بغیرخود ہی اجازت دے دی۔

باب الاذان للمسافر اذا كانوا جماعة والاقامة وكذلك بعرفة وجمع وقول المؤذن الصلوٰة في الرجال في ليلة الباردة او المطيرة

(مسافر کے لئے اگر جماعت ہو تو اذان واقامت کہنے کا بیان اور اسی طرح مقام عرفات اور مزدلفہ میں بھی اور سردی والی رات یا پانی برسنے کی رات میں مؤذن کا یہ کہنا کہ الصلوٰة في الرحال (نماز اپنی قیام گاہوں میں پڑھ لو)

۵۹۸: حدثنا مسلم بن ابراهيم قال حدثنا شعبة عن المهاجر ابى الحسن عن زيد بن وهب عن ابى ذرقال كنا مع النبى صلے الله عليه وسلم فى سفر فارادالمؤذن ان يؤذن فقال له' ابرد ثم ارادان يوذن فقال له' ابردثم ارادان يؤذن فقال له' ابرد حتىٰ ساوى الظل التلول فقال النبى صلے الله عليه وسلم ان شدة الحرمن فيح جهنم

ترجمہ ۵۹۸: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، کہ ہم کسی سفر میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے موذن نے (ظہر کی) اذان دینی چاہی آپ نے اس سے فرمایا کہ (ابھی ذرا) ٹھنڈ ہو جانے دو، پھر اس نے چاہا کہ اذان دے آپ نے پھر اس سے فرمایا، کہ (ابھی ذرا اور) ٹھنڈ ہو جانے دو، یہاں تک کہ سایہ ٹیلوں کے برابر ہوگیا، پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا، کہ گرمی کی شدت جہنم کی لپٹ سے ہوتی ہے۔

تشریح: حدیث نمبر ۵۹۸ مذہب حنفی کی قوی مؤید ہے کہ موسم گرما میں ٹھنڈے وقت نماز پڑھنا مستحب ہے، اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جن احادیث میں آفتاب ڈھل جانے کے فوراً بعد حضور ﷺ کا ظہر کی نماز ادا فرمانے کا ذکر آیا ہے، اور یہ بھی ذکر آیا ہے کہ بعض صحابہ گرمی کی شدت کی بنا پر اپنے کپڑے کو بچھا کر سجدہ کرتے تھے، وہ احادیث ابتداء حالات کی ہیں، کیونکہ حدیث ہذا میں مؤذن کا اذان دینے کا ارادہ کرنا، اور حضور ﷺ کا روکنا، پھر اور پھر یہ بتا رہا ہے کہ مؤذن نے مدینہ کے سابقہ عمل کے پیش نظر یہاں بھی عمل کرنا چاہا، اسی وجہ سے حضور انور نے منع فرمایا اور بہت ممکن ہے کہ اس کے بعد سے حضور کا عمل یہی ہو گیا ہو، کہ موسم سرما میں اول وقت میں ادا فرماتے ہوں اور گرمی کی شدت کے زمانہ میں ٹھنڈے وقت میں، یہ کہہ دینا کہ یہ واقعہ سفر کا ہے، اس لئے سفر کے موقعہ پر اجازت نکلتی ہے، جس طرح بعض دیگر امور سفر کے ساتھ مخصوص ہیں، یہ بھی ایک خصوصیت ہے درست نہیں، اس لئے کہ ٹھنڈے وقت میں نماز پڑھنے کی علت سفر و حضر دونوں میں یکساں ہے، اور وہ گرمی کی شدت ہے، گرمی کی شدت جس طرح سفر میں اذیت کا باعث ہے۔ اسی طرح حضر میں بھی ہے۔

۵۹۹: حدثنا محمد بن يوسف قال حدثنا سفين عن خالد ن الحذآء عن ابى قلابة عن مالک بن الحويرث قال اتىٰ رجلان النبى صلى الله عليه وسلم يريدان السفر فقال النبى صلے الله عليه وسلم اذاانتما خرجتما فاذنا ثم اقيما ثم ليؤمكما اكبركما

ترجمہ ۵۹۹: حضرت مالک بن حویرثؓ کہتے ہیں کہ دو شخص نبی کریم ﷺ کے پاس سفر کے ارادے سے آئے تو ان سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم نکلو (اور نماز کا وقت آجائے) تو تم اذان دو، پھر اقامت کہو، اس کے بعد تم میں جو بزرگ ہو، وہ امام بنے۔

۶۰۰: حدثنا محمد بن المثنىٰ قال اخبرنا عبدالوهاب قال اخبرنا ايوب عن ابى قلابة قال حدثنا مالک

قال اتینا النبی صلے اللہ علیہ وسلم و نحن شببة متقاربون فاقمنا عندہ عشرین یوماً ولیلةً و کان رسول اللہ علیہ وسلم رحیماً رفیقاً فلماظن انا قد اشتھینا اھلنا اوقداشتقنا سألنا عمن ترکنا بعدنا فاخبرناہ فقال ارجعوآ الیٰ اھلیکم فاقیموا فیھم وعلموھم ومروھم وذکر اشیآء احفظھا اولآ احفظھا وصلوا کمارایتمونی اصلی فاذاحضرت الصلوٰة فلیؤذن لکم احدکم ولیؤمکم اکبرکم

ترجمہ۶۰۰: حضرت مالک (ابن حویرث) کہتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس آئے، اور ہم چند (تقریباً) برابر کی عمر کے جوان تھے بیش شب و روز ہم آپ کی خدمت میں رہے، اور رسول اللہ ﷺ نرم دل مہربان تھے، جب آپ نے خیال کیا کہ ہم کو اپنے گھر والوں کے پاس (پہنچنے کا) اشتیاق ستا رہا ہے، تو ہم سے ان کا حال پوچھا، جن کو ہم اپنے پیچھے چھوڑ آئے تھے ہم نے آپ کو سب کچھ بتایا۔ پس آپ نے فرمایا کہ واپس لوٹ جاؤ اور ان ہی لوگوں میں رہو اور ان کو تعلیم دو، اور (اچھی باتوں کا) حکم دو۔ اور چند باتیں آپ نے بیان فرمائیں (جن کی نسبت مالکؓ نے کہا) مجھے یاد ہیں یا یہ کہا کہ یاد نہیں رہیں اور جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے، اسی طرح نماز پڑھا کرو، اور جب نماز کا وقت آجائے، تو تم میں سے کوئی شخص اذان دے دے، اور تم میں سے بڑا تمہارا امام بنے۔

۶۰۱: حدثنا مسدد قال حدثنا یحییٰ عن عبیداللہ بن عمر قال حدثنی نافع قال اذن ابن عمر فی لیلة باردة بضجنان ثم قال صلوافی رحالکم واخبرنا ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان یامرمؤذناً یؤذن ثم یقول علیٰ اثرہ الاصلوافی الرحال فی اللیلة الباردة اوالمطیرة فی السفر

ترجمہ۶۰۱: حضرت نافعؒ روایت کرتے ہیں، کہ حضرت ابن عمرؓ نے ایک سردی کی رات کو ضجنان (نامی پہاڑی) پر (چڑھ کر) اذان دی اذان دینے کے بعد یہ کہہ دیا کہ صلوا فی رحالکم اور ہم سے بیان کیا، کہ رسولِ خدا ﷺ سردی بارش کی شب کو بحالتِ سفر موذن کو حکم دے دیتے تھے کہ اذان کے بعد وہ یہ کہہ دے کہ الا صلوا فی الرجال (اپنی فرودگاہوں میں نماز پڑھ لو)۔

۶۰۲: حدثنا اسحٰق قال اخبرنا جعفر بن عون قال حدثنا ابو العمیس عن عون بن ابی جحیفة عن ابیہ قال رأیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بالابطح فجآءہ بلال فاذنہ بالصلوٰة خرج بلال بالعنزة حتیٰ رکزھا بین یدی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم باالابطح واقام الصلوٰة

ترجمہ۶۰۲: حضرت ابوجحیفہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا ﷺ کو (وادی ابطح میں دیکھا کہ آپ کے پاس بلال نے آکر آپ کو نماز کی اطلاع دی، پھر تیزہ لے کر چلے اور اس کو رسولِ خدا ﷺ کے آگے (وادی) ابطح میں گاڑ دیا، اور آپ نے نماز پڑھائی۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حنفیہ کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ مسافر اذان و اقامت دونوں کہے، اور اگر اقامت پر اکتفا کرے تو یہ بھی جائز ہے۔ اگر دونوں کو ترک کرے گا تو مکروہ ہے گناہ گار ہوگا، اور جماعت کی قید سے منفرد کے لئے توسع ثابت ہوا۔

باب هل يتتبع المؤذن فاه' هٰهنا و هٰهنا وهل يلتفت في الاذان يذكر عن بلالؓ انه' جعل اصبعيه في اذنيه وكان ابن عمر لايجعل اصبعيه في اذنيه وقال ابراهيم لاباس ان يؤذن علےٰ غير وضوء وقال عطآء الوضوٓء حق و سنة و قالت عآئشة كان النبي صلے الله عليه وسلم يذكر الله علىٰ كل احيانه

(کیامؤذن اپنامنہ اِدھراُدھرپھیرے'اورکیاوہ اذان میں اِدھراُدھر دیکھ سکتا ہے'بلالؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنی دوانگلیاں اپنے دونوں کانوں میں ڈالیں' اورابن عمرؓ اپنے کانوں میں انگلیاں نہیں دیتے تھے' ابراہیم کہتے ہیں کہ بغیر وضو کے اذان دینے میں کچھ مضائقہ نہیں عطاء کا قول ہے کہ(اذان کے لئے) وضوثابت ہے اور مسنون ہے' اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام اوقات میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرتے تھے)

۶۰۳: حدثنا محمد بن يوسف قال حدثنا سفيٰن عن عون بن ابي جحيفة عن ابيه انه' رایٰ بلالا يؤذن فجعلت اتتبع فاه هٰهنا و هٰهنا بالاذان.

ترجمہ: حضرت ابوجحیفہؓ روایت کرتے ہیں، کہ میں نے بلالؓ کو اذان دینے میں ان کو اپنا منہ اذان دیتے وقت ادھرادھر کرتے پایا۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔اذان کے وقت انگلیاں کان میں ڈالنے اور کان کے سوراخ بند کرنے کی حکمتِ عملی یہ ہے کہ سانس بند ہوکر آواز میں قوت آجاتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کانوں پر یوں ہی اوپر سے ہاتھ رکھ لینا کافی نہیں اور نہ اس سے سنت ادا ہوتی ہے۔حضرت ابن عمرؓ کو حدیث نہ پہنچی ہوگی، یا ضروری نہ سمجھ کر اس کو ترک کیا ہوگا۔

اذان میں قبلہ کے رخ سے سینہ پھرانا نہ چاہئے، حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح کے وقت صرف منہ کو داہنے بائیں کیا جائیگا۔

امام بخاریؒ نے ابراہیم سے نقل کیا کہ بغیر وضوء کے اذان میں کوئی حرج نہیں، ہمارے حنفیہ کے دو قول ہیں، ایک مطلقاً کراہت کا ہے اور حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہی قول میرا مختار ہے، کیونکہ حدیث کے موافق ہے اگرچہ اس کی سند ضعیف ہے۔دوسرا قول صرف اقامت کی کراہت کا ہے، امام بخاری چونکہ مسِ مصحف اور دخولِ مسجد وغیرہ میں بھی توسع کرتے ہیں، اس لئے یہاں بھی ان کے نزدیک توسع ہوگا۔

باب قول الرجل فاتتنا الصلوٰة وكره ابن سيرين ان يقول فاتتنا الصلوٰة وليقل لم ندرک وقول النبي صلے الله عليه وسلم اصح

(آدمی کا یہ کہنا کہ ہماری نماز جاتی رہی' مکروہ سمجھا ہے' اس طرح کہنا چاہئے کہ ہم نے نماز نہیں پائی' مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بہت درست ہے)

۶۰۴: حدثنا ابو نعيم قال حدثنا شيبان عن يحيىٰ عن عبدالله بن ابي قتادة عن ابيه قال بينما نحن نصلي مع النبي صلے الله عليه وسلم اذسمع جلبة رجال فلما صلےٰ قال ماشانكم قالوا استعجلنا الى الصلوة قال فلا تفعلوا اذآ اتيتم الصلوة فعليكم السكينة فماادركتم فصلوا وما فاتكم فاتموا

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھ رہے تھے آپ نے کچھ لوگوں کی آوازسنی، جب آپ نماز پڑھ چکے تو فرمایا، کہ تمہارا کیا حال ہے (یعنی یہ شور کیوں ہوا) انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے نماز کے لئے عجلت کی، آپ نے فرمایا۔اب ایسا نہ کرنا، جب تم نماز کے لئے آؤ، تو نہایت اطمینان سے آؤ، پھر جس قدر نماز پاؤ اس قدر پڑھو اور جس قدر تم سے جاتی رہے اس کو پورا کرلو۔

تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ ابن سیرین کی ناپسندیدگی کا تعلق تہذیب الفاظ سے ہے، جس طرح شریعت نے عتمہ کا اطلاق عشاپر اور یثرب کا اطلاق مدینہ طیبہ پر ناپسند کیا ہے۔ اوراس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نظر شریعت میں جماعت کا فوت ہوجانا نماز کے فوت ہوجانے کے برابر ہے۔

باب مآادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا قاله' ابو قتاده عن النبی ﷺ

(اس امر کا بیان) کہ جس قدر نماز تم کو مل جائے پڑھ لو اور جس قدر تم سے چھوٹ جائے اس کو پورا کرلو۔ اس کو ابو قتادہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے

۶۰۵: حدثنا آدم قال حدثنا ابن ابی ذئب قال حدثنا الزهری عن سعید ابن المسیب عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم و عن الزهری عن ابی سلمة عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال اذا سمعتم الاقامة فامشوآ الی الصلوٰة وعلیکم السکینة والوقارولاتسرعوا فما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، جب تم اقامت سنو تو نماز کے لئے وقار اور اطمینان کو اختیار کئے ہوئے چلو، اور دوڑو نہیں، پھر جس قدر نماز تمہیں مل جائے پڑھ لو، اور جس قدر چھوٹ جائے، اس کو بعد میں پورا کرلو۔

تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ حدیث الباب کے تحت ترتیب صلوٰۃ مسبوق کی بحث آجاتی ہے، حنفیہ کے یہاں یہ ہے کہ امام کے ساتھ وہ جتنی نماز پڑھتا ہے، وہ اس کے لئے بھی آخری حصہ ہے، اور امام کے بعد وہ اپنی پہلی رہی ہوئی نماز ادا کرے گا، گویا مسبوق اپنی پہلی باقی ماندہ نماز میں منفرد جیسا ہوگا۔ کیونکہ حدیث میں لفظ فوات وارد ہے اور دوسری احادیث میں وما فاتکم فاقضوا بھی آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلا حصہ فوت ہو چکا ہے، اور اس کو امام کے بعد قضا کرے گا۔ شیخ اکبرؒ نے بھی فرمایا کہ مسبوق باقی نماز کو قضا کرتا ہے۔ شافعیہؒ کہتے ہیں کہ امام کے ساتھ جتنی نماز ملی، وہ مسبوق کے لئے پہلا حصہ ہے، اور امام کے بعد وہ اپنی باقی کو پورا کرے گا۔ کیونکہ حدیث میں اتمام ہے، اور اتمام آخری حصہ کو ادا کرنے کا نام ہے، حضرتؒ نے فرمایا کہ تاویل دونوں کے لئے ممکن ہے، اور ہمارے لئے اس بارے میں دو حدیث اور بھی ہیں جن کو "فصل الخطاب" میں ذکر کیا ہے۔

باب متیٰ یقوم الناس اذارأو االامام عندالاقامة

(تکبیر کے وقت جب امام کو دیکھ لیں' تو کس وقت کھڑے ہوں)

۶۰۶: حدثنا مسلم بن ابراهیم قال حدثنا هشام قال کتب الی یحییٰ عن عبدالله بن ابی قتادة عن ابیه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا اقیمت الصلوٰة فلاتقوموا حتی ترونی.

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ نماز کی اقامت کے وقت جب تک مجھے نہ دیکھ لو، اس وقت تک کھڑے نہ ہوا کرو۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ بعض احادیث سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرامؓ نمازِ جماعت کی اقامت پوری ہونے کے بعد کھڑے ہوتے تھے، اور بعض سے یہ کہ اقامت کے دوران کھڑے ہوتے تھے اور ہماری کتب فقہ حنفی میں بھی دونوں طرح ہے، درمختار کا حاشیہ طحطاوی دیکھا جائے، تنقیح مسئلہ یہ ہے کہ اگر امام مسجد سے باہر ہو تو اس کے مسجد میں داخل ہونے پر صفیں درست کرنے کے لئے کھڑے ہوں، اگر وہ مسجد کے اندر ہی ہے تو جب وہ اپنی جگہ سے امامت کے لئے اٹھے، اس وقت کھڑے ہوں، پھر یہ مسئلہ نفسِ صلوٰۃ سے متعلق نہیں ہے بلکہ

آدابِ صلوٰۃ کا ہے، اس لئے اگر کوئی پہلے سے کھڑا ہو جائے تب بھی گناہ گار نہ ہوگا۔ یہ بھی علماء سے مروی ہے کہ حضرت بلالؓ منتظر رہتے تھے حضور علیہ السلام کے گھر سے نکلنے پر اقامت کہتے تھے، اور دوسرے صحابۂ کرام آپ کو صف میں آجانے پر دیکھتے تھے، تو اس وقت کھڑے ہو جاتے تھے، اس طرح جب حضور علیہ السلام مصلے پر پہنچتے تھے تو اقامت پوری ہونے تک صفیں درست ہو چکی ہوتی تھیں۔ باقی آپ کو دیکھنے سے قبل کوئی کھڑا نہ ہوتا تھا کہ یہ عبث بھی تھا۔

باب لایقوم الی الصلوٰۃ مستعجلاً ولیقم الیها بالسکینة والوقار

(نماز کے لئے جلدی سے نہ اُٹھے، بلکہ اطمینان اور وقار کے ساتھ اٹھے)

۶۰۷: حدثنا ابو نعیم قال حدثنا شیبان عن یحییٰ عن عبداللہ بن ابی قتادۃ عن ابیه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتیٰ ترونی و علیکم السکینة تابعه علی بن المبارک

ترجمہ: حضرت ابو قتادہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب نماز کی اقامت کہی جائے، تو تم اس وقت تک نہ کھڑے ہو، جب تک کہ مجھے نہ دیکھ لو، وار اپنے اوپر اطمینان کو لازم سمجھو (علی بن مبارک نے اس کی متابعت کی ہے)۔

تشریح: حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے لکھا۔ شارحین نے غرضِ ترجمۃ الباب نہیں لکھی، میرے نزدیک اشارہ ہے قولِ باری تعالیٰ **اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعة فاسعوا** الآیۃ کی طرف کہ بظاہر آیتِ مذکورہ سے حدیث الباب متعارض معلوم ہوتی ہے، حافظؒ نے لکھا کہ سعی سے مراد آیت میں اس کام کے لئے آگے بڑھنا ہے اور حدیث میں دوڑنا ہے نماز کی طرف دوڑ کر جانا وقار و سکینت اور آدابِ صلوٰۃ کے خلاف ہے۔ (الابواب ص۲۵۹\۲)

باب هل یخرج من المسجد لعلة

(کیا مسجد سے کسی عذر کی بنا پر نکل سکتا ہے؟)

۶۰۸: حدثنا عبدالعزیز بن عبداللہ قال حدثنا ابراهیم بن سعد عن صالح ابن کیسان عن ابن شهاب عن ابی سلمة عن ابی هریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم خرج وقد اقیمت الصلوٰۃ وعدلت الصفوف حتیٰ اذا قام فی مصلاہ انتظرنا ان یکبر انصرف قال علیٰ مکانتکم فمکثنا علیٰ هیئتنا حتیٰ خرج الینا ینطف راسه مآء وقد اغتسل

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ (ایک مرتبہ مسجد سے) باہر چلے گئے حالانکہ نماز کی اقامت ہو چکی تھی، اور صفیں بھی برابر کر لی گئی تھیں، جب آپ (واپس آکر) اپنے مصلے میں کھڑے ہو گئے، ہم منتظر رہے، کہ اب آپ تکبیر کہیں گے (لیکن) آپ پھر گئے (اور ہم سے) فرمایا، کہ اپنی جگہ پر رہو، ہم بحال خود کھڑے رہے (تھوڑے عرصہ میں) آپ ہمارے پاس تشریف لائے، اور آپ کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا، آپ نے غسل کیا تھا۔

تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک شخص کو دیکھا مسجد سے بعد اذان کے نکل کر جا رہا ہے آپ نے فرمایا کہ اس شخص نے حضور اکرم ﷺ کی نافرمانی کی۔ اس لئے امام بخاریؒ نے حدیث الباب سے ثابت کیا کہ کسی ضرورت کے تحت نکلنے کی اجازت بھی ہے۔ فقہ حنفی کی کتاب بحر میں بھی ہے کہ جو شخص لوٹنے کے ارادہ سے نکلے یا اس کو کسی دوسری جگہ امامت ہی کرانی ہو تو اس کو اجازت ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عام حکم شرعی کو رائے سے خاص بھی کر سکتے ہیں اگر چہ ابتداءً ہی ہو، بشرطیکہ حکمِ شرعی کی وجہ جلی و واضح

ہو۔جس طرح حضرت عمرؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو"من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ" کے اعلان سے روک دیا تھا،اور پھر حضور علیہ السلام نے بھی اس پر رضامندی عطا فرمادی تھی،ایسا ہی فقہاء مجتہدین سے بھی ثابت ہے اس لئے اس کو عمل بالرائے سے مطعون نہیں کرسکتے۔

باب اذا قال الامام مکانکم حتیٰ یرجع انتظروہ

اگر امام کہے کہ اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو،جب تک کہ میں لوٹ کر نہ آؤں،تو مقتدی اس کا انتظار کریں

۶۰۹: حدثنا اسحٰق قال اخبرنا محمد بن یوسف قال حدثنا الاوزاعی عن الزہری عن ابی سلمۃ بن عبدالرحمٰن عن ابی ہریرۃ قال اقیمت الصلوٰۃ فسوی الناس صفوفھم فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتقدم و ھو جنب ثم قال علیٰ مکانکم فرجع فاغتسل ثم خرج وراسہ' یقطر مآء فصلے بھم

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نماز کی اقامت ہوگئی،اورلوگوں نے اپنی صفیں برابر کرلیں،اتنے میں رسول خدا ﷺ باہر نکلے اور آگے بڑھ گئے،حالانکہ آپ جنب تھے (یاد آنے پر) فرمایا کہ تم لوگ اپنی جگہ پر کھڑے رہو،چنانچہ آپ لوٹ گئے،اور آپ نے غسل فرمایا،پھر باہر تشریف لائے،تو آپ کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا،اب آپ نے نماز پڑھائی۔

تشریح: حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ جب کوئی امام کسی ضرورت سے درمیان نماز کے چلا جائے اور کسی قرینہ سے معلوم ہو کہ لوٹ کر آئے گا تو اس کا انتظار کرنا چاہئے،ورنہ دوسرا امام آگے بڑھ کر نماز پوری کرادے گا۔ (لامع الدراری)

باب قول الرجل ما صلینا

۶۱۰: حدثنا ابو نعیم قال حدثنا شیبان عن یحیٰ قال سمعت اباسلمۃ یقول انا جابر عن عبداللہ ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم جآء ہ عمر بن الخطاب یوم الخندق فقال یا رسول اللہ واللہ ما کدت ان اصلی حتیٰ کادت الشمس تغرب وذٰلک بعد ما افطر الصآئم فقال النبی صلے اللہ علیہ وسلم واللہ ما صلیتھا فنزل النبی صلے اللہ علیہ وسلم الیٰ بطحان وانا معہ' فتوضأ ثم صلے العصر بعدما غربت الشمس ثم صلے بعدھا المغرب

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ خندق کے دن حضرت عمر بن الخطابؓ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! واللہ میں نے اب تک عصر کی نماز نہیں پڑھی،اور آفتاب غروب ہوگیا ہے (حضرت عمرؓ کا) یہ کہنا ایسے وقت تھا،کہ روزہ دار کے افطار کا وقت ہوجاتا ہے،نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ واللہ! میں نے بھی عصر کی نماز نہیں پڑھی،پس نبی کریم ﷺ بطحان میں اترے اور میں آپ کے ہمراہ تھا،آپ نے وضو فرمایا اور آفتاب غروب ہوجانے کے بعد پہلے عصر کی نماز پڑھی،اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔

تشریح: حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا کہ''امام بخاری اس سے تہذیب الفاظ کا سبق دینا چاہتے ہیں،لیکن استدلال اگر خود حضور علیہ السلام کے قول واللہ ما صلیتھا سے ہوتا تو زیادہ مناسب تھا''۔ (الابواب والتراجم)

باب الامام تعرض له' الحاجة بعدالآقامة

۶۱۱: حدثنا ابو معمر عبدالله بن عمرو قال حدثنا عبدالوارث قال حدثنا عبدالعزيز هو ابن صهيب عن انس قال اقيمت الصلوٰة والنبی صلے الله عليه وسلم يناجی رجلاً فی جانب المسجد فما قام الی الصلوٰة حتیٰ نام القوم

ترجمہ: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نماز کی اقامت ہوگئی اور نبی کریم ﷺ مسجد کے ایک گوشہ میں کسی شخص سے آہستہ باتیں کررہے تھے، پس آپ نماز کے لئے کھڑے ہوئے، یہاں تک کہ بعض لوگ اونگنے لگے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ درمختار وغیرہ کتب حنفیہ میں ہے کہ امام اگر کسی مصروفیت یا ضرورت کی وجہ سے اقامت کے بعد دیر تک نماز شروع نہ کرے تو اقامت کا اعادہ ہونا چاہئے، ورنہ نہیں، فاصلہ یا تاخیر کتنی ہو اس کا تعین دشوار ہے۔

باب الکلام اذااقيمت الصلوٰة

(اقامت ہوجانے کے بعد کلام کرنے کا بیان)

۶۱۲: حدثنا عياش بن الوليد قال حدثنا عبدالاعلیٰ ثنا حميد قال سالت ثابت البنانی عن الرجل يتكلم بعد ماتقام الصلوٰة فحدثنی عن انس بن مالک قال اقيمت الصلوٰة فعرض للنبی صلے الله عليه وسلم رجل فحبسه' بعد مآ اقيمت الصلوٰة

ترجمہ: حمید روایت کرتے ہیں کہ میں نے ثابت بنانی سے اس شخص کی بابت پوچھا جو نماز کی اقامت ہوجانے کے بعد کلام کرے، انہوں نے مجھ سے حضرت انس بن مالکؓ کی حدیث بیان کی، کہ انہوں نے کہا (ایک مرتبہ) نماز کی اقامت ہوچکی تھی، اتنے میں نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص آگیا، اس نے آپ کو اقامت ہوجانے کے بعد روک لیا (اور باتیں کرتا رہا)

تشریح: حافظؒ نے فرمایا کہ غرضِ بخاری مطلقاً کراہتِ کلام کا رد ہے، علامہ عینیؒ نے فرمایا کہ حدیث سے جواز کلام بعدالاقامۃ ثابت ہے، اور حنفیہ کے نزدیک بھی اقامت وتکبیر تحریمہ کے درمیان بات کرنے کی کراہت جب ہے کہ بلاضرورت ایسا کیا جائے، یعنی کسی امر شرعی ودینی کے لئے کلام ہو تو پھر کراہت نہ ہوگی۔

باب وجوب صلوٰة الجماعة وقال الحسن ان منعته امه' عن العشآء فی الجماعة شفقة لم يطعها

(نماز باجماعت کے واجب ہونے کا بیان' حسن (بصری) نے کہا ہے' کہ اگر کسی شخص کی ماں ازراہِ محبت عشاء کی نماز باجماعت پڑھنے سے منع کرے' تو وہ اس کا کہنا نہ مانے)

۶۱۳: حدثنا عبدالله بن يوسف قال اخبرنا مالک عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی هريرة ان رسول الله صلے الله عليه وسلم قال والذی نفسی بيده لقد هممت ان امر بحطب ليحطب ثم امر بالصلوٰة فيؤذن لها ثم امر رجلاً فيؤم الناس ثم اخالف الیٰ رجال فاحرق عليهم بيوتهم والذی نفسی بيده لويعلم احدهم انه' يجدعرقاً سميناً اومرماتين حسنتين لشهدالعشآء

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول خدا ﷺ نے فرمایا، کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میرا یہ ارادہ ہوا ہے کہ (اولا) لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں (اس کے بعد) حکم دوں، کہ عشائے کی نماز کوئی دوسرا شخص پڑھائے، اور میں (خود) کچھ (لوگوں کو ہمراہ لے کر) لوگوں کے گھروں تک پہنچوں، (جو عشاء کی نماز جماعت سے نہیں پڑھتے) اور ان کے گھروں کو آگ لگادوں، قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، کہ اگر ان میں سے کسی کو یہ معلوم ہوجائے کہ یہ فربہ ہڈی، یا دوعمدہ گوشت والی ہڈیاں پائے گا، تو یقیناً عشاء کی نماز میں آئے گا۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاریؒ نے جماعت کے وجوب کا قول اختیار کیا ہے، حنفیہ کے دوقول ہیں ایک وجوب کا دوسرا سنت موکدہ کا۔ صاحب بحر نے فیصلہ کردیا کہ ادنی وجوب اور اعلی سنت موکدہ کا درجہ ایک ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ سنن موکدہ میں سے اعلی درجہ کی سنت ہے، شافعیہ کے یہاں بھی دوقول ہیں، ایک فرض کفایہ کا دوسرا سنت موکدہ کا، امام احمد کا ایک قول فرض عین وشرط صحت صلوٰۃ کا ہے، دوسرا یہ کہ فرض تو ہے مگر شرط صحت صلوٰۃ نہیں۔ یہ اختلاف نظر معنوی پر مبنی ہے، ترک جماعت پر وعید کی احادیث پر نظر کی جائے تو فرض وواجب جیسا درجہ سمجھ میں آتا ہے اور اگر ان احادیث پر نظر کی جائے جن میں بظاہر معمولی اعذار کے سبب بھی ترک جماعت کی گنجائش نکلتی ہے تو اس کا درجہ سنت کا ہی ماننا پڑتا ہے۔ مثلاً آتا ہے کہ کھانے کی وجہ سے اور بارش، ظلمت، سخت گرمی، سخت سردی وغیرہ کے سبب ترک جائز ہے۔ کتب فقہ حنفی میں یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص فتاوی اور علمی تحقیقات کے لئے مراجعت ومطالعہ کتب میں زیادہ مشغول ہو تو اس کے لئے بھی ترک جماعت عذر ہے اور جائز ہے (اس سے معلوم ہوا کہ مفتی ومصنف ومدرس کے لئے مطالعہ کتب ومراجعت ضروری ہے، اور آج کل جو سطحیت وعدم اشتغال کی صورت ہوگئی ہے، اس سے علمی وتحقیقی شان زوال پذیر ہے)

لہٰذا اس کے بارے میں خلاف اتنا زیادہ نہیں، جتنا عام طور سے سمجھ لیا گیا ہے۔ مذاہب واعذار کی تفصیل اوجز میں دیکھی جائے، حنفیہ میں سے امام طحاوی وکرخی وغیرہ کا مختار یہ ہے کہ جماعت کی نماز فرض کفایہ ہے یعنی اگر کسی وقت نماز پر مسجد معطل ہو کہ کوئی بھی جماعت سے نہ پڑھے تو سب گناہ گار ہوں گے، اور اگر جماعت ہوتی رہے اور کوئی شخص کسی عذر سے شرکت نہ کرے اور تنہا پڑھ لے تو کوئی گناہ نہ ہوگا۔ (لامع ص ۲۴۴)

باب فضل صلوٰة الجماعة وكان الاسود اذا فاتته الجماعة ذهب الىٰ مسجد اٰخر وجآء انس بن مالک الى مسجد قد صلے فيه فاذن واقام وصلے جماعة

۶۱۴: حدثنا عبدالله بن يوسف قال اخبرنا مالک عن نافع عن عبدالله ابن عمر ان رسول الله صلے الله عليه وسلم قال صلوٰة الجماعة تفضل صلوٰة الفذبسبع و عشرين درجة

۶۱۵: حدثنا عبدالله بن يوسف قال حدثني الليث قال حدثني يزيدبن الهاد عن عبدالله بن خبابؓ عن ابي سعيد انه سمع النبي صلے الله عليه وسلم يقول صلوٰة الجماعة تفضل صلوٰة الفذ وبخمس و عشرين درجةً

۶۱۶: حدثنا موسىٰ بن اسمٰعيل قال حدثنا عبدالواحد قال حدثنا الاعمش قال سمعت اباصالح يقول سمعت اباهريرة يقول قال رسول الله صلے الله عليه وسلم صلوٰة الرجل في الجماعة تضعف علىٰ صلوٰته في بيته وفي سوقه خمسةً و عشرين ضعفاً و ذٰلک انه اذا توضأفاحسن الوضوٓء ثم خرج الى المسجد لايخرجه الا الصلوٰة لم يخط خطوطةً الا رفعت بها درجةً وحط عنه بها خطيٓئة فاذا صلے لم تنزل الملٰٓئكة تصلي عليه مادام في مصلاه اللهم صل عليه اللهم ارحمه ولايزال احدكم في صلوٰة ما انتظر الصلوٰة

ترجمہ ۶۱۴: حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جماعت کی نماز تنہا نماز پر ستائیس درجہ (ثواب میں) زیادہ ہے۔

ترجمہ ۶۱۵: حضرت ابوسعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جماعت کی نماز اکیلے شخص کی نماز سے پچیس درجے زیادہ فضیلت رکھتی ہے:۔

ترجمہ ۶۱۶: حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ آدمی کا جماعت سے نماز پڑھنا، اسکے اپنے گھر میں، اور اپنے بازار میں نماز پڑھنے سے پچیس درجہ (ثواب میں) زیادہ ہے کہ جب عمدہ طور پر وضو کر کے مسجد کی طرف چلے، اور محض نماز ہی کے لئے چلے تو جو قدم رکھے گا، اسکے عوض میں اس کا ایک درجہ بلند ہوگا، اور ایک گناہ اس کا معاف ہوگا، پھر جب وہ نماز پڑھ لے گا تو برابر فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہیں گے جب تک کہ وہ اپنے مصلی میں رہے گا، کہ یااللہ اس پر رحمت نازل فرما، یااللہ اس پر مہربانی فرما، اور تم میں سے ہر شخص جب تک کہ نماز کا انتظار کرتا ہے نماز میں متصور ہوتا ہے:۔

تشریح: حضرت ابوہریرہؓ پچیس درجے زیادہ ثواب روایت کرتے ہیں، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ستائیس درجے اور یہی روایت زیادہ قوی ہے۔

حافظ نے لکھا کہ علامہ ابن المنیرؒ نے امام بخاریؒ کے اس ترجمہ پر اعتراض کیا ہے کیونکہ اس سے پہلے باب میں وہ جماعت کا وجوب بتلا چکے ہیں تو اس کے بعد صرف فضیلت کا اثبات اس کے منافی یا بے فائدہ ہے (کیونکہ کسی امر کا حد وجوب یا فرض میں داخل ہوجانا ہی اس کے لئے ہزار فضیلتوں کا ضامن ہوجاتا ہے) پھر حافظ نے لکھا کہ علامہ نے اس کے لئے جواب دہی بھی طویل کی ہے، مگر اتنا ہی جواب کافی ہے کہ کسی شئی کا وجوب اس کے ذی فضیلت ہونے کے منافی نہیں ہے یا مقصود اظہار فضیلت بہ لحاظ منفرد کے ہے۔ اس کے بعد حافظ نے لکھا کہ امام بخاری کے اثر اسود و انس ذکر کرنے سے یہ مقصد معلوم ہوتا ہے کہ احادیث الباب میں جو فضیلت وارد ہے وہ صرف جماعت مسجد کے لئے ہے گھر وغیرہ کی جماعت کے لئے نہیں ہے، ورنہ حضرت اسودؓ دوسری مسجد میں نہ جاتے، اور حضرت انسؓ جماعت ثانیہ مسجد میں نہ کرتے۔ (فتح ص ۲/۸۹)

حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ جس مسجد میں حضرت انسؓ نے دوسری جماعت اذان و اقامت کے ساتھ کی تھی، وہ راستہ کی مسجد تھی، لہٰذا اس سے جماعت ثانیہ کا جواز نہیں نکلے گا، علامہ عینی نے لکھا کہ کسی مسجد میں جماعت ہوچکنے کے بعد مکرر جماعت کرنے میں اختلاف ہوا ہے، حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت علقمہ و اسود کے ساتھ جماعت ثانیہ کی ہے اور یہی قول حضرت عطاء کا ہے امام احمد و اسحق وغیرہ نے یہی مسلک اختیار کیا (وہ ہر مسجد میں بے تکلف کئی کئی جماعت کو جائز بلا کراہت کہتے ہیں)

حضرت سالم وغیرہ اس کو مکروہ کہتے ہیں اور یہی مسلک جمہور (امام ابوحنیفہ، امام مالک، ثوری، اوزاعی وغیرہ) کا ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ مسجد اگر راستہ پر ہو، جس کا کوئی امام مقرر نہ ہو تو اس میں کئی جماعت درست ہیں ورنہ تنہا پڑھنی چاہیئے۔ درمختار وغیرہ کتب حنفیہ میں ہے کہ اذان و اقامت کے ساتھ مسجد محلہ میں تکرار جماعت مکروہ ہے، اور مسجد طریق میں مکروہ نہیں اور اسی طرح جس میں کوئی امام و مؤذن مقرر نہ ہو۔

افادۂ انور: حضرتؒ نے فرمایا:۔ حضرت انسؓ نے جماعت ثانیہ مسجد محلہ میں نہیں کی تھی بلکہ مسجد بنی زریق میں کی تھی، اور کراہت کا مسئلہ مسجد محلہ سے متعلق ہے۔ اور حنفیہ میں سے امام ابویوسفؒ کے نزدیک جماعت ثانیہ پہلے امام کی جگہ چھوڑ کر بلا اذان و اقامت کے درست بلا کراہت ہے، اور شاید ترک اذان و اقامت بھی پہلی حالت بدلنے کے لئے، اور ان کے نزدیک بھی عدم کراہت اس وقت ہے کہ اتفاقی طور سے جماعت اولی رہ گئی ہو، نہ اس وقت کہ دوسری جماعت جان بوجھ کر کرے یا اس کا عادی ہوجائے، اور حضرت انسؓ سے بھی مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ تفصیل ہے کہ انہوں نے دوسری جماعت اس طرح کی کہ خود امام ہوکر درمیان صف میں کھڑے ہوئے، جماعت اول کی طرح آگے کھڑے ہوکر امامت نہیں فرمائی، اس سے بھی پہلی حالت و ہیئت بدلنے کا اشارہ ملتا ہے، جو امام ابویوسفؒ کا مسلک ہے فرق یہ ہوا کہ حضرت انسؓ نے اذان و اقامت مکرر کر کے اپنی جگہ بدل دی اور ابویوسف بغیر اذان و اقامت کے امام کی جگہ بدلنے کے قائل ہیں۔ پھر یہ کہ

تکرار اذان واقامت کا قول کسی نے بھی اختیار نہیں کیا ہے۔اس لئے وہ کسی کا بھی مستدل نہیں ہے۔

تیسری حدیث الباب ص ۶۱۶ میں قولہ صلوٰۃ الجماعۃ تضعف علی صلاتہ فی بیتہ پر حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں مقابلہ نماز جماعت اور نماز منفرد کا ہے، جماعت مسجد اور جماعت بیت کا نہیں ہے، کیونکہ نظر شارع میں مساجد کی جماعت ہے گھروں کی نہیں، لہٰذا گھر کی یا بازار کی نماز کا ذکر جہاں بھی حدیث میں آیا ہے وہ اسی عام نظر شارع کے تحت ہوا ہے۔ کیونکہ زمانہ سلف میں بازاروں میں بھی مساجد نہ تھیں۔اس طرح گویا جماعت بیت کا مسئلہ بیان نہیں ہوا ہے، پھر یہ کہ جس کی نماز جماعت مسجد کی فوت ہو جائے تو وہ گھر میں جماعت کرے یہ مسئلہ کتب فقہ میں ہے، آگے یہ مسئلہ رہتا ہے کہ اگر کوئی شخص جماعت مسجد کا اہتمام ہی نہ کرے اور گھر میں جماعت کرے تو وہ تارک جماعت کہلائے گا یا نہیں، اس مسئلہ کو منیہ اور اس کی شرح حلبی کبیر میں ذکر کیا گیا ہے۔

یہاں ہم اس کا مضمون نقل کرتے ہیں:۔اگر کوئی شخص تراویح کی نماز گھر کے اندر جماعت کے ساتھ ادا کرے تو جماعت کی فضیلت حاصل کرے گا۔اگر چہ جماعت مسجد کے برابر نہ ہوگا، کیونکہ مسجد کی فضیلت زیادہ ہے اور یہی بات فرائض میں بھی ہے کہ وہ بھی اگر گھر میں مسجد کی طرح جماعت کے ساتھ ادا کئے جائیں تو جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے گی ۲۷ گنا والی، مگر مسجد کے برابر نہیں کیونکہ اس میں شرف مکان، اظہار شعائر، تکثیر سواد مسلمین اور اسلاف قلوب کی نوعیت بڑھی ہوئی ہے، لیکن اس میں قید یہ ہے کہ دونوں جگہ کی نماز جماعت بہ لحاظ استکمال سنن وآداب برابر ہو، اگر گھر کی نماز زیادہ کامل واکمل ہو اور امام مسجد مثلاً سنن وآداب کی رعایت نہ کرتا ہو تو گھر کی جماعت زیادہ افضل ہوگی، اور اگر امام مسجد واجبات کی رعایت بھی نہ کرسکتا ہو جیسا کہ اس زمانہ کے بہت سے امام ایسے ہی ہوتے ہیں۔اور گھر کا امام اعلم وافضل ہو اور واجبات وسنن کی رعایت بھی زیادہ کرے تو وہ جماعت بدرجہ اولیٰ مسجد سے افضل ہوگی۔(حلبی کبیر ص ۴۰۲)

امام بخاریؒ نے مستقل باب باندھا ہے اہل علم وفضل کے احق بالامامۃ ہونے کا، اور حنفیہ نے اعلم بالمسائل کو اقرأ پر ترجیح دی ہے۔مگر اس زمانہ میں جہلاء عوام قاری کو عالم پر ترجیح دیتے ہیں۔واللہ المستعان۔

مراقی الفلاح میں ہے کہ جماعت سے نماز پڑھنا مردوں کے لئے سنت موکدہ ہے اور جماعت کا ثواب ایک مقتدی کے ساتھ بھی حاصل ہو جائے گا، خواہ وہ صبی ہو یا عورت ہو، اگر چہ گھر میں ہی ادا کرے۔علامہ طحطاویؒ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر میں اپنی بیوی یا باندی کے ساتھ جماعت کرے تو اس کو بھی جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے گی اگر چہ مسجد کی فضیلت زیادہ ہوگی۔

حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا:۔جماعت مسجد کو جماعت بیت پر کیفاً فضیلت ہوگی اگر چہ کماً دونوں برابر ہوں گی، اور دونوں کا ثواب ۲۵ یا ۲۷ گنا ہوگا، خواہ مسجد میں جماعت سے پڑھے یا گھر میں یا بازار میں۔ (لامع ص ۱/۱۸۷)

باب فضل صلوٰۃ الفجر فی جماعۃ

(فجر کی نماز جماعت سے پڑھنے کی فضیلت کا بیان)

۶۱۷: حدثنا ابوالیمان قال اخبرنا شعیب عن الزھری قال اخبرنی سعید ابن المسیب و ابو سلمۃ بن عبدالرحمٰن ان اباھریرۃ قال سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول تفضل صلوٰۃ الجمیع صلوٰۃ احدکم وحدہٗ بخمسۃ و عشرین جزءً و تجتمع ملائکۃ اللیل وملٰئکۃ النھار فی صلوٰۃ الفجر ثم یقول ابوھریرۃ واقرء وا ان شئتم ان قراٰن الفجر کان مشھوداً قال شعیب و حدثنی نافع عن عبداللہ بن عمر قال تفضلھا بسبع و عشرین درجۃً

۶۱۸: حدثنا عمر بن حفص قال حدثنا ابی قال حدثنا الاعمش قال سمعت ام الدرداء تقول دخل علی ابوالدرداء و هو مغضب فقلت ماأغضبک قال والله ماأعرف من امر محمد صلی الله علیه وسلم شیئاً الا انهم یصلون جمیعاً.

۶۱۹: حدثنا محمد بن العلاء قال حدثنا ابواسامة عن برید بن عبدالله عن ابی بردة عن ابی موسیٰ قال قال النبی صلی الله علیه وسلم اعظم الناس اجراً فی الصلوٰة ابعدهم فابعدهم ممشی والذی ینتظر الصلوٰة حتیٰ یصلیها مع الامام اعظم اجراً من الذی یصلی ثم ینام

ترجمہ ۶۱۷: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ تم میں سے ہر شخص کی جماعت کی نماز سے تنہا نماز پچیس درجے (ثواب میں) زیادہ ہے، اور رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے فجر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں، اس کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ کہا کرتے تھے کہ اگر چاہو تو (اس کی دلیل میں) ان قرآن الفجر کان مشهودا پڑھ لو، شعیب کہتے ہیں، مجھ سے نافع نے عبداللہ بن عمر سے نقل کیا کہ جماعت کی نماز تنہا نماز سے ستائیس درجے (ثواب میں) زیادہ ہے:۔

ترجمہ ۶۱۸: حضرت سالم روایت کرتے ہیں کہ میں نے ام درداء کو کہتے ہوئے سنا، وہ کہتی تھیں کہ (ایک دن) ابو درداء میرے پاس غصہ میں بھرے ہوئے آئے، میں نے کہا کہ آپ کو کیوں اتنا غصہ آ گیا؟ بولے کہ اللہ کی قسم! محمد ﷺ کے دین کی کوئی بات (اب) میں نہیں دیکھتا، صرف اتنا ضرور ہے کہ وہ جماعت سے نماز پڑھ لیتے ہیں (سو اب اس میں بھی کوتاہی ہونے لگی ہے)۔

ترجمہ ۶۱۹: حضرت ابو موسیٰ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، کہ سب لوگوں سے زیادہ ثواب ان لوگوں کو ملتا ہے جن کی مسافت (مسجد سے) دور ہے پھر جن کی ان سے دور ہے، اور وہ شخص جو جماعت کا منتظر رہے، تا کہ اس کو امام کے ساتھ پڑھے، باعتبار ثواب کے اس سے زیادہ ہے (جو جلدی سے) نماز پڑھ کے سو جاتا ہے۔

تشریح: حافظؒ نے لکھا کہ یہ باب پہلے باب سے اخص ہے، اور اس میں چونکہ دن و رات کے فرشتوں کے جمع ہونے کی وجہ سے فضیلت بھی زیادہ ہے، اس لئے اس کے لئے مستقل باب لائے ہیں۔ (فتح ص ۲/۹۴)

ترجمۃ الباب سے احادیث کی غیر مطابقت

یہاں امام بخاریؒ نے باب کے تحت جو دوسری حدیث ص ۶۱۸ پیش کی ہے، اس میں جماعت نماز فجر کا کوئی ذکر نہیں ہے، صرف مطلق جماعت کے ساتھ نمازیں پڑھنے کا ذکر ہے۔ لہٰذا ترجمۃ الباب سے مطابقت نہیں ہے۔

محقق عینیؒ نے لکھا کہ جزوی طور سے تو مطابقت ہو ہی گئی اور امام بخاری کی اس کتاب میں اس قسم کے تجوزات بہ کثرت ہیں۔ (عمدہ ص ۲/۶۹۳) حافظ نے ابن المنیر کا جواب بھی یہی نقل کیا کہ یصلون جمیعا میں نماز فجر بھی آ گئی، حافظ نے یہ بھی لکھا کہ ان کے علاوہ کسی شارح نے مناسبت ترجمہ نہیں بتلائی (فتح ص ۲/۹۵)

باب کی تیسری حدیث ص ۶۱۹ میں بھی جماعت نماز فجر کا کوئی ذکر نہیں ہے، علامہ عینی نے لمبی تاویل کر کے جواب دیا ہے، حافظ نے ابن المنیر کا جواب لکھا کہ زیادہ اجر کا سبب نماز کے لئے جانے میں مشقت ہوتا ہے اور یہ جماعت فجر میں زیادہ ہے، کیونکہ سو کر اٹھنے میں کسل زیادہ اور مشقت کا احساس نمایاں ہوتا ہے، اور اس میں نیند جیسی محبوب چیز چھوڑنی پڑتی ہے، عشا میں یہ بات نہیں، اگرچہ رات کی ظلمت میں چل کر جانا وہاں بھی وجہ فضیلت ضرور ہے۔ (فتح ص ۲/۹۵)

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے شرح تراجم ابواب البخاری میں یہ تاویل کی کہ "یہ باب سابق باب کا تحتی و ذیلی باب ہے، لہٰذا آخر کی دونوں احادیث کا تعلق باب سابق سے ہے۔" سچ ہے تاویل کا باب بہت واسع ہے۔

باب فضل التهجر الى الظهر

ظہر کی نماز اول وقت پڑھنے کی فضیلت کا بیان

۶۲۰: حدثني قتيبة عن مالك عن سمي مولىٰ ابي بكر بن عبدالرحمٰن عن ابي صالح السمان عن ابي هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال بينما رجل يمشي بطريق وجد غصن شوك على الطريق فاخره فشكر الله له' فغفرله' ثم قال الشهدآء خمسة المطعون والمبطون والغريق وصاحب الهدم والشهيد في سبيل الله وقال لويعلم الناس ما في الندآء والصف الاول ثم لم يجدوآ الاان يستهموا عليه لاستهموا عليه ولويعلمون ما في التهجير لا استبقوآ اليه ولويعلمون ما في العتمة والصبح لاتوهما ولوحبواً

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص کسی راستہ میں چلا جا رہا تھا کہ اس نے راستے میں کانٹوں کی ایک شاخ (پڑی ہوئی) دیکھی تو اس کو ہٹا دیا، پس اللہ تعالیٰ نے اس کا ثواب اسے یہ دیا، کہ اس کو بخش دیا، پھر آپ نے فرمایا کہ شہید پانچ لوگ ہیں، جو طاعون میں مرے، اور جو پیٹ کے مرض میں مرے، اور جو ڈوب کر مرے، اور جو دب کر مرے، اور جو اللہ کی راہ میں شہید ہو، اور آپ نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے، کہ اذان دینے میں اور پہلی صف میں (شامل ہونے میں) کیا (ثواب ہے؟ اور پھر یہ نیک کام قرعہ ڈالے بغیر نصیب نہ ہو، تو یقیناً وہ اس پر قرعہ ڈالیں، اور اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ سویرے نماز پڑھنے میں کیا فضیلت ہے؟ تو بیشک اس کی طرف سبقت کریں، اور اگر ان کو معلوم ہو جائے کہ عشاء اور صبح کی نماز (جماعت سے پڑھنے) میں کس قدر (ثواب) ہے تو یقیناً ان میں آ کر شریک ہوں، اگرچہ گھٹنوں کے بل (چلنا پڑے):۔

تشریح: یہاں امام بخاریؒ بجائے مطلق صلوٰۃ کے ظہر کا لفظ ترجمہ میں لائے ہیں، جبکہ حدیث الباب میں بھی ظہر کا کوئی ذکر نہیں ہے، البتہ بخاری کے دوسرے نسخہ میں صلوٰۃ ہی ہے، علامہ عینی نے لکھا کہ اگر یہاں حدیث میں ظہر کی نماز مراد ہو تب بھی یہ ابراد ظہر والی حدیث کے منافی نہیں ہے، کیونکہ وہ شدت حر کے لئے ہیں، اور اصل و عزیمت وقت نماز میں تہجیر اور مبادرت ہی اول وقت کے لئے ہے، اور شدت حر کے وقت ظہر کی تاخیر بطور رخصت ہے۔ (عمدہ ص ۲/۶۹۷)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہاں حدیث الباب میں شہداء کی تعداد پانچ بتلائی ہے، لیکن اور احادیث میں زیادہ تعداد بھی وارد ہے اور حدیث کی اصطلاح فقہ سے زیادہ عام ہے، علامہ سیوطیؒ نے شہداء پر مستقل رسالہ لکھا ہے اور علامہ اجہوری مالکیؒ نے شہداء کی تعداد ساٹھ تک گنائی ہے۔ اس لئے میں نے احادیث سے استنباط کر کے ایک ضابطہ بنایا کہ جو بھی کسی المناک متمادی بیماری میں مرے، جیسے ہیضہ دستوں وغیرہ کی بیماری میں وہ شہید ہے، یا مہلک و خطرناک بیماری، طاعون جیسی میں مرے وہ بھی شہید ہے اور کسی اچانک بلا میں مر جائے، جیسے ڈوب کر، یا کسی دوسرے فوری حادثہ سے تو وہ بھی شہید ہے، حدیثی نقطہ نظر سے یہی تین قسم کے شہید ملیں گے۔ واللہ اعلم

باب احتساب الأثار

(نیک کام میں ہر قدم پر ثواب ملنے کا دھیان)

۶۲۱: حدثنا محمد بن عبدالله بن حوشب قال حدثنا عبدالوهاب قال حدثني حميد عن انس بن مالك قال قال النبي صلى الله عليه وسلم يابني سلمه الاتحتسبون اثاركم وزادابن ابي مريم قال اخبرني يحيى بن ايوب قال حدثني حميد قال حدثني انس ان بني سلمة ارادوآ ان يتحولوا عن منازلهم فينزلواقريباً من النبي صلى الله عليه وسلم قال فكره النبي صلى الله عليه وسلم ان يعروا المدينة فقال الا محتسبون اثاركم قال مجاهد خطاهم اثارالمشي في الارض بارجلهم

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اے بنی سلمہ، کیا تم اپنے قدموں (سے چل کر مسجد آنے) میں ثواب نہیں سمجھتے ؟اور ابن ابی مریم نے بواسطہ حمید کے حضرت انسؓ سے اتنی روایت اور زیادہ کی ہے کہ بنی سلمہ نے چاہا کہ اپنے مکانوں سے اٹھ کی نبی کریم ﷺ کے قریب کہیں قیام کریں تو نبی کریم ﷺ نے اس بات کو برا سمجھا کہ مدینہ کو ویران کردیں، پس آپ نے فرمایا کہ کیا تم اپنے قدموں (سے چل کر آنے) میں ثواب نہیں سمجھتے، اور مجاہد نے کہا ہے کہ خطاہم کے معنی زمین میں اپنے پیروں سے چلنے کے نشانات ہیں۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ احتساب کا مرتبہ ''علم العلم'' کا ہے یعنی ذہول وغفلت کے مواقع میں حصول ثواب کی نیت وارادہ کیا جائے، چونکہ مسجد میں جانے کے وقت یہ خیال نہیں ہوتا کہ اس راہ میں چلنے اور قدم اٹھانے پر بھی اجر وثواب ہے، اور عام طور سے آدمی اس کو طاعت وباعث اجر بھی سمجھتا، اس لئے شارع نے تنبیہ کی کہ ایسے امور ثواب میں، ثواب کا استحضار ضرور کیا کرو کہ اس سے اس کی دشواری بھی رفع ہوجاتی ہے اور نیت ثواب سے اجر بھی ڈبل ہوجاتا ہے، ایک ثواب عمل کا دوسرا نیت خیر کا۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

۶۲۲: حدثنا عمر بن حفص قال حدثنآ ابي قال حدثنا الاعمش قال حدثني ابو صالح عن ابي هريرة قال قال النبي صلى الله عليه وسلم ليس صلوٰة اثقل على المنافقين من الفجروالعشآء ولويعلمون مافيهما لاتوهما ولوحبواً لقد هممت ان آمرالمؤذن فيقيم ثم امررجلاً يؤم الناس ثم اخذشعلاً من نار فاحرق علىٰ من لا يخرج الى الصلوٰة بعد

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ فجر اور عشاء کی نماز سے زیادہ گراں منافقوں پر کوئی نماز نہیں، لیکن اگر ان کو یہ معلوم ہوجائے کہ ان دونوں (کے وقت پر نماز پڑھنے) میں کیا (ثواب ہے تو ضرور ان میں آئیں، اگرچہ انہیں گھٹنوں کے بل (چلنا پڑے) میں نے یہ (پختہ) ارادہ کرلیا تھا، کہ مؤذن کو اذان دینے کا حکم دوں، پھر کسی سے کہوں کہ وہ لوگوں کی امامت کرے، اور میں آگ کے شعلے لے لوں، اور جو لوگ اب تک گھر سے نماز کے لئے نہ نکلے ہوں، ان کے گھروں کو (ان کے سمیت) جلادوں (لیکن ان کے اہل وعیال کا خیال آنے سے یہ ارادہ ترک کردیا۔

تشریح: پوری حدیث کے مضمون پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کے مکان جلانے کا حضور پر نور ﷺ نے ارادہ فرمایا تھا، منافق نہ تھے بلکہ مخلص تھے، صرف ان کی سستی کی بناء پر ان کو متنبہ کیا گیا، اور اس عمل کو منافق کا عمل قرار دے کر خوف دلا دیا گیا ہے۔ یہاں امام بخاریؒ نے ترجمہ میں صرف نماز عشا کا ذکر کیا جبکہ حدیث الباب میں نماز فجر وعشا دونوں کی فضیلت نکلتی ہے۔ لہٰذا عشا کی فضیلت بھی فی الجملہ تو ثابت ہو ہی گئی، اور بقول علامہ عینیؒ کے اس قسم کے تسامحات وتجوزات امام بخاریؒ کی کتاب میں بہ کثرت ہیں۔ فليتنبه له

باب اثنان ومافوقهما جماعة

(دو یا دو سے زیادہ آدمی جماعت کے حکم میں داخل ہیں)

۶۲۳: حدثنا مسدد قال حدثنا زید بن زریع قال حدثنا خالد عن ابی قلابة عن مالک بن الحویرث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذاحضرت الصلوٰة فاذنا واقیما ثم لیؤمکما اکبرکما

ترجمہ: حضرت مالک بن حویرثؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ دو شخص آپ سے رخصت ہونے لگے تو آپ نے فرمایا کہ جب نماز کا وقت آجائے تو اذان دینا اور تم دونوں میں جو بڑا ہو وہ تمہارا امام بن جائے۔

تشریح: ترجمۃ الباب میں امام بخاریؒ حدیث ابن ماجہ کو لائے ہیں۔ چونکہ اس کی سند ضعیف ہے اسی لئے اس کے ارشاد نبوی ہونے کا ذکر نہیں کیا۔

باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلوٰة وفضل المساجد

(مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھنے والے اور مسجدوں کی فضیلت کا بیان)

۶۲۴: حدثنا عبداللہ بن مسلمة عن مالک عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ھریرة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الملٰئکة تصلی علیٰ احدکم مادام فی مصلاہ مالم یحدث اللھم اغفرلہ' اللھم ارحمہ الایزال احدکم فی صلوٰة ماکانت الصلوٰة تحبسہ' ان ینقلب الیٰ اھلہٖ الا الصلوٰة

۶۲۵: حدثنا محمد بن بشار قال حدثنا یحییٰ عن عبیداللہ قال حدثنی خبیب بن عبدالرحمٰن عن حفص بن عاصم عن ابی ھریرة عن النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم قال سبعة یظلھم اللہ فی ظلہ' یوم لاظل الا ظلہ الامام العادل وشآب نشأ فی عبادة ربہ و رجل قلبہ' معلق فی المساجد ورجلان تحآبا فی اللہ اجتمعا علیہ و تفرقا علیہ ورجل طلبتہ ذات منصب وجمال فقال انی اخاف اللہ ورجل تصدق اخفآء حتی لاتعلم شمالہ' ما تنفق یمینہ' و رجل ذکراللہ خالیاً ففاضت عیناہ

۶۲۶: حدثنا قتیبة حدثنآ اسمٰعیل بن جعفر عن حمید قال سئل انس ھل اتخذرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتماً فقال نعم اخر لیلة صلوٰة العشآء الی شطر اللیل ثم اقبل علینا بوجھہ بعد ما صلی فقال صلی الناس و رقدوا ولم تزالوا فی صلوٰة منذانتظر تموھا قال فکانی انظر الیٰ و بیص خاتمہ

ترجمہ ۶۲۴: حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص باوضو اپنے مصلے پر (نماز کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے، تو فرشتے استغفار کرتے ہیں (وہ کہتے ہیں) کہ اے اللہ! اس کو بخش دے، اے اللہ، اس پر رحم کر! اور (سنو) تم میں سے ہر ایک شخص گویا نماز میں ہے، جب تک کہ واپس گھر جانے تک نماز کے علاوہ کوئی دوسرے چیز مسجد میں بیٹھنے کا سبب نہ ہو (یعنی صرف نماز ہی کے لئے بیٹھا رہا ہو)

ترجمہ ۶۲۵: حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، سات آدمیوں کو اللہ اپنے سائے میں رکھے گا، جس دن کہ سوائے اس کے سائے کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا، حاکم عادل، اور وہ نوجوان جو اپنے پروردگار کی عبادت میں (بچپن سے) بڑا ہوا ہو، اور وہ شخص جس کا دل مسجدوں میں لگا رہتا ہو، اور وہ دو شخص جو باہم صرف خدا کے لئے دوستی کریں جب جمع ہوں تو اسی کے لئے، اور جب جدا ہوں تو اسی کے لئے، اور وہ شخص جس کو کوئی منصب اور جمال والی عورت (زنا کے لئے) بلائے اور وہ یہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں

(اس لئے نہیں آسکتا) اور وہ شخص جو چھپا کر صدقہ دے، یہاں تک کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی معلوم نہ ہو کہ اس کے داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا، اور وہ شخص جو خلوت میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں (آنسوؤں سے) تر ہو جائیں۔

ترجمہ ۶۲۶: حضرت انسؓ سے پوچھا گیا، کیا رسول اللہ ﷺ نے انگوٹھی بنائی تھی (یا نہیں؟) انھوں نے کہا کہ ایک رات آپ نے عشاء کی نماز میں نصف شب تک دیر کر دی پھر نماز پڑھنے کے بعد آپ نے اپنا منہ ہماری طرف کیا، اور فرمایا کہ لوگ نماز پڑھ کر سو رہے (لیکن) تم جب تک انتظار میں رہو گے، گویا نماز ہی میں رہو گے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں، گویا میں (اب بھی) آپ کی انگوٹھی کی چمک دیکھ رہا ہوں۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ احادیث میں انتظار صلوٰۃ دونوں طرح کا ذکر ہوا ہے نماز سے قبل کا بھی اور بعد کا بھی، لیکن دوسرے کا تعامل سلف سے زیادہ ثابت نہیں ہے، **قولہ سبعۃ یظلھم اللہ** پر فرمایا کہ بعض روایات میں چھ کا ذکر ہے، اس کے لئے مشہور قاعدہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ مفہوم عدد معتبر نہیں ہے۔ مختلف اوقات میں مختلف وحی آئی ہیں اور حضور علیہ السلام نے ان کو اسی طرح بیان فرما دیا۔

قولہ و رجلان تحابا فی اللہ پر فرمایا کہ اس کی ایک شرح یہ بھی ہے کہ وہ دونوں ملنے کے وقت پر بھی اور جدا ہونے کے وقت بھی ذکر اللہ کریں۔ اس کی تائید روایت سے بھی ہوتی ہے، لہٰذا باہمی تعلق و محبت تو بطور تمہید ہوئی اور اجتماع و افتراق کے وقت ذکر اللہ مقصود و مطلوب ٹھیرے گا۔ اور اس سے عام طور سے ملنے اور جدا ہونے کے وقت بھی ذکر اللہ کی فضیلت نکلتی ہے۔

باب فضل من خرج الی المسجد و من راح

اس شخص کی فضیلت کا بیان جو صبح و شام کے وقت مسجد جائے

۶۲۷: حدثنا علی بن عبداللہ قال حدثنا یزید بن ھارون قال اخبرنا محمد بن مطرف عن زید بن اسلم عن عطآء بن یسار عن ابی ھریرۃ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال من غدآ الی المسجد اوراح اعداللہ لہ' نزلہ' من الجنۃ کلما غدا اوراح

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، جو شخص صبح و شام (دونوں وقت) مسجد جائے، اللہ تعالےٰ اس کے لئے جنت سے اس کی (اسی قدر) مہمانی مہیا کرے گا، جس قدر وہ گیا ہوگا۔

تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں متن بخاری میں **من خرج** ہے اور حاشیہ میں دوسرا نسخہ ہے "**من غدا**" اور وہی اولیٰ ہے۔ حاصل حدیث کا یہ ہے کہ مساجد خدا کے گھر ہیں، لہٰذا جو بھی اور جتنی بار بھی ان گھروں کی حاضری دے گا، اللہ تعالیٰ بحیثیت میزبان کے اس کے لئے اتنی ہی مہمانی و ضیافت جنت سے مہیا کرے گا، اور جس طرح ہر شخص اپنے مہمان کے لئے ضیافت کا اہتمام کیا کرتا ہے۔ صبح و شام اور ہر نماز و حاضری کے وقت حق تعالیٰ بھی اس کا اہتمام فرماتے ہیں۔۔۔۔ **سبحانہ ما اعظم شانہ و فضلہ**

باب اذا اقیمت الصلوٰة الاالمکتوبة

جب نماز کی تکبیر ہو جائے تو سوائے فرض نماز کے اور کوئی نماز نہیں

۶۲۸: حدثنا عبدالعزیز بن عبدالله قال حدثنا ابراهیم بن سعد عن ابیه عن حفص بن عاصم عن عبدالله بن مالک بن بحینة قال مرالنبی صلی الله علیه وسلم برجدح قال وحدثنی عبدالرحمٰن قال حدثنا بهزبن اسد قال حدثنا شعبة قال اخبرنی سعد بن ابراهیم قال سمعت حفص بن عاصم قال سمعت رجلاً من الازدیقال له' مالک بن بحینة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم رای رجلاً وقد اقیمت الصلوٰة یصلی رکعتین فلما انصرف رسول الله صلی الله علیه وسلم لاث به الناس فقال له' رسول الله صلی الله علیه وسلم الصبح اربعا الصبح اربعاً تابعه' غندرومعاذ عن شعبة فی مالک وقال ابن اسحاق عن سعد عن عبدالله بن بحینة وقال حماد اخبرنا سعد عن حفص عن مالک

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مالک بن بحینہ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے ایک شخص کو دو رکعت نماز پڑھتے دیکھا حالانکہ نماز کی اقامت ہو چکی تھی، تو رسول خدا ﷺ نے اس سے فرمایا کہ صبح کی چار رکعتیں ہیں؟ کیا صبح کی چار رکعتیں ہیں؟

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ایک گروہ اہل ظاہر کا حدیث الباب کے ظاہر پر ہی عمل کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ اگر جماعت شروع ہوگئی تو جو شخص اس وقت کوئی نماز پڑھ رہا ہے تو وہ باطل ہوگئی، حالانکہ ائمہ مجتہدین میں سے کسی کا بھی یہ مذہب نہیں ہے، اور وہ سب یہی کہتے ہیں کہ نماز پوری کرلے اور قطع نہ کرے۔ پھر امام شافعی کا قول جدید یہ ہوا کہ جب صبح کی نماز جماعت شروع ہو جائے تو کوئی نماز نہ پڑھی جائے نہ صبح کی سنتیں نہ کوئی اور نہ مسجد کے اندر نہ باہر۔قدیم قول ان کا بھی حنفیہ کی طرح تھا۔اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے بجز اس کے کہ وہ داخل مسجد و خارج کا فرق کرتے ہیں۔یعنی اگر دونوں رکعت فرض جماعت سے مل جانے کی امید ہو تو مسجد سے باہر پڑھ لے، ورنہ نہیں۔ابن العربی نے ''الاقتراب'' میں کہا کہ قعدہ اخیرہ ملنے کی توقع ہو تب بھی پڑھ لے،لیکن یہ قول ان کی عام کتب کے خلاف ہے۔امام ابوحنیفہ کا مذہب میرے نزدیک جامع صغیر اور بدائع سے یہ متحقق ہوا کہ مسجد سے باہر پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ ایک رکعت جماعت فرض کی پا سکے۔صاحب ہدایہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور دوسرے علماء شافعیہ میں سے قسطلانی نے اور ابن رشد و باجی نے مالکیہ میں سے اسی کو اختیار کیا ہے۔داخل مسجد کے جواز میں ان سے کوئی روایت نہیں ہے۔ پھر امام محمد نے آ کر اس میں توسع کیا کہ ادراک قعدہ تک بھی سنتوں کی اجازت دی، اور ہمارے مشائخ حنفیہ نے مزید توسع کیا کہ مسجد میں بھی اجازت دے دی، اور غالباً سب سے پہلے امام طحاوی نے ایسا کیا کہ مسجد کے ایک گوشہ میں اجازت دی۔ان دونوں کے فصل کی صورت میں۔اس طرح گویا صاحب مذہب (امام اعظمؒ) کی ایک شرط کو تو امام محمدؒ نے ختم کیا اور دوسری امام طحاوی وغیرہ کی توسیع سے ختم ہوگئی۔لیکن میں تو امام اعظمؒ ہی کے مذہب پر عمل کرتا ہوں، اور اسی پر علما فتوے بھی دیتے رہے ہیں تاہم میں مسجد کے اندر پڑھنے والے سے بھی نزاع نہیں کرتا اور سوچ لیتا ہوں شاید کہ اس نے امام محمد و طحاوی کے قول پر عمل کیا ہو۔

بحث و نظر: حضرتؒ نے فرمایا کہ امام شافعیؒ کا استدلال حدیث ترجمۃ الباب کے عموم سے ہے کہ اس میں اقامت کے بعد دوسری نماز سے مطلقاً روک دیا گیا ہے، خواہ وہ مسجد میں ہو یا باہر، لہٰذا صبح کی دو رکعات سنت کا جواز باقی نہیں رہا، امام طحاویؒ نے اس کا جواب یہ دیا کہ ترجمہ والی حدیث موقوف ہے، مرفوع نہیں ہے، جیسا کہ خود امام بخاریؒ کے طریقہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ترجمۃ الباب میں باب قول

النبی علیہ اذا اقیمت الصلوۃ الخ نہیں لکھا، ورنہ وہ حسب عادت اسی طرح تعبیر کرتے۔ اگرچہ انھوں نے اپنے رسالہ قراءت[1] خلف الامام ص۵ (مطبع علیمی دہلی) میں اس کو مرفوعا ہی ذکر کیا ہے، اور ظاہر ہے کہ خارج میں ان کے طریق استدلال میں توسع ہوتا ہے جبکہ صحیح بخاری کے اندر وہ مضبوط و مستحکم رویہ اختیار کرتے ہیں۔

امام بخاری کے بدیہی البطلان دعاوی:

امام بخاری صحیح کے علاوہ دوسرے تالیفات میں تو بعض اوقات ایسی بات بھی لکھ دیتے ہیں جو بدیہی البطلان ہوتی ہے۔ مثلاً رسالہ رفع الیدین ص ۱۷ (مطبع محمدی لاہور) میں دعویٰ کیا کہ کسی ایک صحابی سے بھی یہ ثابت نہیں ہوا کہ اس نے رفع یدین نہیں کیا، اسی طرح رسالہ قراءت ص ۱۷ میں یہ دعویٰ کیا کہ صحابہ قائلین قراءۃ خلف الامام کا مسلک یہ تھا کہ رکوع پالینے سے رکعت نہیں ملتی۔ حالانکہ یہ دعاوی ناقابل قبول ہیں، جیسا کہ میں نے ان کو اپنے رسائل نیل الفرقدین اور فصل الخطاب میں مفصل لکھ دیا ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ امام بخاری نے اول تو ادراک رکعۃ بادراک الرکوع کے مسئلہ کو قراءۃ فاتحہ خلف الامام کے ساتھ بے جوڑ لگا دیا ہے، پھر خود ہی غیر قائلین صحابہ کے نام زیادہ گنائے ہیں، اور قائلین میں صرف حضرت ابو ہریرہؓ کا ذکر کیا ہے اور ذہن کو مسئلہ قراءت کی طرف گھمانے کے لئے ان کا ارشاد "اقرا بها فی نفسک" لائے ہیں، جبکہ ساتھ ہی ان کا ارشاد حتی تدرک الامام قائما بھی ذکر کیا، جس سے صاف واضح ہے کہ ان کا مسلک دوسرے صحابہ سے الگ صرف ادراک الامام قائما کے لئے تھا، یعنی انحناء الامام للرکوع سے ایک سیکنڈ قبل بھی اگر مقتدی نے امام کے ساتھ شرکت کرلی تو رکعت پالی، اس میں یہ کہاں ہے کہ قبل الانحناء فاتحہ بھی پڑھ لے تب مدرک رکعت ہوگا؟

علامہ نوویؒ نے المجموع ص ۲۱۵/۴ میں لکھا کہ مسئلہ ادراک رکعت بادراک الرکوع ہی صحیح و صواب ہے، جس کی تصریح امام شافعیؒ نے بھی کی ہے اور جماہیر اصحاب و جماہیر علماء امت اسی کے قائل ہیں اور احادیث نبویہ سے بھی یہی ثابت ہے بلکہ سب ہی لوگوں کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے، صرف صبغی (تلمیذ ابن خزیمہ) نے ان کی مخالفت کی ہے اور تقی الدین سبکی نے اس کی تائید کی ہے۔ الخ علامہ شوکانی بھی اس کے قائل ہوئے ہیں مگر پھر انھوں نے اپنے فتاویٰ میں اس سے رجوع کرلیا تھا۔ (معارف السنن ص ۳۴۶/۲)

حضرت شاہ صاحبؒ کا ارشاد معارف السنن ص ۲۸۰/۳ میں اور العرف الشذی ص ۱۵۳ میں ہے کہ امام بخاریؒ نے جو عدم ادراک رکعۃ بادراک الرکوع کا مسئلہ اختیار کیا ہے اور اس بارے میں حضرت ابو ہریرہؓ کو بھی اپنے موافق دکھلایا ہے وہ صحیح نہیں کیونکہ موطأ امام مالک میں حضرت ابو ہریرہؓ سے اس کے خلاف موجود ہے، جس میں ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے جس کو رکعت مل گئی اس کو سجدہ بھی مل گیا، اور قراءت فاتحہ فوت ہوجانے کی وجہ سے وہ خیر کثیر سے محروم ہوا، اور دوسرے آثار سے بھی حضرت ابو ہریرہؓ کا مسلک یہی ثابت ہوا کہ وہ امام کی انحنا للرکوع سے قبل نماز میں مل جانے کو ادراک رکعت مانتے تھے، اور فاتحہ پانے کو واجب نہ قرار دیتے تھے، لہٰذا امام بخاری کا مسلک مذکورہ رسالہ قراءۃ خلف الامام نہ سلف کے موافق ہے نہ علماء مذاہب اربعہ سے مطابق ہے۔ اور صحابہ و تابعین و من بعد ہم سب کے خلاف ہے، اور امام بخاری کے بعد اس کو صرف ابو بکر صبغی وغیرہ ایک دو نے اختیار کیا ہے۔ اوجز المسالک ص ۱۹/۱ میں بھی ایسی ہی تحقیق درج ہے دیکھ لی جائے۔

بخاری کی حدیث الباب میں دو غلطیاں

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا:۔ امام بخاری اپنی صحیح میں تو کف لسان کرتے ہیں، لیکن باہر خوب تیز لسانی کرتے

[1] فیض الباری ص ۱۹۸/۲ میں بھی حضرتؒ کے یہی ارشادات درج ہیں البتہ رسالہ قراءت خلف الامام کی جگہ ضبط کی غلطی اور سبقت قلم سے جزء رفع الیدین لکھ دیا ہے۔ صاحب فیض اگر مراجعت کتب کا التزام کرتے تو ایسی اغلاط حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف منسوب نہ ہوتیں (مؤلف)

ہیں یہ کیا چیز ہے؟ دیکھوان کی تالیف جزء القراءۃ اور جزء رفع الیدین، پھر فرمایا کہ امام بخاری نے حدیث الباب کی روایت مالک بن بحینہ سے کی ہے حالانکہ وہ تو مسلمان بھی نہ ہوا تھا۔ صحیح یہ ہے کہ روایت ان کے صاحبزادے عبداللہ نے کی ہے، جو صحابی تھے، دوسری غلطی یہ ہے کہ بحینہ کو مالک کی ماں ذکر کیا گیا، جبکہ وہ مالک کی بیوی اور عبداللہ کی ماں ہے۔

تحقیق مزید: حضرتؒ نے فرمایا:۔ میری تحقیق یہ ہے کہ بعض احادیث بطور اصول مسلمہ شائع ہوگئی تھیں۔ اور اسی لئے ان کی سندیں نہیں ملتی تھیں، حدیث الباب "اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ" بھی غالباً اسی قبیل سے ہوگی، اور من کان لہ امام بھی اسی طرح کی ہوگی، نیز نہی عن البتیر اء بھی جو حنفیہ پیش کرتے ہیں، پھر فرمایا ممکن ہے میرا یہ اصول بعض جگہ حنفیہ کو مضر بھی ہوگا۔

عزم ہجرت اور قیام دیوبند: حضرتؒ نے ضمناً فرمایا کہ میں بارادہ ہجرت وطن (کشمیر) چھوڑ کر آیا تھا، دیوبند ۱۸ سال رہا چھ سال تک مدرسہ سے کوئی وظیفہ یا تنخواہ نہیں لی، پھر نکاح ہوا تو ضرورتیں بڑھیں اور تنخواہ لی۔ شروع میں علم دین کی تحصیل کا جذبہ صرف اپنے بزرگوں کا اتباع تھا، نہ دنیا پیش نظر تھی، نہ دین کی خدمت کا ہی خالص جذبہ تھا۔

شان فنافی العلم: ہم نے علامہ کوثری اور حضرت شاہ صاحبؒ دو عالم ایسے دیکھے جن کی شان صحیح معنی میں فنافی العلم کی تھی، اور خدا نے ان دونوں کو فہم صحیح، وقت نظر اور حافظہ بھی بے نظیر عطا فرمایا تھا ہزار ہا مسائل مشکلہ کی تحقیق اس طرح کی کہ باید وشاید۔ لیکن افسوس ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم کی اشاعت اتنی بھی نہ ہو سکی جتنی علامہ کوثری کی ہوئی۔ اور یہ بہت بڑی کوتاہی ارباب اہتمام دارالعلوم دیوبند کی تھی کہ حضرتؒ سے تحقیقی وتالیفی کام نہ لئے گئے، اور صرف درس پر اکتفا کی گئی، یہ بھی ضروری تھا کہ حضرتؒ کو مصر، شام اور ترکی کے اسفار کرائے جاتے اور حضرتؒ وہاں طویل طویل قیام کر کے افادہ واستفادہ فرماتے۔ حضرتؒ کے رشتہ زواج کے لئے بھی کسی علمی گھرانہ کا انتخاب کیا جاتا کہ اس خاندان کے لوگ آپ کے علم وفضل کے صحیح قدردان ہوتے اور آپ کے علمی افادات اور قلمی دستاویزات کی حفاظت کرتے، جس سے رہتی دنیا تک ان سے استفادہ ممکن ہوتا۔

اس کے برعکس یہ ہوا کہ پہلے حضرتؒ کی ذاتی کتابوں کو وفات کے بعد ہی فروخت کر دیا گیا جن پر حضرتؒ کے قلم سے نہایت گرانقدر حواشی تھے، پھر قلمی یادداشتوں کا بے بہا ذخیرہ، جو بقول حضرتؒ ہی تین بکسوں میں محفوظ تھا، اس سے غفلت برتی گئی جس سے وہ سب دیمک کی نظر ہو گیا۔ جبکہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ ایسے جامع معقول ومنقول کا فیصلہ یہ تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے ایک ایک جملہ سے ایک ایک رسالہ تالیف ہو سکتا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے استاذ حدیث اور شیخ الاساتذہ دارالعلوم دیوبند حضرت شیخ الہندؒ حضرت شاہ صاحب کے علوم وکمالات ووسعت مطالعہ کے نہ صرف معترف تھے بلکہ بیسیوں مسائل مشکلہ حدیث وتفسیر وفقہ وغیرہ میں آپ سے رجوع واستفادہ کرتے تھے۔ یہ بھی حضرت تھانویؒ کا ارشاد تھا کہ حقانیت اسلام کی ایک دلیل حضرت شاہ صاحبؒ کا وجود بھی ہے، اگر اس میں کچھ بھی کجی ہوتی تو حضرتؒ اس کی نشان دہی ضرور فرماتے۔ غالباً یہ ریمارک حضرت تھانویؒ نے شاہ صاحبؒ کے حالات دور اختلاف کے پیش نظر کیا ہوگا۔ کہ علیحدگی کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ کی شان گرانے کے لئے جن بے حقیقت الزامات واتہامات سے نوازا گیا، اور حضرتؒ نے ان کے مقابلہ میں کوہ استقامت ہونے کا ثبوت دیا، وہ یقیناً ایک نہایت ہی سلیم الفطرت اور فرشتہ صفت انسان ہی سے ممکن تھا، اور اگر حضرتؒ کے اندر ادنیٰ کجی بھی ہوتی، تو سلامت روی وخلق نبوی کا ایسا اعلیٰ کردار آپ سے ظاہر نہ ہوتا۔ واضح ہو کہ زمانہ اختلاف میں حضرت تھانویؒ حزب اہتمام کے ساتھ رہے ہیں، پھر آپ نے سرپرستی دارالعلوم سے استعفیٰ دے دیا تھا، اور حضرت شاہ صاحبؒ کے پہلے سے بھی زیادہ مداحین اولین میں شامل ہو گئے تھے،

امام بخاری اور رفع یدین پر دعوائے اتفاق صحابہ

حضرت شاہ صاحبؒ نے نیل الفرقدین ص ۸۷ میں لکھا:۔ امام بخاری کے دعوے مذکور کے خلاف خودان کے تلمیذ وخلیفہ امام ترمذیؒ نے فیصلہ دیا ہے، انھوں نے لکھا کہ ترک رفع کے قائل بہت سے صحابہ وتابعین تھے، اور ہمارے نزدیک ترک رفع حضرت عمر، حضرت علی، ابن مسعود، ابوہریرہ ابن عمر، براء بن عازب اور کعب ابن عجرہ سے ثابت ہے اور تابعین میں سے اصحاب علی وابن مسعودؓ، جماہیر اہل کوفہ، بہت سے اہل مدینہ اور دوسرے اہل بلاد سے بھی ثابت ہے۔ پھر حضرتؒ نے ابن حزم اور ابن قیم کی غلطیوں کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔ حضرتؒ کے دونوں رسالوں فصل الخطاب اور نیل الفرقدین مع حاشیہ کا مطالعہ ہر عالم مشتغل بالحدیث کو ضرور کرنا چاہئے۔

تحقیق مزید: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک حدیث نبوی "اذا اقیمت الصلوة فلا صلوة الا المکتوبة" کا منشاو مقصد اقامت صلوٰۃ کے بعد دوسرے کسی نماز کی ممانعت مسجد کے اندر ہے، اسی لئے امام ابوحنیفہؒ کا مذہب جواز فی الخارج کا ہے، کہ نظر شارع میں داخل مسجد وخارج کے احکام الگ الگ ہیں۔ (دیکھو فیض الباری ص ۲/۲۰۲)

امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ اقامت کے بعد کوئی دوسری نماز نہ مسجد کے اندر پڑھ سکتا ہے نہ باہر۔ حالانکہ راوی حدیث حضرت ابن عمرؓ کا فتویٰ موطأ امام مالک میں ہے اور دوسرے راوی حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ معانی الآثار طحاوی میں ہے کہ صبح کی دو رکعت خارج مسجد پڑھی جائیں اگرچہ امام نے نماز فرض شروع کر دی ہو۔ پھر یہاں ایک حدیث صحیح ابن خزیمہ کی بھی ہے جو عمدۃ القاری ص ۲/۱۱۷ میں نقل ہوئی کہ حضور علیہ السلام اقامت نماز کے وقت نکلے تو لوگوں کو دیکھا کہ جلدی جلدی دو رکعت پڑھ رہے ہیں، آپ نے فرمایا کیا دو نمازیں ایک ساتھ؟ پھر آپ نے ممانعت فرمائی کہ اقامت ہو جائے تو مسجد میں دوسری نماز نہ پڑھی جائے۔

اگر اس حدیث کی نقل صحیح ہے تو اس سے واضح فیصلہ مل جاتا ہے کہ ممانعت صرف مسجد کے اندر کی ہے اور یہ چونکہ خاص طور سے صبح کی سنتوں کا واقعہ ہے تو اس بات کا بھی جواب ہو جائے گا کہ کچھ حدیثوں میں عام نمازوں کے وقت کی ممانعت آئی ہے بلکہ کسی میں فجر کو بھی ممانعت کے تحت داخل کیا گیا ہے۔ لیکن وہ احادیث ضعیف ہیں۔

لہٰذا صحیح ابن خزیمہ کی حدیث صحیح کو ترجیح ہوگی۔ مگر مجھے تردد ہے کہ کہیں حافظ عینیؒ نے یہ حوالہ سبقت قلم سے نہ دے دیا ہو، کیونکہ بہت ہی زود قلم تھے۔ ساری قدوری کو ایک دن میں نقل کر لیا تھا، لوگوں کو ان کی لکھی ہوئی کتابیں پڑھنے میں دشواری ہوتی تھی، اور بعض مرتبہ خود بھی اپنی تحریر وقت سے پڑھتے تھے، دوسرے اس سے شبہ ہوا کہ حافظ نے یہاں ابن خزیمہ کا حوالہ نہیں دیا، بلکہ تاریخ بخاری ومسند بزار وغیرہ کا دیا ہے۔ جس میں مسجد کا ذکر نہیں ہے۔ (فتح ص ۲/۱۰۲)

حضرتؒ نے افسوس کے ساتھ فرمایا کہ "عینی کے حوالہ مذکورہ کی تصحیح وتحقیق بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ صحیح ابن خزیمہ کا قلمی نسخہ بھی دنیا میں کہیں موجود نہیں ہے، البتہ سنا ہے کہ جرمن کے کتب خانہ میں ایک تہائی حصہ ہے، اس پر حافظ کے دستخط ہیں اور حافظ کے ہاتھ میں بھی اس سے زیادہ نہیں تھی۔

صحیح ابن خزیمہ شائع ہو گئی

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ یہ حضرتؒ کے کلمات مذکورہ درس بخاری شریف مورخہ ۱۲ مئی ۱۹۳۳ء کے ہیں، میری درسی بیاض ص ۹۵۷ میں

---

[1] عجیب بات ہے کہ حافظ نے فتح الباری میں تاریخ بخاری ومسند بزار کے حوالہ سے محمد بن عمار اور ابن ابی نمر کی روایت کا ذکر کیا ہے، اور ممکن ہے وغیرہما میں صحیح ابن خزیمہ بھی مضمر ہو، اور ان کے پاس وہ موجود بھی تھی، اور عمدۃ القاری میں بھی اس کا حوالہ دیکھا ہوگا، پھر بھی اس کے حوالہ کی صراحت نہیں کی، کہیں ایسا تو نہیں کہ فی المسجد کی قید سامنے سے ہٹائی تھی، تاکہ شافعیہ کے مقابلہ میں حنفیہ کو فائدہ نہ پہنچ جائے، کیونکہ ایسا تو وہ فتح الباری میں کیا ہی کرتے ہیں کہ حنفیہ کے فائدہ کی حدیث مقام بحث سے ہٹا کر دوسرے مقام میں ذکر کر دیتے ہیں۔ کما اشار الیہ العلامۃ الکشمیریؒ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

درج اوراس طرح یاد بھی جیسے اب سن رہا ہوں، خدا کی شان کریمی ورحیمی کے قربان جایئے کہ جن کتابوں کے لئے ہمارے اکابر زیارت کوترستے تھے، وہ آج ہمارے سامنے طبع ہوکر آگئی ہیں، اگر چہ اس امر کا انتہائی رنج وملال بھی ہے کہ اب ان کتابوں کی قدر کرنے والے تو کیا مطالعہ کرنے والے بھی نہیں ہیں، صحیح بخاری شریف کے درس اور ختم بڑے اہتمام وشان سے بہ کثرت مدارس میں ہونے لگے مگراس کے درس کا حق ادا کرنے والا ہزار میں ایک بھی مشکل سے ہوگا، فن رجال کا علم تو جیسے بالکل ہی ختم ہوگیا جو حدیث کا نصف علم ہے۔ ہمارے دور کے علماء میں سے بہت سے علماء کی حدیثی تالیفات سامنے ہیں، بجز علامہ کوثری اور علامہ کشمیریؒ کے کس کی تالیفات میں رجالی ابحاث کا حق ادا کیا گیا ہے؟ فیاللعجب ویاللا سف!!

ہمارے ایک متشدد بزرگ مولانا عبداللہ خاں صاحب کرتپوری (تلمیذ رشید علامہ کشمیریؒ) کی رائے تو یہ ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ مدارس عربیہ کے شیوخ حدیث فن رجال حدیث سے بے بہرہ اور تحقیق ووسعت مطالعہ سے محروم ہیں تو ان کے درس بخاری سے بجائے فروغ حنفیت کے سلفیت وغیر مقلدیت ہی کو عروج وترقی ملے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بات شاید دور جارہی ہے مگر خیال تو فرمایئے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی نظر درس بخاری شریف میں تحقیق کا دریا بہاتے بہاتے کہاں تک جاتی تھی، صحیح ابن خزیمہ ہی ہمیشہ نوادر عالم میں سے رہی، تحقیق کا ستارا کس قدر دور دراز آسمان سے توڑ کر لانے کی سعی کی جارہی ہے، تا کہ حضور علیہ السلام کی ایک صحیح وقوی تر سنت کی نشان دہی کر دینے میں کوئی بھی کور کیر اپنی طرف سے اٹھا کر نہ رکھ دی جائے، خوب ہی فرمایا تھا شیخ السنہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے کہ "یہ کیا بار بار کہا کرتے ہو کہ ابو حنیفہ نے یہ رائے دی، وہ رائے دی' ہرگز نہیں، وہ ان کی رائے نہیں ہے بلکہ وہ جتنے فیصلے دے چکے ہیں وہ سب بالکل معنی الکلمہ معانی حدیث نبوی ہیں" پہلے بھی کہیں لکھا تھا اور اب پھر یاد دلا دوں کہ یہ شیخ السنہ وہ بلند ترین اور مایہ ناز ہستی تھے، جن کو امام بخاریؒ نے اعلم اہل زمانہ کا لقب دیا تھا، اگر چہ امام موصوف ہی نے نہ معلوم کس حال سے مغلوب ہوکر یہ بھی کہہ دیا تھا کہ لوگوں نے حضرت عبداللہ بن مبارک ایسے اعلم اہلِ زمانہ کو چھوڑ کر جاہلوں کی تقلید کر لی، یہ اشارہ جس ذاتِ اقدس کی طرف گیا، پہلے بتلا چکا ہوں، اس وقت دہرا کر اپنی اور دوسروں کی اذیتِ قلب کا باعث بننا نہیں چاہتا۔

مرادردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد دگر دم درکشم ترسم کہ مغزِ استخوان سوزد

اب تصحیح حوالہ کی بات بھی سن لیجئے! مطبوعہ صحیح ابن خزیمہ کے ص ۱۷۰/۲ میں حدیث نمبر ۱۱۲۶ بروایت محمد بن عمار انصاری **عن شریک بن عبد اللّٰہ۔ وھو ابن ابی نمر۔ عن انسؓ قال خرج النبی ﷺ حین اقیمت الصلوۃ، فرأی ناساً یصلون رکعتین بالعجلۃ، فقال:۔ "اصلاتان معاً؟ فنھی ان یصلی فی المسجد اذا اقیمت الصلاۃ.**

اس کے حاشیہ میں لکھا گیا کہ اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔ اور دوسرے محشی ناصر الدین البانی نے لکھا کہ ابن ابی ضر رجال شیخین میں سے ہیں، لیکن حافظ نے کہا:۔ صدوق یخطی (سچے ہیں، کبھی خطا بھی کرتے ہیں)۔

اس سے قبل حدیث نمبر ۱۱۲۴ میں سنتِ فجر بعد اقامت کی ہے، اس کے بارے میں ناصر صاحب نے حاشیہ دیا کہ اس کی اسناد ضعیف ہے، صالح بن رستم ابو عامر خزاز کثیر الخطاء ہے (یعنی بہ کثرت خطا کرتا ہے، دوسرے یہ کہ حدیث نمبر ۱۱۲۴ ونمبر ۱۱۲۵ میں مسجد کے اندر کا واقعہ ہے، جو بحث سے خارج ہے۔ لہٰذا خارج کا جواز فی المسجد کی قید سے بخوبی ثابت ہے۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ صحیح ابن خزیمہ کی احادیث مذکورہ پر باب کا عنوان اس طرح ہے:۔ **"باب النھی عن ان یصلی رکعتی الفجر بعد الاقامۃ، ضد قول من زعم انھما تصلیان والامام یصلی الفریضۃ"** خیال کیا جائے کہ حدیث نمبر ۱۱۲۶ میں فی المسجد کی قید امام شافعیؒ کے قول کی ضد ہے، یا امام ابو حنیفہؒ کی۔ پھر خود ممانعت کے راوی حضرت ابن عمرؓ نے بھی تو ممانعت کو مسجد ہی کے ساتھ مخصوص سمجھا تھا، اسی لئے وہ مسجد میں تو دوسروں کو روکتے تھے مگر خود عمل یہ تھا کہ جب بھی اقامت سن لیتے تھے تو صبح کی سنتیں اپنی بہن

حضرت حفصہ کے گھر پڑھ کر مسجد میں داخل ہوا کرتے تھے، (فتح الباری ص ۲\۱۲۶) ایسا ہی علامہ بھکلی نے شرح نسائی میں لکھا ہے، اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت بھی نقل کی ہے کہ "لا صلوۃ فی المسجد اذا اقیمت الصلوۃ" حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ شرح نسائی کا نسخہ راندیر میں موجود ہے، اور غالباً کہیں اور موجود نہیں ہے۔ نیز فرمایا میرا گمان ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ مزید تفصیل معارف السنن ص ۷۱\۸۸ جلد رابع میں دیکھی جائے۔

صحیح ابن خزیمہ کا مرتبہ

فاضل محترم ڈاکٹر محمد مصطفے الاعظمی عم فیضہم دنیائے اسلام کے عموماً اور اہل علم کے خصوصاً عظیم شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ترکی کا سفر کر کے استنبول (مکتبہ احمد الثالث) سے مخطوطہ صحیح ابن خزیمہ کا فوٹو حاصل کیا۔ اس مخطوطہ کے ۳۰۱ ورق ہیں اور ایک صفحہ کی ۲۵ سے ۳۱ تک سطریں ہیں۔ اعظمی صاحب نے یہ نہیں لکھا کہ مطبوعہ دو جلدوں میں مخطوطہ کا کتنا مواد آ گیا ہے اور باقی حصہ مزید کتنی جلدوں میں آ سکے گا۔ آپ نے لکھا کہ اس مخطوطہ کے علاوہ اب تک کسی دوسرے نسخہ کا علم نہیں ہو سکا ہے اور شاید یورپ میں بھی اس کا وجود کہیں نہیں ہے۔ آپ نے یہ بھی لکھا کہ مخطوطہ کے پہلے ورق پر اس کا نام "صحیح ابن خزیمہ" لکھا ہوا ہے، لیکن کتاب کے شروع میں نام "مختصر المختصر من المسند الصحیح" درج ہے۔ اور یہ بات شبہ میں ڈالتی ہے۔ الخ مقدمہ ص ۲۵

راقم الحروف کا خیال ہے کہ اس مخطوطہ کے نام تو دونوں ہی ہوں گے، اور اسی لئے ہمیشہ لوگوں کو اشتباہ بھی رہا ہوگا، اور شاید یورپ (جرمن وغیرہ) کے نسخوں پر بھی نام کے اشتباہ کی وجہ سے یقین نہ ہوا ہوگا، جس طرح استنبول کا نسخہ بھی لوگوں کی نظر سے اوجھل رہا ہے، اور بقول ڈاکٹر صاحب کے صرف ان کو دریافت ہوا۔

محترم اعظمی صاحب نے اپنے مقدمہ میں محقق نصب الرایہ کا شکوہ کیا ہے کہ انہوں نے صحیح ابن خزیمہ کو بخاری، مسلم، ابوداؤد و نسائی سے کم مرتبہ بتلایا ہے، اور فتح المغیث کے حوالہ سے یہ بھی نقل کیا گیا کہ کتاب ابن خزیمہ میں ایسی بھی احادیث ہیں، جن کو ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا حالانکہ ان کا درجہ حسن سے زیادہ نہیں ہے۔ اعظمی صاحب نے لکھا کہ اس قول کی تقدید کی ضرورت نہیں، کیونکہ خود کتاب ہی اس کی تردید کے لئے کافی ہے۔ (ص ۲۱) لیکن ص ۲۲ میں عماد ابن کثیر کا ریمارک خود بھی نقل کیا اور فتح المغیث کا نقد مذکور بھی احمد شاکر کے حوالہ سے ذکر کیا ہے، پھر لکھا۔ "میں کہتا ہوں کہ صحیح ابن خزیمہ، صحیحین (بخاری و مسلم) جیسی نہیں ہے کہ یہ کہہ دینا ممکن ہو کہ جو احادیث اس میں ہیں وہ سب صحیح ہیں، بلکہ اس میں وہ بھی ہیں جو درجۂ صحیح سے کم درجہ کی اور صحیح ابن خزیمہ صرف صحیح و حسن احادیث پر مشتمل نہیں ہے بلکہ اس میں ضعیف حدیثیں بھی ہیں اگر چہ وہ بہت کم ہیں بہ نسبت صحیح و حسن کے۔ اور واہی یا شدید ضعف والی احادیث تو ملیں گی ہی نہیں الا نادراً، جیسا کہ تعلیقات سے واضح ہو جائے گا، ہم نہیں سمجھ سکے کہ محقق نصب الرایہ کی بات اتنی بری کیوں لگی تھی کہ اس کو خاص طور سے ہدف ملامت بنایا گیا، جبکہ اس نے ضعیف، واہی اور شدید الضعف احادیث کا وجود تو نادراً بھی نہیں بتلایا تھا۔

کتاب التوحید لابن خزیمہ کا ذکر

صحیح مذکور سے قبل محدث ابن خزیمہ کی کتاب التوحید شائع ہو چکی ہے، جس پر پہلے امام رازی وغیرہ نے نقدِ شدید کیا تھا۔ اور اب اشاعت کے بعد علامہ کوثری وغیرہ نے تفصیلی نقد کیا ہے، ملاحظہ ہو مقالاتِ کوثری وغیرہ۔

تکملہ: صحیح ابن خزیمہ سے متعلق جبکہ وہ اب شائع ہو گئی ہے، اتنی بات اور بھی ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ وہ تصحیح حدیث کے بارے میں متساہل ہیں، اور انہوں نے اپنی صحیح میں زیادہ تر وہی احادیث و آثار جمع کئے ہیں، جو ان کی فقہی رائے کے مطابق تھے، مثلاً ص ۲\۹۲ میں کئی سطر کا

عنوان قائم کر کے یہ ثابت کرنے کی سعی کی کہ فرضِ صبح کی ایک رکعت اگر طلوعِ شمس سے قبل پڑھ لی جائے اور دوسری طلوع کی حالت میں تو نماز صحیح ادا ہو گئی۔ اور اس کے خلاف رائے والوں کو جاہل قرار دیا، پھر اسی کے لئے ایک حدیث پیش کر دی، دوسرے حضرات کا مستدل ذکر نہیں کیا۔ ہم اس کی پوری بحث پہلے لکھ چکے ہیں۔ یا ص ۱۲۹۴ میں رفع یدین للرکوع وبعد الرکوع کا باب قائم کیا اور دو حدیث ذکر کیں۔ پھر دوسرا باب امر نبوی للرفع عند الرکوع وبعدہ قائم کیا اور اس کو بھی حضور علیہ السلام کے ایک مجمل و عام حکم سے ثابت کیا، دوسری طرف کے دلائل کے لئے دوسرے محدثین کی طرح نہ باب قائم کیا نہ ان کی احادیث پیش کیں۔ برخلاف اس کے مصنف ابن ابی شیبہ کو دیکھئے کہ ص ۱۲۳۴ میں ایک باب رفع یدین کے لئے قائم کیا اور احادیث وآثار دونوں ذکر کئے، پھر ص ۱۲۳۶ میں باب **رفع الیدین فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود** کا قائم کر کے اس کے لئے بھی احادیث نبوی وآثار صحابہ کا ڈھیر لگا دیا۔ اسی لئے اس مسئلہ کو محدث ابن ابی شیبہ نے ان مسائل میں بھی داخل نہیں کیا، جن میں حنفیہ کو مخالفتِ حدیث کا الزام دیا ہے اگرچہ یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کو غلط فہمی ہوئی اور بیشتر مسائل میں انہوں نے حنفیہ کا مسلک ہی غلط سمجھا اور بہت سے مسائل کے دلائل بھی ان کے سامنے نہ آسکے تھے، وغیرہ اس کا ذکر پہلے آچکا ہے اور علامہ کوثری کا رد بھی اس بارے میں قول فیصل کا درجہ رکھتا ہے، تاہم یہ بھی ضرورت ذہن میں رکھا جائے کہ انہوں نے تیز لسانی یا سخت الفاظ کا استعمال نہیں کیا ہے، جبکہ بقول علامہ کوثری کے ان ہی کے مسائل کو بنیاد بنا کر اور ابن حزم کی محلی وغیرہ کو سامنے رکھ کر علامہ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں حنفیہ کے خلاف پروپیگنڈے کا طویل وعریض سلسلہ قائم کیا، اور حنفیہ وغیر مقلدینِ زمانہ کو باہم لڑانے کا نہایت خطرناک مواد چھوڑ گئے، جبکہ ان کے استاذ علامہ ابن تیمیہؒ نے فقہ حنفی کی تائید وتعظیم میں بہت زیادہ لکھا تھا اور اسی کو میں نے ''دو بڑوں کا فرق'' عنوان دے کر پہلے کچھ لکھا تھا۔

کتاب التوحید لابن خزیمہ سے متعلق بھی اتنی بات اور لکھنی ہے کہ حدیث وضع السموات علی اصبع میں قولِ یہود پر جو حضور علیہ السلام کے ضحک کو بعض حضرات نے تائید وتقریر پر محمول کیا ہے، اس کا حافظ ابن حجرؒ نے بھی شرح بخاری میں رد کیا ہے، اور وہاں ابن خزیمہ کی بھی غلطی بتلائی ہے، اور اس کتاب کو محققین نے بابِ عقائد میں نا قابلِ اعتماد کتب میں سے شمار کیا ہے، امام رازی نے بھی آیت **لیس کمثلہ شیء** کے تحت اس کا رد وافر کیا ہے۔ (السیف الصقیل ص ۵۱)

السیف ص ۱۰۸ میں یہ بھی ہے کہ محدث ابن خزیمہ باوجود وسعتِ علم فقہ وحدیث کے علم اصول الدین (عقائد) سے ناواقف تھے، اور اس امر کا اعتراف خود بھی انہوں نے کیا ہے (کما فی الاسماء والصفات بیہقی ص ۲۰۰) اور امام رازی نے تو ان کی کتاب التوحید کو کتاب الشرک تک کہہ دیا ہے، پھر ص ۱۰۹ میں لکھا کہ وہ اگر کسی امر میں صواب اختیار کرتے ہیں تو معتقدات میں کتنی ہی بار غلطی بھی کرتے ہیں اسی لئے ان کی کتاب التوحید کا رد لکھنے کی ضرورت ہے۔ اور جن ابن خزیمہ سے امام طحاوی نے روایت کی ہے وہ صاحب کتاب التوحید نہیں بلکہ دوسرے ہیں۔ علامہ ابن الجوزی حنبلیؒ نے دفع شبہۃ التشبیہ ص ۱۱ میں لکھا کہ قاضی ابو یعلیٰ حنبلی نے عین کو حق تعالیٰ کی صفتِ زائد علی الذات قرار دیا ہے اور ان سے قبل ابن خزیمہ نے بھی کہا تھا (**لربنا عینان ینظر بھما**) ہمارے رب کی دو آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتا ہے اور ابن حامد نے بھی کہا کہ اس کا ایمان رکھنا واجب ہے کہ خدا کی دو آنکھیں ہیں، لیکن یہ سب ابتداع ہے، جس پر کوئی دلیل شرعی ان سب کے پاس نہیں ہے۔ اور حدیث لیس باعور سے بطور دلیلِ خطاب استدلال کرنا ہی غلط ہے، نیز محدث ابن خزیمہ نے قولِ باری تعالیٰ **الھم ارجل یمشون بھا** (نمبر ۱۹۵ اعراف) سے خدا کے لئے پاؤں بھی ثابت کئے ہیں۔

محترم دکتور اعظمی صاحب عم فیضہم نے مقدمۂ صحیح ابن خزیمہ ص ۱۰ میں محدث ابن خزیمہ کی منقبت میں طبقات الشافعیہ اور سیر اعلام النبلاء کے حوالہ سے یہ بھی ذکر کیا کہ وہ وزن کے طریقہ سے واقف نہ تھے اور نہ دس اور بیس میں فرق کر سکتے تھے ان کے پوتے نے بیان کی کہ بسا اوقات ہم ان سے دس لے لیتے تھے اور وہ ان کو پانچ ہی سمجھتے تھے۔ اگر یہ صحیح ہے تو خود ان کا اقرار واعتراف اصول وعقائد کے دقیق

مسائل نہ سمجھ سکنے کا بھی درست ہی سمجھنا چاہئے، اور یہ ضروری ہے بھی نہیں کہ ایک شخص اگر محدث ہو مثلاً تو وہ ضرور فقیہ بھی ہو یا متکلم واصولی بھی ہو، یہ اس لئے بھی لکھنا پڑا کہ اس دور کے ہمارے سلفی بھائی محدث ابن خزیمہ کی کتاب التوحید پر بہت اعتماد کرتے ہیں۔ والحق احق ان یقال، علم عقائد واصول میں محدث علامہ بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات بڑے پایہ کی گراں قدر ومعتمد تالیف ہے، جو ہندوستان میں بھی عرصہ ہوا شائع ہوئی تھی اور اب علامہ کوثری کے نہایت محققانہ محدثانہ حواشی کے ساتھ دار احیاء التراث العربی، بیروت. لبنان سے شائع ہوگئی ہے، اس کا مطالعہ ہر عالم ومحقق کو کرنا چاہئے۔ علامہ نے عقائد ورجال حدیث پر بے نظیر کلام کیا ہے، راقم الحروف کے پاس یہاں کا مطبوعہ نسخہ بھی تھا اور اب بیروت والا بھی آ گیا ہے۔ فالحمد للہ اولاً وآخراً

بیروت سے حال ہی میں ذریعہ ہوائی پارسل ملنے والی کتابوں میں ایک اہم ترین کتاب "المعجم المفهرس لالفاظ الحديث النبوی" بھی ہے۔ جس کی پہلی جلد ضخیم طلائی سنہری ۱۹۳۶ء میں لیدن (ہالینڈ) سے شائع ہوئی تھی۔ اور ساتویں آخری جلد ۱۹۶۹ء میں شائع ہوئی یہ علم حدیث کے درس وتصنیف کا مشغلہ رکھنے والوں کے لئے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں ہے، کیونکہ یورپ کے مستشرقین غیر مسلم علماء کی برسہا برس کی کاوش ومحنت اور صرف زرکثیر کے بعد طبع ہو کر شائع ہوئی، اس کو حروف تہجی کے ذریعہ مرتب کیا گیا ہے کہ صحاح ستہ وغیرہ نو کتب حدیث میں جس لفظ کو بھی تلاش کرنا ہو ذرا سی دیر میں اس کے حوالہ سے اس لفظ اور حدیث کو حاصل کرلیں گے۔ کتنی کارآمد قیمتی چیز ہے، مگر اب اس سے فائدہ اٹھانے والے ہمارے کتنے مؤلفین واساتذۂ حدیث ہیں؟ اکبر الٰہ آبادی نے صحیح کہا تھا۔

نئی میں اور پرانی روشنی میں فرق اتنا ہے ۔۔۔ اُنھیں ساحل نہیں ملتا، انہیں کشتی نہیں ملتی

مگر اب تو ہمیں کشتی بھی مل رہی ہے، ہم اس میں سوار ہی نہ ہوں تو قصور کس کا؟

باب حدالمريض ان يشهد الجماعة

۶۲۹: حدثنا عمر بن حفص بن غياث قال حدثني ابي قال ثنا الاعمش عن ابراهيمؒ قال الاسود كنا عند عائشة فذكرنا المواظبة على الصلوٰة والتعظيم لها قالت لما مرض النبي صلے الله عليه وسلم مرضه الذي مات فيه فحضرت الصلوٰة فاذن فقال مروا ابابكر فليصل بالناس فقيل له ان ابا بكر رجل اسيف اذا اقام مقامك لم يستطع ان يصلي بالناس واعادفاعادوا له فاعادالثالثه فقال انكن صواحب يوسف مروا ابابكر فليصل بالناس فخرج ابوبكر يصلي فوجدالنبي صلے الله عليه وسلم من نفسه خفة فخرج يهادىٰ بين رجلين كاني انظر الىٰ رجليه تخطان الارض من الوجع فارادابوبكر ان يتاخر فاومأ اليه النبي صلے الله عليه وسلم ان مكانك ثم اتى به حتىٰ جلس الىٰ جنبه فقيل للاعمش فكان النبي صلے الله عليه وسلم يصلي و ابوبكر يصلي بصلوته والناس يصلون بصلوٰة ابي بكر فقال براسه نعم رواه ابوداؤد عن شعبة عن الاعمش بعضه وزادابومعاويه جلس عن يسار ابي بكر فكان ابوبكر يصلي قائماً

ترجمہ: حضرت اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس (بیٹھے ہوئے) نماز کی پابندی اور اس کی بزرگی کا بیان کر رہے تھے تو انہوں نے کہا کہ جب نبی کریم ﷺ اپنے اس مرض میں جس میں آپ نے وفات پائی، مبتلا ہوئے، اور نماز کا وقت آیا۔ اور اذان ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ ابوبکر سے کہہ دو، کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں، آپ سے عرض کیا گیا کہ ابوبکرؓ نرم دل آدمی ہیں۔ جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو شدت غم سے) وہ نماز نہ پڑھا سکیں گے، دوبارہ پھر آپ نے فرمایا، پھر لوگوں نے وہی عرض کیا، سہ بارہ آپ نے حکم فرمایا، اور فرمایا، کہ تم یوسف کے گھیرے میں لینے والی عورتوں کی طرح معلوم ہوتی) ہو، ابوبکرؓ سے کہو، کہ وہ لوگوں کو نماز

پڑھاویں، چنانچہ (کہہ دیا گیا) ابوبکرؓ نماز پڑھانے چلے، اتنے میں نبی علیہ السلام نے اپنے آپ میں کچھ خفت (مرض کی) پائی، تو آپ دو آدمیوں کے درمیان میں سہارا لے کر نکلے، گویا میں (اب بھی) آپ کے دونوں پیروں کی طرف دیکھ رہی ہوں، کہ بہ سبب (ضعف) مرض کے زمین پر گھسٹتے ہوئے جاتے تھے، پس ابوبکرؓ نے چاہا کہ پیچھے ہٹ جائیں، نبی کریم علیہ السلام نے انہیں اشارہ کیا کہ تم اپنی جگہ پر رہو، پھر آپ لائے گئے، یہاں تک کہ ابوبکرؓ کے پہلو میں آپ بیٹھ گئے، اعمش سے پوچھا گیا، کہ کیا نبی کریم علیہ السلام نماز پڑھتے تھے، اور ابوبکر آپ کی نماز کی اقتداء کرتے تھے اور لوگ ابوبکرؓ کی نماز کی اقتدا کرتے تھے، تو اعمش نے اپنے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں! اور ابومعاویہ نے اتنے لفظ زیادہ روایت کیئے کہ آپ ابوبکرؓ کے بائیں جانب بیٹھ گئے، اور ابوبکرؓ کھڑے ہوئے نماز پڑھتے تھے۔

۶۳۰: حدثنا ابراھیم بن موسیٰ قال اخبرنا ھشام بن یوسف عن معمر عن الزھری قال اخبرنی عبیداللہ بن عبداللہ قال قالت عائشة لما ثقل النبی صلے اللہ علیہ وسلم واشتدوجعہ' استاذن ازواجہ' ان یمرض فی بیتی فاذن لہ' فخرج بین رجلین تخط رجلاہ الارض و کان بین العباس و بین رجل اٰخر قال عبیداللہ فذکرت ذٰلک لا بن عباس ماقالت عآئشة فقال لی وھل تدری من الرجل الذی لم تسلم عآئشة قلت لاقال ھو علی بن ابی طالبؓ

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ جب نبی کریم علیہ السلام بیمار ہوئے اور مرض آپ کا بڑھ گیا، تو آپ نے اپنی بیبیوں سے اجازت مانگی کہ میرے گھر میں آپ کی تیمارداری کی جائے سب نے اجازت دے دی، پس آپ دو آدمیوں کے درمیان میں (سہارا لے کر نماز کو) نکلے، آپ کے دونوں پیر زمین پر گھسٹتے جاتے تھے، اور آپ عباسؓ کے اور ایک اور شخص کے درمیان میں (سہارا) لگائے ہوئے تھے، عبداللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے جو کچھ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا تھا، اس کا ذکر ابن عباسؓ سے کیا، انہوں نے کہا، تم جانتے ہو کہ وہ دوسرا شخص کون تھا، جس کا نام حضرت عائشہؓ نے نہیں لیا، میں نے کہا نہیں انہوں نے کہا، وہ حضرت علی بن ابی طالبؓ تھے۔

تشریح: معلوم ہوا کہ جب تک اتنی بھی طاقت باقی ہو کہ کسی آدمی کے سہارے مسجد میں جا سکے، اس وقت تک اس کو جماعت نہ چھوڑنی چاہئے۔ تاہم حالاتِ مرض و مریض مختلف ہوتے ہیں کوئی قاعدہ اس سلسلہ میں بتانا مشکل ہے، حضور علیہ السلام ایسی حالت میں بھی دو کے سہارے مسجد میں تشریف لائے، مگر اس کو واجب نہیں قرار دے سکتے، اور خود حضور علیہ السلام بھی کئی روز تک علیل رہے اور بہت سی نمازوں میں شرکت نہیں فرمائی، اگر وجوب ہوتا تو آپ ہر نماز میں شرکت فرماتے۔

علامہ بیہقی نے لکھا کہ آپ سترہ نمازوں میں شریک نہ ہو سکے، پانچ روز علالت کا سلسلہ رہا جیسا کہ حدیثِ مسلم سے معلوم ہوتا ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک ان دنوں میں چار نمازوں کی شرکت ثابت ہے۔ جن میں سے ایک پہلے دن جمعرات کی عشاء اور دوسری فجر دوشنبہ کی ہے۔

''اسیف'' کا ترجمہ حضرتؒ نے فرمایا نرم دل جو مغموم رہتا ہو۔ صواحب یوسف نے فرمایا کہ حضرت عائشہ ظاہر میں تو حضرت ابوبکرؓ کے اسیف ہونے کا عذر کر رہی تھیں اور دل میں یہ کھٹکا تھا کہ کہیں لوگ ان کی امامت سے بدفالی نہ لیں (کہ یہ اچھے امام ہوئے تھے کہ حضور علیہ السلام اچھے نہ ہوئے اور وفات ہوگئی۔ وجہ تشبیہ یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام والی عورتیں بھی دل میں کچھ بات رکھتی تھیں اور ظاہر دوسری بات کرتی تھیں۔ وکذافی فتح الباری ص ۲\۱۰۵

باب الرخصة فی المطر والعلة ان یصلی فی رحله

بارش اور عذر کی بنا پر گھر میں نماز پڑھ لینے کی اجازت کا بیان

۶۳۱: حدثنا عبداللہ بن یوسف قال اخبرنا مالک عن نافع ان ابن عمر اذن بالصلوٰة لیلة ذات برد وریح ثم قال الاصلوا فی الرحال ثم قال ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان یامر المؤذن اذاکانت لیلة ذات برد ومطر یقول الاصلوا فی الرحال

۶۳۲: حدثنا اسمٰعیل قال حدثنی مالک عن ابن شہاب عن محمود بن الربیع الانصاری ان عتبان ابن مالک کان یؤم قومه و هو اعمیٰ و انه قال لرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یارسول اللہ انها تکون الظلمة والسیل وانا رجل ضریر البصر فصل یا رسول اللہ فی بیتی مکانا اتخذہ مصلی فجآء ہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فقال این تحب ان اصلی فاشار الیٰ مکان البیت فصلی فیه رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

ترجمہ ۶۳۱: حضرت نافع روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے ایک سرد اور ہوادار شب میں نماز کی اذان دی، جس میں یہ بھی کہہ دیا، کہ لوگو! اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو، اس کے بعد کہا کہ رسول خدا ﷺ موذن کو حکم دیتے تھے، جب رات سرد اور بارش کی ہو، تو کہہ دے الا صلوا فی الرحال:۔

ترجمہ ۶۳۲: حضرت محمود بن ربیع انصاری روایت کرتے ہیں، کہ عتبانؓ اپنی قوم کی امامت کیا کرتے تھے (چونکہ) وہ نابینا تھے انہوں نے رسول خدا ﷺ سے عرض کیا، کہ یارسول اللہ (کبھی) اندھیرا ہوتا ہے، اور پانی (بہتا) ہوتا ہے، اور میں اندھا آدمی ہوں، (اس وقت نہیں آسکتا) تو یارسول اللہ آپ میرے گھر میں کسی جگہ نماز پڑھا دیجئے، تاکہ میں اس کو مصلے بنالوں، پس رسول خدا ﷺ (ان کے ہاں) تشریف لائے اور فرمایا، جہاں تم کہو، نماز پڑھ دوں، انہوں نے گھر کے ایک مقام کی طرف اشارہ کر دیا۔ وہاں رسول خدا ﷺ نے نماز پڑھی۔

تشریح: معلوم ہوا کہ بارش میں جب راستہ خراب ہو جائے تو جماعت کا ترک کر دینا جائز ہے، لوگ اپنے گھروں میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بارش زیادہ ہو تو وہ حنفیہ کے یہاں نمازِ جمعہ کے لئے بھی عذر بن سکتی ہے، اور اس کا فیصلہ اپنے دل سے کرنا چاہئے کہ وہ اس وقت عذر بننے کے لائق ہے یا نہیں، کیونکہ انسان کا ضمیر اپنا حال زیادہ صحیح جاننے کی وجہ سے درست ہی فیصلے کرتا ہے، اگرچہ ظاہر میں وہ کیسے ہی حیلے حوالے کرے۔

قولہ الا صلوا فی الرحال پر فرمایا کہ غالباً یہ اعلان اذان پوری کرنے کے بعد ہی ہوگا، پھر یہ کہ حضور علیہ السلام نے حضرت عتبان نابینا کو ترکِ جماعت کی اجازت دی اور حضرت ابن ام مکتومؓ کو نہیں دی، اس کی ایک وجہ تو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ حضور نے ایک کے لئے رخصت پر عمل کو پسند فرمایا اور دوسرے کے لئے عزیمت کو، میرے نزدیک یہ فرق ہے کہ ایک اذان کو سن سکتے ہوں گے، دوسرے نہیں، جس کا ذکر حدیث میں بھی ہے، پھر یہ کہ اعذار کے بھی مراتب ہوتے ہیں، شاید حضرت ابن ام مکتومؓ کا عذر حضرت عتبانؓ کے عذر سے کم درجہ کا ہو۔ اس لئے ایک کو رخصت دی اور دوسرے کو نہ دی ہو، اگلے باب کی ایک حدیثِ بخاری سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص نے اپنے زیادہ بھاری جسم والے ہونے کی وجہ سے حضور علیہ السلام سے عذر کیا کہ میں آپ کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتا، تو آپ نے اس کے گھر پر نماز پڑھی، صاحبِ فیض الباری نے اس روایت کو بھی یہاں تائیداً پیش کیا ہے، مگر وہ محلِ نظر ہے، کیونکہ اس رجل سے حضرت عتبان کو مراد لینا احتمالِ بعید ہے، چنانچہ محقق عینیؒ نے بھی حافظ کے اس احتمال پر نقد کیا ہے۔ اور صاحبِ فیض کی عبارت ''فی ہذا الباب'' اور قال

الحافظ وہوعتبان' ان کی حسب عادت مسامحت ہے۔ کیونکہ حدیث مذکور اگلے باب میں ہے اور حافظ نے خود جزم نہیں کیا، بلکہ قیل سے کسی دوسرے کا قول نقل کیا ہے، اور نام بھی ظاہر نہیں، جس سے اس قول کا وزن معلوم ہوسکتا۔ حافظ عینیؒ نے حدیث مذکور کے تحت فائدہ نمبر۶ میں زیادہ موٹے ہونے کو بھی اعذارِ ترکِ جماعت میں شامل کیا ہے اور صاحب صحیح ابن حبان سے دس اعذار ثابتہ من الحدیث نقل کئے، (۱) مرض مانع ہو (۲) حضورِ طعام بوقتِ مغرب (۳) بھول بعض احوال میں (۴) زیادہ مٹاپا (۵) شدید ضرورت مانع ہو (۶) مسجد کے راستہ میں خوف ضیاع جان و مال ہو (۷) شدید سردی (۸) زیادہ بارش (۹) زیادہ تاریکی جس میں چلنا دشوار (۱۰) لہسن پیاز وغیرہ بدبودار چیز کھائی ہو۔ (عمدہ نمبر ۳۵۷\۲)

باب هل يصلى الامام بمن حضر وهل يخطب يوم الجمعة فى المطر

(جس قدر لوگ موجود ہیں' ان ہی کے ساتھ نماز پڑھ لے اور کیا جمعہ کے دن بارش میں بھی خطبہ پڑھے)

۶۳۳ : حدثنا عبدالله بن عبدالوهاب قال حدثنا حماد بن زيد قال حدثنا عبدالحميد صاحب الزيادى قال سمعت عبدالله بن الحارث قال خطبنا ابن عباس فى يوم ذى ردغ فامر المؤذن لما بلغ حى على الصلوٰة قال قل الصلوٰة فى الرحال فنظر بعضهم الىٰ بعض كانهم انكروا فقال كانكم انكرتم هٰذا ان هٰذا فعله' من هو خير منى يعنى النبى صلے الله عليه وسلم انها عزمة وانى كرهت ان اخرجكم وعن حماد عن عاصم عن عبدالله بن الحارث عن ابن عباس نحوه' غير انه' قال كرهت ان اؤ ثمكم فتجيؤن تدوسون الطين الىٰ ركبكم

۶۳۴ : حدثنا مسلم قال حدثنا هشام عن يحىٰ عن ابى سلمة قال سالت اباسعيد الخدرى فقال جآء ت سحابة فمطرت حتىٰ سال السقف و كان من جريد النخل فاقيمت الصلوٰة فرايت رسول الله صلے الله عليه وسلم يسجد فى المآء والطين حتى رايت اثر الطين فے جبهته

۶۳۵ : حدثنا اٰدم قال حدثنا شعبة قال حدثنا انس بن سيرين قال سمعت انسايقول قال رجل من الانصار انى لآ استطيع الصلوٰة معک و كان رجلاً ضخماً فصنع النبى صلے الله عليه وسلم طعاماً فدعاه' الىٰ منزله فبسطله حصيراً ونضح طرف الحصير فصلىٰ عليه ركعتين فقال رجل من اٰل الجارود لانسؓ اكان النبى صلے الله عليه وسلم لصلى الضحىٰ قال مارايته' صلاها الا يومئذ

ترجمہ ۶۳۳: حضرت عبداللہ بن حارثؒ کا بیان ہے کہ (ایک مرتبہ بارش کی وجہ سے) کیچڑ ہوگئی تھی، حضرت ابن عباسؓ نے اس دن خطبہ فرمایا، اور موذن سے کہہ دیا تھا کہ جب حي علي الصلوٰة پر پہنچے تو یہ کہہ دے کہ اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو (یہ سن کر) لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے، گویا کہ انہوں نے (اس کو) برا سمجھا، تو ابن عباسؓ نے کہا، کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اس کو برا سمجھا، بے شک اس کو اس نے کیا ہے، جو مجھ سے بہتر تھے، یعنی نبی کریم ﷺ نے، یہ یقینی امر ہے، کہ اذان (سے مسجد میں آنا) واجب ہوجاتا ہے اور میں نے یہ اچھا نہ سمجھا کہ تمہیں تکلیف میں ڈالوں حضرت عاصم نے بھی حضرت ابن عباسؓ سے اسی طرح نقل کیا ہے، صرف اتنا فرق ہے، کہ انہوں نے کہا کہ مجھے اچھا نہ معلوم ہوا کہ تمہیں گنہگار کروں، یا تم مٹی کو گھٹنوں تک روندتے آؤ۔

ترجمہ ۶۳۴: حضرت ابوسلمہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابوسعید خدریؓ سے پوچھا، تو انہوں نے کہا، کہ ایک (مرتبہ) ابر آیا، اور وہ برسنے لگا، یہاں تک کہ چھت ٹپکنے لگی، اور چھت (اس وقت تک) کھجور کی شاخوں سے (پٹی ہوئی) تھی، پھر نماز کی اقامت ہوئی، تو میں نے رسول

خداﷺ کو دیکھا کہ پانی اور مٹی میں سجدہ کرتے تھے، یہاں تک کہ مٹی کا اثر میں نے آپ کی پیشانی میں دیکھا۔

ترجمہ ۶۳۵: حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص نے (نبی کریم ﷺ سے) عرض کیا کہ میں (معذور ہوں) آپ کے ہمراہ نماز نہیں پڑھ سکتا، اور وہ فربہ آدمی تھا (اس کے بعد، اس نے نبی ﷺ کے لئے کھانا تیار کیا، اور آپ کو اپنے مکان میں بلایا، اور آپ کے لئے چٹائی بچھادی، اور چٹائی کے ایک کنارے کو دھودیا، اس پر آپ نے دو رکعت نماز پڑھی، اتنے میں آل جارود میں سے ایک شخص نے انسؓ سے پوچھا، کہ کیا نبی کریم ﷺ نماز چاشت پڑھا کرتے تھے، انسؓ نے کہا کہ میں نے سوائے اس دن کے کبھی آپ کو پڑھتے نہیں دیکھا۔

تشریح: مقصد ترجمہ واحادیث مذکورہ واضح ہے کہ عذر کی حالت میں اگر رخصت سمجھ کر کچھ لوگ مسجد میں جا کر نماز نہ پڑھیں بلکہ گھروں میں پڑھ لیں اور دوسرے لوگ عزیمت پر عمل کر کے مسجد میں آجائیں تو جو لوگ آجائیں، ان ہی کے ساتھ امام جماعت کرادے گا۔

باب اذاحضر الطعام واقيمت الصلوٰة وكان ابن عمر يبدأ بالعشآء وقال ابو الدرداء من فقه المرء اقباله' علىٰ حاجته حتىٰ يقبل علىٰ صلوٰته و قلبه' فارغ

۶۳۶: حدثنا مسدد قال حدثنا يحيىٰ عن هشام قال حدثني ابي سمعت عآئشة عن النبي صلى الله عليه وسلم انه' قال اذاوضع العشآء واقيمت الصلوٰة فابدء وا بالعشآء

۶۳۷: حدثنا يحيى بن بكير قال حدثنا الليث عن عقيل بن شهاب عن انس ابن مالك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اذ قدم العشاء فابدء وابه قبل ان تصلوا صلوٰة المغرب ولاتعجلوا عن عشآئكم

۶۳۸: حدثنا عبيد بن اسمعيل عن ابي اسامة عن عبيدالله عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا وضع عشآء احدكم و اقيمت الصلوٰة فابدء وابالعشآء ولايعجل حتىٰ يفرغ منه و كان ابن عمر يوضع له الطعام و تقام الصلوٰة فلاياتيها حتىٰ يفرغ و انه' ليسمع قرآءة الامام وقال زهير و وهب ابن عثمان عن موسى بن عقبة عن نافع عن ابن عمر قال قال النبي صلى الله عليه وسلم اذاكان احدكم على الطعام فلايعجل حتىٰ يقضي حاجته' منه و ان اقيمت الصلوٰة قال ابوعبدالله وحدثني ابراهيم بن المنذر عن وهب بن عثمان و وهب مدني

ترجمہ ۶۳۶: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریم ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا جب کھانا (سامنے) رکھ دیا جائے، اور نماز کی اقامت ہو، تو پہلے کھانا کھالو۔

ترجمہ ۶۳۷: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جب کھانا سامنے رکھ دیا جائے، تو مغرب کی نماز پڑھنے سے پہلے کھانا کھالو، اور اپنے کھانے میں عجلت نہ کرو۔

ترجمہ ۶۳۸: حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا، کہ جب تم میں سے کسی کا کھانا سامنے رکھ دیا جائے اور نماز کی اقامت بھی ہو جائے تو پہلے کھانا کھالے اور جلدی نہ کرے، یہاں تک کہ اس سے فارغ نہ ہو جائے حضرت ابن عمرؓ کی عادت تھی کہ جب ان کے سامنے کھانا رکھ دیا جاتا اور جماعت بھی کھڑی ہو جاتی، تو جب تک کھانے سے فارغ نہ ہو جاتے، نماز میں نہ آتے، حالانکہ وہ یقیناً امام کی قراءت سنتے ہوتے تھے، اور زہیر اور وہب بن عثمان نے یہ سند موسیٰ بن عقبہ، نافع ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کھانے پر (بیٹھ گیا) ہو، تو جلدی نہ کرے، یہاں تک کہ اپنی اشتہا اس سے پوری کرلے، اگرچہ جماعت کھڑی ہوگئی ہو، امام بخاری نے کہا، کہ مجھ سے ابراہیم بن منذر نے وہب بن عثمان سے روایت کیا، اور وہب مدینہ کے رہنے والے تھے۔

تشریح: حضرت گنگوہی قدس سرہ، نے فرمایا کہ ترجمۃ الباب میں حضرت ابوالدرداءؓ کا قول امام بخاریؒ نے اس لئے نقل کیا تا کہ مختلف روایات میں جمع کی صورت نکل آئے، کیونکہ بعض میں کھانا مقدم رکھنے کا حکم ہے جو یہاں درج ہیں اور بعض میں یہ ہے کہ نماز کو کھانے وغیرہ کی وجہ سے موخر نہ کیا جائے (کمافی ابی داؤد وغراہ صاحب المشکوٰۃ الی شرح السنۃ) پھر حاشیہ لامع میں یہ تفصیل بھی ہے کہ علامہ شوکانی نے کہا:۔ظاہر احادیث تقدیم کی وجہ سے کھانے کو ہی ہمیشہ مقدم کیا جائے خواہ اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو، اور خواہ وہ کھانا کم ہو یا زیادہ، اور کھانے کے خراب ہونے کا خطرہ ہو یا نہ ہو۔ابن حزم اور ظاہریہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، امام ترمذی نے بھی بعض صحابہ وتابعین سے تقدیم طعام ہی کو نقل کیا ہے، امام غزالیؒ نے قید لگائی کہ کھانے کے فاسد یا بے مزہ ہونے کا ڈر ہو تو نماز کو مؤخر کرے ورنہ نہیں، شافعیہ نے احتیاج کی قید رکھی، امام مالک نے فرمایا کہ کھانا ہلکا ہو یعنی کم مقدار میں تو نماز کو مؤخر کر کے کھالے ورنہ نہیں:۔جمہور کا مسلک یہ ہے کہ وقت میں گنجائش ہو تو پہلے کھانا کھالے اور دل کو فارغ کر کے نماز اطمینان سے ادا کرے اور اسی لئے امام اعظم نے فرمایا کہ نماز کو کھانا بنادوں کہ اس میں دل پڑا رہے، اس سے بہتر یہ ہے کہ کھانے کو نماز بنادوں کہ کھاتے ہوئے بھی نماز کا ذکر ودھیان رہے، لیکن اگر نماز کے وقت نکلنے کا ڈر ہو تو پہلے نماز ہی پڑھے، اور اس وقت نماز کی تاخیر کھانے وغیرہ کی وجہ سے جائز نہیں اور یہی حدیث ابی داؤد مذکورہ بالا کا منشاء ہے۔

لہٰذا ابن حزم اور بعض شافعیہ کا یہ مسلک صحیح نہیں کہ کھانے کو ہی مقدم کیا جائے خواہ نماز کا وقت بھی نکل جائے اور شوکانی نے جو امام احمدؒ کی طرف یہ قول منسوب کیا کہ وہ کھانے پر نماز کو مقدم کرنے سے نماز کو فاسد بتلاتے ہیں یہ انتساب بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ موفق نے کھانا مقدم کرنے کو صرف مستحب لکھا ہے، واجب وفرض نہیں لکھا۔علامہ ابن عبدالبرؒ نے اس امر پر اجماع نقل کیا ہے کہ کھانے کی موجودگی میں اگر نماز کامل طریقہ پر پڑھ لی جائے تو وہ درست ہو جائے گی۔

امام طحاویؒ نے مشکل الآثار (ص۲/۴۰۲) میں تقدیم طعام کی روایات کو روزہ دار کے لئے خاص کیا ہے اور نماز سے نماز مغرب کو متعین کیا ہے۔گویا دوسری نمازوں کے اوقات کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔(لامع الدراری ص۱/۲۵۳)

حافظؒ نے علامہ محقق ابن دقیق العید سے نقل کیا کہ احادیث میں سب نمازیں مراد نہیں بلکہ مناسب ہے کہ ان کو صرف مغرب کی نماز پر محمول کیا جائے، بقولہ علیہ السلام فابدؤا بالعشاء اور دوسری روایت فابدؤا به قبل ان تصلوا المغرب سے بھی یہی بات راجح معلوم ہوتی ہے، اور ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر کرتی ہے۔ایک صحیح حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب کھانا سامنے آجائے اور کوئی تم میں سے روزہ دار ہو تو کھانے کو مقدم کرو۔

علامہ فاکہانیؒ نے کہا کہ "حدیث کو عموم پر رکھنا چاہیے کیونکہ علت عام ہے یعنی تشویش قلب کہ بھوک میں خشوع صلوٰۃ حاصل نہ ہوگا اور نماز مغرب کا ذکر حصر کے لئے نہیں ہے اس لئے کہ بعض مرتبہ غیر روزہ دار کھانے کا روزہ دار سے بھی زیادہ خواہش مند ہوتا ہے"۔ پھر حافظ نے خود بھی لکھا کہ عموم پر محمول کرنا معنی ومقصد کے لحاظ سے بھی مناسب ہے کیونکہ بھوکا روزہ دار کی طرح ہے اور شام کا وقت صبح کی طرح ہے لہٰذا حدیث کے لفظ ماثور پر انحصار ضروری نہیں معلوم ہوتا' علامہ عینیؒ اور حافظؒ نے اور بھی تفصیل کی ہے۔مطالعہ کر لی جائے۔ہم نے خلاصہ دے دیا ہے۔ (فتح الباری ص۲/۱۰۹)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ فقہی بات تو وہی ہے، جو سب کہتے ہیں، مگر میرے نزدیک اس قسم کے مسائل میں زیادہ توسع کرنا مناسب نہیں ہے، کیونکہ انسان کو اپنے دین کی اصلاح وترقی کی فکر زیادہ چاہیئے، بہ نسبت دنیوی امور کھانے، پینے، راحت وآسائش وغیرہ کے لئے تا کہ اعمال خیر کل کے لئے ذخیرہ ہوں، اور کوتاہیوں وغفلت میں قیمتی وقت ضائع نہ ہو جائے لقولہ تعالی ولتنظر نفس ما قدمت لغد ط (ہر شخص کو سوچنا چاہیئے کہ اس نے کل کے لئے کیا ذخیرہ کیا ہے)

کل سے مراد آخرت ہے۔ یعنی آج کی دنیوی محدود زندگی کی راحت وعیش میں پڑ کر کل کی آخرت والی ابدی زندگی سے غفلت نہ برتنی چاہیئے اور وہاں کی زندگی سنوارنے کی واحد صورت نیک اعمال کا ذخیرہ ہے۔

باب اذادعی الامام الصلوٰۃ وبیدہ مایاکل

(جب نماز کے لئے امام کو بلایا جائے اور اس کے ہاتھ میں وہ چیز ہو جو کھا رہا ہو)

۶۳۹: حدثنا عبدالعزیز بن عبداللہ قال حدثنا ابراھیم بن سعد عن صالح عن ابن شھاب قال اخبرنی جعفر بن عمرو بن امیة ان اباہ قال رایت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یاکل ذراعاً یحتز منھا فدعی الی الصلوٰۃ فقام فطرح السکین فصلی ولم یتوضأ

ترجمہ: حضرت جعفر بن عمرو بن امیہ، عمرو بن امیہؓ سے روایت کرتے ہیں، کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو ایک شانہ کھاتے ہوئے دیکھا، آپ اس میں سے گوشت کاٹ لیتے تھے، اتنے میں آپ کو نماز کے لئے بلایا گیا، تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور چھری آپ نے نیچے رکھ دی۔ پھر آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا (یعنی گوشت کھانے کے بعد)

تشریح: حسب تحقیق حافظؒ اس باب میں یہ بتلایا کہ پہلے باب میں حکم تقدیم طعام کا کا بطور استحباب تھا، وجوب کے لئے نہ تھا' اور بعض حضرات نے یہ تفصیل کی کہ اقامت صلوٰۃ قبل کھانا شروع کرنے کے ہو یا بعد کو ان دونوں کا حکم الگ الگ ہے' یا امام بخاری نے امام اور غیر امام کا مسئلہ جدا جدا سمجھا ہو' علامہ ابن المنیر نے کہا شاید حضور علیہ السلام نے خاص اپنے لئے عزیمت کو اختیار کیا ہو' اس لئے نماز کو کھانے پر مقدم کیا اور دوسروں کو رخصت پر عمل کرنے کا موقع دیا' کیونکہ آپ خواہش طعام پر قابو رکھنے کی دوسروں سے زیادہ قوت رکھتے تھے' اور آپ کی برابر کون اپنی خواہشات پر کنٹرول کر سکتا تھا؟ لیکن اس استدلال پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے حضور علیہ السلام جتنا کچھ کھانا چاہتے تھے وہ کھا چکے ہوں اور اس لئے باقی کو چھوڑ کر جماعت کے لئے تشریف لے گئے ہوں واللہ اعلم (فتح الباری ص۱۱۱ ج۲)

ہمارے حضرت شاہ صاحب نے ایک توجیہ پر پیش کی کہ کھانا چونکہ خراب یا بے مزہ ہو جانے والا نہیں تھا' ممکن ہے حضور علیہ السلام نے اسی لئے اس کو درمیان میں چھوڑ کر جماعت میں شرکت کی ترجیح دی ہو۔

باب من کان فی حاجة اھله فاقیمت الصلوٰۃ فخرج

(جو شخص گھر کے کام کاج میں ہو' اور نماز کی تکبیر کہی جائے' تو نماز کے لئے کھڑا ہو جائے)

۶۴۰: حدثنا ادم قال حدثنا شعبة قال حدثنا الحکم عن ابراھیم عن الاسود قال سالت عائشة ماکان النبی صلے اللہ علیہ وسلم یصنع فی بیتہ قالت کان یکون فی مھنة اھلہ تعنی خدمة اھلہ فاذا حضرت الصلوٰۃ خرج الی الصلوٰۃ

ترجمہ: حضرت اسودؒ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کیا کیا کرتے تھے! وہ بولیں کہ اپنے گھر والوں کی مہنت یعنی خدمت میں (مصروف) رہتے تھے' جب نماز کا وقت آ جاتا تو آپ نماز کے لئے چلے جاتے۔

تشریح: علامہ عینی اور حافظ نے فرمایا کہ امام بخاری نے ترجمۃ الباب سے یہ اشارہ کیا کہ کھانے کی طرح دوسرے امور نہیں ہیں کہ ان میں بھی جٹے رہو اور جماعت کی پرواہ نہ کرو' اسی لئے حضور علیہ السلام کا تعامل ذکر کیا گیا کہ آپ فارغ اوقات میں گھر کے اندر گھر والوں کے کاموں میں بھی ہاتھ بٹاتے تھے' مگر جماعت کے وقت اس کو چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔ (عمدہ ص۲۸۷ ج۳ و فتح ص۱۱۱ ج۲)

علامہ عینی نے یہ بھی لکھا کہ خود حضور علیہ السلام کے اپنے ذاتی کام اور معمولات بھی اس میں داخل ہیں' کیونکہ شمائل ترمذی میں ہے کہ آپ اپنے کپڑوں کی صفائی بھی کر لیتے تھے' اپنی بکری کا دودھ بھی دوہ لیتے تھے وغیرہ' امام احمد وابن حبان کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اپنا کپڑا سی لیتے تھے' ڈول درست کر لیتے تھے' حاکم نے اکلیل میں یہ بھی اضافہ کیا کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے کبھی کسی عورت یا خادم کو نہیں مارا (عمدہ ص ۲۹ ے ج ۱)

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا: حضرت زرارۃ بن ابی اوفی ایک تابعی تھے لوہار' ان کا حال بھی یہ تھا کہ ہتھوڑا اٹھاتے ہوئے بھی اگر اذان کی آواز سن لی تو اسی طرح ہتھوڑے کو رکھ کر نماز کے لئے چل دیتے تھے۔

پھر فرمایا کہ حدیث الباب کی سند میں حضرت اسود بھی ہیں جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اخص تلامذہ میں سے تھے' حضرت عائشہؓ سے اہم مسائل میں رجوع کرتے اور ان کی خدمت میں ہدایا بھی پیش کرتے تھے' رواۃ کوفہ میں سے ہیں' اور ان کا مسلک بھی ترک رفع یدین تھا' اس سے خیال کرو کہ کیسے جلیل القدر عالم تھے' اور ان کے اساتذہ کتنے بڑے مرتبہ کے تھے' اور اسی سے ان کے اختیار کردہ مسائل ترک رفع وغیرہ کی شان بھی سمجھو۔

باب من صلے بالناس و هو لا یرید الآن یعلمهم صلوٰة النبی صلے الله علیه وسلم و سنته

(اس شخص کا بیان جو لوگوں کو صرف اس لئے نماز پڑھائے کہ انہیں رسول اللہ کی نماز اور ان کی سنت سکھائے)

۶۴۱: حدثنا موسی بن اسمٰعیل قال حدثنا وھیب قال حدثنا ایوب عن ابی قلابة قال جآء نامالک بن الحویرث فی مسجدنا ھٰذا قال انی لاصلی بکم وما ارید الصلوٰة اصلی کیف رایت النبی صلے الله علیه وسلم یصلی فقلت لابی قلابه کیف کان یصلی قال مثل شیخنا ھٰذا وکان الشیخ یجلس اذا رفع راسه' من السجود قبل ان ینھض فی الرکعة الاولیٰ

ترجمہ: حضرت ابوقلابہؒ روایت کرتے ہیں کہ ہمارے پاس مالک بن حویرثؓ ہماری اسی مسجد میں آئے' اور انہوں نے کہا' کہ میں تمہارے سامنے نماز پڑھتا ہوں' میرا مقصود نماز پڑھنا نہیں ہے' بلکہ جس طرح میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا ہے' اسی طرح (تمہارے دکھانے کو) پڑھتا ہوں' ایوب کہتے ہیں کہ میں نے ابوقلابہ سے کہا' کہ وہ کس طرح نماز پڑھتے تھیں؟ وہ بولے کہ ہمارے اس شیخ کی مثل اور شیخ (کی عادت تھی کہ) پہلی رکعت میں جس سجدہ سے اپنا سر اُٹھاتے تھے' تو کھڑے ہونے سے پہلے بیٹھ جاتے تھے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحب: نے فرمایا کہ اس باب سے یہ بتلانا ہے کہ نماز پڑھ کر اگر دوسروں کو عملی طور پر تعلیم دی جائے تو وہ نماز بھی خدا کیلئے ہی ہے اور درست ہے' وہ لغیر اللہ نہیں ہوگی' جس طرح تحیۃ المسجد کہ وہ نام سے بھی مسجد کیلئے معلوم ہوتی ہے اور تحیۃ مسجد کہلاتی ہے مگر وہ بھی خدا کیلئے ہے۔

قولہ وکان الشیخ یجلس

اس پر فرمایا کہ اس سے جلسہ استراحت مراد ہے' یعنی پہلی اور تیسری رکعت کے سجدہ سے اٹھ کر کھڑے ہونے سے قبل بیٹھنا جو امام شافعیؒ کے نزدیک مستحب ہے' مگر امام ابوحنیفہ' امام مالک وامام احمدؒ وغیرہم اس کے قائل نہیں' اور منتقی الاخبار (للشیخ مجد الدین ابی البرکات ابن تیمیہ جد ابن تیمیہ

[1] علامہ عینی نے بھی امام احمد کا یہ قول ذکر کیا ہے' اور نعمان بن ابی عیاش سے یہ بھی نقل کیا کہ میں نے بہت سے اصحاب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ وہ نہیں بیٹھتے تھے۔ امام ترمذی نے کہا کہ اسی پر اہل علم کا عمل ہے۔ ابوالزناد نے کہا کہ یہی سنت ہے اور ان حضرات نے حدیث مالک ابن الحویرث بخاری کا یہ جواب دیا کہ حضور علیہ السلام سے جلوس بوجہ ضعف کے ہوا ہے۔ اور ابوعبدالملک نے کہا کہ حضور علیہ السلام نے مدینہ میں دس سال نمازیں پڑھیں اور پھر حضرت ابوبکرؓ' عمر' عثمان' اور دوسرے صحابہ وتابعین نے بھی' اگر وہ جلسہ استراحت کرتے تو کیا وہ اہل مدینہ سے پوشیدہ رہ سکتا تھا؟ الخ (عمدہ ص ۳۰ ے ج ۲)

المعروف) میں ہے امام احمد سے کہ اکثر احادیث سے ترک جلسہ استراحت ثابت، اور بخاری ص ۱۱۳ میں "باب المکث بین السجدتین" میں ان ہی مالک بن الحویرث کے تیسری رکعت کے بعد بیٹھنے پر ایوب کا یہ ریمارک بھی نقل ہوا ہے کہ وہ ایسا فعل کرتے تھے، جو ہم نے دوسروں کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ تقلیل کے لئے یہ کیا کم ہے کہ ایک صحابی کہہ رہا ہے کہ عمر بن سلمہ کے سوا کسی کو کرتے نہیں دیکھا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس سے میں یہ سمجھا ہوں کہ یہ جلسہ استراحت بھی ضرور ہے، مگر پھر ترک وخمول میں آ گیا ہوگا، اسی لئے ایوب وغیرہ نے انکار کیا ہے، جس طرح فرض مغرب سے قبل دو رکعات بھی ثابت ہوئیں مگر پھر خمول میں آ گئیں اسی لئے حضرت ابن عمرؓ نے ان پر نکیر کی ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ پھر بھی میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف صرف افضلیت کا ہے، جیسا کہ علامہ حلوانیؒ کی رائے ہے میرا طریقہ ہے کہ اختلاف کو جتنا بھی ہو سکے کم کرتا ہوں، اور کبیری میں جو جلسہ استراحت کی وجہ سے سجدہ سہو واجب کہا ہے وہ میرے نزدیک اس حالت میں ہے کہ وہ مقدار سنت سے زیادہ ہو جائے نہ جب کہ مقدار سنت ہو، اس وقت سجدہ سہو نہیں ہے، دیوبند میں مجھ سے پوچھا تو میں نے یہی بتلایا اور اگر معارض بھی ہوتا تو شارح منیہ کو حلوانی سے نسبت ہی کیا ہے؟ پھر فرمایا کہ میرے نزدیک امام طحاوی کا یہ جواب کہ وہ عذر کی وجہ سے تھا، قوی نہیں ہے۔

باب اهل العلم والفضل احق بالامامة

(علم وفضل والا امامت کا زیادہ مستحق ہے)

۶۴۲: حدثنا اسحق بن نصر قال ثنا حسين عن زآئدة عن عبدالملك بن عمير قال حدثني ابوبردة عن ابي موسىٰ قال مرض النبي صلے الله عليه وسلم فاشتدمرضه' فقال مروآ ابابكر فليصل بالناس قالت عائشة انه' رجل رقيق اذا قام مقامك لم يستطع ان يصلي بالناس قال مريّ ابابكر فليصل بالناس فعادت فقال مريّ ابابكر فليصل بالناس فانكن صواحب يوسف فاتاه الرسول فصلي بالناس في حيوٰة النبي صلے الله عليه وسلم

۶۴۳: حدثنا عبدالله بن يوسف قال اخبرنا مالك عن هشام بن عروة عن ابيه عن عآئشة ام المؤمنين انها قالت ان رسول الله صلے الله عليه وسلم قال في مرضه مروآ ابابكر يصلي بالناس قالت عآئشة قلت ان ابابكر اذاقام في مقامك لم يسمع الناس من البكآء فمرعمر فليصل بالناس من البكآء فمر عمر فليصل للناس ففعلت حفصة فقال رسول الله صلے الله عليه وسلم ......انكم لانتن صواحب يوسف مروآ ابا بكر فليصل للناس فقالت حفة لعآئشة ما كنت لا صيب منك خيراً

۶۴۴: حدثنا ابو اليمان قال اخبرنا شعيب عن الزهري قال اخبرني انس ابن مالك ن الانصاري وكان تبع النبي صلے الله عليه وسلم وخدمه' و صحبه' ان ابابكر كان يصلي لهم في وجع النبي صلے الله عليه وسلم الذي توفي فيه حتىٰ اذا كان يوم الاثنين وهم صفوف في الصلوٰة فكشف النبي صلے الله عليه وسلم ستر الحجرة ينظر الينا وهوقآئم كان وجهه' ورقة مصحف ثم تبسم يضحك فهممنا ان تفتتن من الفرح برؤية النبي صلے الله عليه وسلم فنكص ابوبكر علىٰ عقبيه ليصل الصف وظن ان النبي صلے الله عليه وسلم خارج الى الصلوٰة فاشار الينا النبي صلے الله عليه وسلم اتموا صلوٰتكم و

ارخی الستر فتوفی من یومه صلے الله علیه وسلم

۶۴۵ :حدثنا ابومعمر قال حدثنا عبدالوارث قال حدثنا عبدالعزیز عن انس قال لم یخرج النبی صلے الله علیه وسلم ثلثا فاقیمت الصلوٰة فذهب ابوبکر یتقدم فقال نبی الله علیه وسلم بالحجاب فرفعه' فلما وضح وجه النبی صلی الله علیه وسلم ما نظرنا منظراً کان اعجب الینا من وجه النبی صلی الله علیه وسلم حین وضح لنا فاومأالنبی صلے الله علیه وسلم بیده الیٰ ابی بکر ان یتقدم و ارخی النبی صلے الله علیه وسلم الحجاب فلم یقدرعلیه حتیٰ مات

۶۴۶ :حدثنا یحیی بن سلیمان قال حدثنی ابن وهب قال حدثنی یونس عن ابن شهاب عن حمزة بن عبدالله انه' اخبره عن ابیه قال لما اشتدبرسول الله صلے الله علیه وسلم وجعه' قل له' فی الصلوٰة فقال مروآ ابابکر فلیصل بالناس قالت عآئشة ان ابابکر رجل رقیق اذاقرأ غلبه البکآء قال مروه فلیصل فعاودته فقال مروه فلیصل انکن صواحب یوسف تابعه الزبیدی وابن اخی الزهری واسحٰق بن یحییٰ الکلبی عن الزهری وقال عقیل و معمر عن الزهری عن حمزة عن النبی صلے الله علیه وسلم.

ترجمہ۶۴۲: حضرت ابوموسیٰؓ روایت کرتے ہیں، کہ جب نبی کریم ﷺ بیمار ہوئے، اور آپ کا مرض بڑھ گیا، تو آپ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھادیں، حضرت عائشہؓ نے کہا، کہ (حضرت) وہ نرم دل آدمی ہیں۔ جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو نماز نہ پڑھا سکیں گے۔ حضور نے فرمایا، نہیں، تم ابوبکر سے ہی کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں لیکن حضرت عائشہؓ پھر لوٹ کر آگئیں تو حضور نے فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھادیں اور تم تو وہ عورتیں (معلوم ہوتی ہو) جنھوں نے یوسف کو (گھیر رکھا تھا) پس ابوبکرؓ کے پاس حضور کا قاصد (یہ حکم لے کر) آیا اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کی زندگی میں لوگوں کو نماز پڑھائی:۔

ترجمہ۶۴۳: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے اپنی بیماری میں فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھادیں، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں، میں نے حفصہؓ سے کہا کہ تم حضور سے عرض کرو کہ ابوبکرؓ جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے، تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو (اپنی قراءت) نہ سنا سکیں گے۔ لہٰذا آپ عمرؓ کو حکم دیجئے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھادیں، پس حفصہؓ نے عرض کردیا تو رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ ہٹو! تم تو وہ عورتیں ہو جو یوسف کو گھیرے ہوئے تھیں۔ ابوبکرؓ کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھادیں، تو حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا، کہ تم سے مجھے کوئی بھلائی ملنے کی امید نہیں۔

ترجمہ۶۴۴: حضرت انس بن مالکؓ جو رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے والے، آپ کے خادم اور صحابی تھے، روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے مرض وفات میں حضرت ابوبکرؓ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے، یہاں تک کہ جب دوشنبہ کا دن ہوا اور لوگ نماز میں صف بستہ تھے تو نبی کریم ﷺ نے حجرہ کا پردہ اٹھایا اور ہم لوگوں کی طرف کھڑے ہوکر دیکھنے لگے، اس وقت آپ کا چہرہ مبارک گویا مصحف کا صفحہ تھا، پھر آپ بشاشت سے مسکرائے۔ ہم لوگوں نے خوشی کی وجہ سے چاہا کہ نبی ﷺ کے دیکھنے میں مشغول ہوجائیں اور ابوبکرؓ اپنے پچھلے پیروں پیچھے ہٹ آئے تاکہ صف میں مل جائیں وہ سمجھے کہ نبی کریم ﷺ نماز کے لئے آنے والے ہیں، لیکن آپ نے ہماری طرف اشارہ کیا کہ اپنی نماز پوری کرلو، اور آپ نے پردہ ڈال دیا، اسی دن آپ نے وفات پائی۔ صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ ۶۴۵: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں، کہ (مرض وفات میں) نبی کریم ﷺ تین دن باہر نہیں نکلے، ایک دن نماز کی اقامت ہوئی اور ابوبکرؓ آگے بڑھنے لگے، اتنے میں نبی کریم ﷺ نے پردہ کو اٹھادیا، پس نبی ﷺ کا چہرہ نظر آتے ہی ہمارے سامنے ایسا خوش کن منظر آ گیا کہ اس سے زیادہ کبھی میسر نہ آیا تھا، پھر نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ سے ابوبکر کو اشارہ کیا، کہ آگے بڑھ جائیں اور نبی کریم ﷺ نے پردہ گرا دیا، پھر اس پر آپ کو قدرت نہ ہوئی یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی۔

ترجمہ ۶۴۶: حضرت حمزہ بن عبداللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جب رسول خدا ﷺ کا مرض بڑھ گیا، تو آپ سے نماز کی (امامت کے) بارے میں عرض کیا گیا، آپ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو، کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھادیں، حضرت عائشہؓ بولیں، کہ ابوبکرؓ ایک نرم دل آدمی ہیں۔ جب (نماز میں قرآن مجید) پڑھیں گے، تو ان پر رونا غالب آجائے گا، آپ نے فرمایا، ان ہی سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں، پھر دوبارہ حضرت عائشہؓ نے وہی کہا، پھر آپ نے فرمایا کہ ان ہی سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں، تم تو یوسف کے زمانے کی عورتوں کی طرح (معلوم ہوتی ہو) زبیدی اور زہری کے بھتیجے نے اس کے متابع حدیث روایت کی ہے اور عقیل اور معمر نے یہ سند زہری و حمزہ، رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے۔

تشریح اور بحث و نظر: قولہ فانکن صواحب یوسف: یعنی جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام سے مصر کی عورتیں ان کے خلاف مرضی گفتگو کرتی تھیں یا یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کسی اور خیال میں تھے اور عورتیں کسی دوسرے خیال میں، یا یہ کہ تم عورتیں تو اپنی ہی بات چلایا کرتی ہو۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ امام بخاریؒ نے اس باب میں حنفیہ کا مسلک اختیار کیا ہے کہ اعلم کو اقرأ پر مقدم کیا ہے۔ اور ایک روایت امام شافعیؒ سے بھی اس کے موافق ہے، لیکن مشہور قول ان کا اقرأ کی تقدیم ہے اعلم پر اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف سے بھی یہ منقول ہے۔ امام بخاری نے اپنے مسلک پر امامت سیدنا ابوبکرؓ سے استدلال کیا ہے، کیونکہ وہ اعلم تھے، یعنی اگر اقرأ کی تقدیم ہوتی تو حضرت ابی بن کعبؓ امامت کے مستحق زیادہ ہوتے کہ وہ بنص حدیث اقرأ تھے۔ امام بخاری نے حدیث مسلم کی روایت بھی اپنی صحیح میں نہیں لی ہے، جس سے تقدیم اقرأ نکلتی ہے، اور جو شافعیہ کا مستدل ہے، اس کا جواب ہماری طرف سے یہ ہے کہ حدیث مسلم اس زمانہ کے رواج و عرف پر وارد ہوئی تھی، نہ بعد کے عرف پر، اس دور میں سب سے بڑا قاری وہ تھا جس کو قرآن مجید زیادہ یاد تھا، کیونکہ وہ سب اہل زبان تھے، ان کو تصحیح حروف و مخارج کی ضرورت ہی نہ تھی، جتنا یاد کرتے تھے، اس کو صحیح ادا کرتے تھے اور سمجھ کر پڑھتے تھے، اس لئے اس کے عالم بھی ہوتے تھے، پھر جب اسلام اطراف کی طرف پھیلا اور عجم نے بھی قرآن مجید کو پڑھا تو وہ تصحیح حروف کے محتاج ہوئے لہٰذا حدیث مسلم ہمارے محل نزاع سے خارج ہے، اس میں جس اقرأ کی تقدیم ہے وہ اعلم بھی ہوتا تھا، البتہ بعد کو اصطلاح و عرف بدل گئی اور فقہاء کے تجوید سے پڑھنے والے کو قاری کہا، تو اختلاف کھلا، اور امام شافعی نے قاری کو عالم پر ترجیح دی، امام صاحب و امام بخاری وغیرہ نے عالم کو ترجیح دی، یعنی جو بقدر ضرورت صلوٰۃ صحیح حروف ادا کر سکتا ہے اور مسائل نماز سے بھی واقف ہے وہ اس سے زیادہ امامت کا مستحق و اہل ہے جو صرف مجود قاری تو ہے مگر مسائل سے واقف نہیں ہے، چنانچہ صاحب ہدایہ نے صحیح دعویٰ کیا کہ پہلے اقرأ اعلم بھی ہوتا تھا، کیونکہ صحابہ صحیح بھی پڑھتے تھے اور قرآن مجید کے سارے معانی و مبانی سے واقف بھی ہوتے تھے، پھر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان میں باہم علم میں فضیلت نہ تھی، وہ بھی ضرور تھی، مثلاً حضرت ابن عباسؓ کی شان علم تفسیر قرآن میں سب سے بڑھی ہوئی تھی، اس کے علاوہ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ حدیث مسلم میں اگرچہ ظاہر الفاظ سے اقرأ کو مقدم کیا گیا ہے، مگر اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ وجہِ ترجیح علم ہی ہے کیونکہ دوسرا جملہ حدیث مسلم کا یہ ہے کہ اگر قراءت میں سب برابر ہوں تو وہ مقدم ہوگا جو اعلم بالسنہ ہوگا۔ یعنی پہلے تو جس کو قرآن مجید زیادہ یاد ہوگا اور ساتھ ہی معانی جاننے کی وجہ سے اعلم بالقرآن بھی ہوگا (کیونکہ اس وقت سب ہی ایسے تھے کہ جتنا یاد ہوتا سب کو سمجھتے تھے) وہ سب سے زیادہ امامت کا مستحق ہوگا، اس کے بعد وہ ہوگا جو علمِ قرآن و مسائل میں بڑھا ہوا ہو خواہ اس کو قرآن مجید دوسرے سے کم یاد ہو۔ اس سے صاف واضح ہوا کہ اصل ترجیح زیادتی حفظِ قرآن کے لئے نہیں بلکہ

زیادتی علم کے لئے ہے۔ پھر یہ بات الگ ہے کہ حفظ وعلم کے لئے بھی لانہایت مراتب ہیں، غرض ہمارے فقہاء نے الفاظ حدیث سے زیادہ معانی ومقاصدِ حدیث کی رعایت کی اوران کو سمجھا ہے۔ وہ سمجھے کہ حدیث میں اقرأ کی تقدیم اس لئے کی گئی کہ اس زمانہ میں اقرأ اعلم بھی ضرور ہوتا تھا یہ بات نہ تھی کہ اسے قرآن مجید تو زیادہ یاد ہوتا تھا، مگر وہ اس کے معانی ومقاصد کو نہ سمجھتا تھا، اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حدیثِ نبوی میں سنت سے مراد وہ مسائل ہیں جو حضور علیہ السلام کے طریق نماز اوراس کے بارے میں ہدایات کے علم ومشاہدہ سے حاصل ہوئے تھے۔ اوراعلم بالسنہ سے یہ مراد ہے کہ وہ بقدرِ ضرورتِ صلوٰۃ قرآن مجید صحیح طور سے پڑھنے کے ساتھ مسائل متعلقہ نماز کا علم بہ نسبت دوسروں کے زیادہ رکھتا ہو، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ صحابۂ کرام میں سے سب سے زیادہ علم، فہم، تقویٰ، تعلق مع اللہ، خوف وخشیت والے تھے، وقال تعالیٰ انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلماء وقال علیہ السلام انا اتقاکم للّٰہ واخشاکم (میں تم سب سے زیادہ خدائے تعالیٰ کا خوف وخشیت رکھتا ہوں) ظاہر ہے تقویٰ وخشیت خداوندی کا تعلق علم سے ہے، تجوید وقراءت سے نہیں، لہٰذا جن اوصاف فاضلہ میں حضور علیہ السلام اور سب سے بڑھے ہوئے تھے، اسی طرح حضرتِ ابوبکرؓ بھی ان اوصاف نبویہ میں اور سب صحابہ پر ممتاز تھے، اور اسی لئے وہ امت میں سے امامت کے مستحق بھی پہلے درجہ پر قرار پائے، اگر وجہ ترجیح بجائے علم کے حفظ کے لئے ہوتی تو حضرت ابوبکرؓ کی جگہ امامت کے مستحق حضرات ابی بن کعبؓ ہوتے جن کو حضور علیہ السلام نے امت کا اقرأ واحفظ فرمایا تھا۔

حضرتؒ نے مزید ارشاد فرمایا کہ علم کے مقابلہ میں حفظ کی شان تو حدیث میں بھی کم ہے، کیونکہ حضرت ابوہریرہؓ صحابہ میں سے سب سے بڑے حافظِ حدیث تھے، مگر علم وفہم حدیث کے لحاظ سے یہاں بھی حضرت ابوبکرؓ ہی کا درجہ سب سے اوپر ہے حدیث نمبر ۶۴۴ میں ان نفتتن کا ترجمہ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ ہم نے خیال کیا کہ فرطِ خوشی سے ہم میں کھلبلی پڑ جائے گی۔

افادۂ انور: مغازی موسیٰ بن عقبہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک رکعت ابوبکر کے پیچھے مسبوقانہ پڑھی ہے اور میرا گمان ہے کہ جہاں سے پردہ اٹھایا تھا وہیں سے بیٹھ کر اقتداء کی ہوگی۔ پھر انتقالات ہوتے رہے، حضور علیہ السلام نے ظہر۔ مغرب۔ عشاء اور فجر کی نمازیں حالتِ مرض میں پڑھی ہے، عصر کا ذکر نہیں ہے (راجع المغازی الخ) حضور علیہ السلام عشا کے وقت بھی نکلے ہیں اور خطبہ پڑھا ہے۔ اس طرح چار وقت نکلے ہیں اور بخاری کے الفاظ سے بھی ۵۔۶ جگہ سے یہ نکلتا ہے۔ مگر حافظ نے کہیں بول کر نہیں دیا اور صرف ایک ظہر کو مانتے ہیں، باقی کا انکار کرتے ہیں نیز فرمایا کہ جس وقت حضور علیہ السلام کے اوپر مشکیں ڈالی گئی ہیں وہ عشا کا ہی وقت تھا اور مغرب کے وقت بھی نکلے ہیں اور صبح کے وقت بھی ایک رکعت میں مسبوق ہو کر شرکت کی ہے (کما فی البخاری) پس چار اوقات میں شرکت ثابت ہے۔

باب من قام الی جنب الامام لعلة

کسی عذر کی بنا پر مقتدی کا امام کے پہلوں میں کھڑے ہونے کا بیان

۶۴۷: حدثنا زکریآ بن یحیٰ حدثنا ابن نمیر قال اخبرنا ھشام ابن عروۃ عن ابیہ عن عآئشۃ قالت امر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ابابکر ان یصلی بالناس فی مرضہ فکان یصلی بھم قال عروۃ فوجد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من نفسہ خفۃ فخرج فاذا ابوبکر یؤم الناس فلمآ راٰہ ابوبکر استاخر فاشار الیہ اَن کماانت فجلس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حذآء ای بکر الیٰ جنبہ فکان ابوبکر یصلی بصلوٰۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم والناس یصلون بصلوٰۃ ابی بکر

ترجمہ: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے اپنی بیماری میں حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں چنانچہ وہ لوگوں کو نماز پڑھانے

لگے، عروہ (راوی حدیث) کہتے ہیں، کہ رسول خدا ﷺ نے اپنے جسم میں (مرض کی) کچھ خفت دیکھی تو باہر تشریف لائے، اس وقت ابوبکرؓ لوگوں کے امام تھے، لیکن جب ابوبکرؓ نے آپ کو دیکھا، تو پیچھے ہٹنا چاہا، آپ نے انہیں اشارہ فرمایا کہ تم اسی طرح رہو، پھر رسول خدا ﷺ ابوبکرؓ کے برابر ان کے پہلو میں کھڑے ہو گئے، پس ابوبکرؓ رسول خدا ﷺ کی نماز کی اقتدا کرتے تھے، اور لوگ ابوبکرؓ کی نماز کی اقتداء کرتے تھے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ امام محمدؒ کے نزدیک امام کے ساتھ اگر صرف ایک مقتدی ہو تو وہ امام کی برابری سے کچھ پیچھے کو ہٹ کر داہنی طرف کھڑا ہوگا، تاکہ امام سے آگے ہونے کا احتمال نہ رہے کہ اس سے نماز باطل ہو جائے گی، اور اگر دو مقتدی ہوں تو ان کی جگہ امام کے پیچھے ہے، لیکن اگر ایک مقتدی داہنی طرف اور دوسرا امام کے بائیں کھڑا ہو کر اقتدا کرے تو وہ بھی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے، ہم مکروہ کہتے ہیں، مگر جگہ تنگ ہو کہ پیچھے کھڑے نہ ہو سکیں تو ہمارے نزدیک بھی مکروہ نہیں ہے۔

قولہ لعلّہ: پر فرمایا کہ علت کے معنی اصل لغتِ عرب میں عرف مرض کے ہیں، اگر چہ پھر اس کا استعمال وجہ و سبب کے لئے بھی ہونے لگا ہے۔ صاحبِ قاموس کی بھی یہی تحقیق ہے۔

باب من دخل ليؤم الناس فجآء الامام الاول فتاخر الاول اولم يتاخر جازت صلوٰة فيه عآئشة عن النبي صلے الله عليه وسلم

(اگر کوئی آدمی لوگوں کی امامت کے لئے جائے پھر امام اول آ جاوے تو پہلا شخص پیچھے ہٹے یا نہ ہٹے، اس کی نماز ہو جائے گی اس مضمون میں حضرت عائشہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت نقل کی ہے)

۶۴۸: حدثنا عبدالله بن يوسف قال اخبرنا مالك عن ابي حازم بن دينار عن سهل بن سعدالساعد ان رسول الله صلے الله عليه وسلم ذهب الىٰ بنى عمرو بن عوف ليصلح بينهم فحانت الصلوٰة فجآء المؤذن الىٰ ابي بكر فقال اتصلي بالناس فاقيم قال نعم فصلى ابوبكر فجاء رسول الله صلے الله عليه وسلم والناس فى الصلوٰة فتخلص حتىٰ وقف فى الصف فصفق الناس و كان ابوبكر لايلتفت فى صلوته فلما اكثر الناس التصفيق التفت فرأى رسول الله صلى الله عليه وسلم فاشار اليه رسول الله صلے الله عليه وسلم ان امكث مكانك فرفع ابوبكر يديه فحمد الله علىٰ ماامره رسول الله صلے الله عليه وسلم من ذلك ثم استاخر ابوبكر حتىٰ استوىٰ فى الصف وتقدم رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى فلما انصرف قال يآابابكر مامنعك ان تثبت اذا مرتك فقال ابوبكر ماكان لابن ابي قحافة ان يصلي بين يدى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال رسول الله صلے الله عليه وسلم مالى رايتكم اكثرتم التصفيق من نابه شئ فى صلوته فليسبح فانه اذاسبح التفت اليه وانما التصفيق للنساء

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ روایت کرتے ہیں، کہ رسول خدا ﷺ بنی عمرو بن عوف میں باہم صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے، اتنے میں نماز کا وقت آ گیا تو موذن ابوبکرؓ کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ اگر تم لوگوں کو نماز پڑھا دو تو میں اقامت کہوں، انہوں نے کہا اچھا، پس ابوبکرؓ نماز پڑھانے لگے، اتنے میں رسول خدا ﷺ آ گئے اور لوگ نماز میں تھے، پس آپ (صفوں میں) داخل ہوئے، یہاں تک کہ (پہلی) صف میں جا کر ٹھہر گئے، لوگ تالی بجانے لگے، چونکہ ابوبکرؓ نماز میں ادھر ادھر نہ دیکھتے تھے، لیکن جب لوگوں نے زیادہ تالیاں بجائیں، تو انہوں نے دز دیدہ نظر سے دیکھا تو رسول خدا ﷺ نے انہیں اشارہ کیا کہ تم اپنی جگہ پر کھڑے رہو تو ابوبکر نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کے

حضور انور علیہ السلام کے اس ارشاد کا شکریہ ادا کیا، پھر پیچھے ہٹ گئے، یہاں تک کہ صف میں آ گئے، اور رسول خدا علیہ السلام آگے بڑھ گئے، آپ نے نماز پڑھائی، پھر جب آپ فارغ ہوئے، تو فرمایا کہ اے ابوبکرؓ جب میں نے تم کو حکم دیا تھا، تو تم کیوں نہ کھڑے رہے؟! ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ ابوقحافہؓ کے بیٹے کی یہ مجال نہیں ہے، کہ رسول خدا علیہ السلام کے آگے نماز پڑھائے، پھر رسول خدا علیہ السلام نے (لوگوں سے) فرمایا کہ کیا سبب ہے کہ میں نے تم کو دیکھا تم نے تالیاں بکثرت بجائیں (دیکھو) جب کسی کو نماز میں کوئی بات پیش آئے تو اسے چاہئے، کہ سبحان اللہ کہہ دے، کیونکہ جب وہ سبحان اللہ کہہ دے گا، تو اس کی طرف التفات کیا جائے گا اور ہاتھ پر ہاتھ مارنے کا اشارہ صرف عورتوں کے لئے رکھا گیا ہے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے قولہ فصلے ابوبکر پر فرمایا:۔ مجھے مصنف عبدالرزاق میں روایت ملی ہے جس سے ثابت ہوا کہ یہ واقعہ تیسرے سال ہجری کا ہے، اور روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بہت پرانا ہے، کیونکہ اس میں تصفیق کا بھی ذکر ہے، جو پہلے دنوں میں تھی، اس کے بعد تسبیح کے حکم سے وہ منسوخ ہوگئی، لہٰذا بخاری کی اس حدیث الباب سے مسائل اخذ کرنا درست نہ ہوگا۔ مثلاً صفِ اول تک پہنچنا بغیر اس کے کہ وہاں جگہ خالی رہ گئی ہو، تب تو دوسری صفوں کو چھوڑ کر آگے جانا درست ہے، یا نماز کے اندر ہاتھ اٹھانا، یا حمد کرنا، کہ یہ سب امور خصوصیت پر محمول ہوں گے اور ان پر اب عمل درست نہ ہوگا، علامہ ابن الجوزیؒ نے بھی کہا کہ ایسی باتوں پر فقیہ کو عمل نہیں کرنا چاہئے نہ ان کو سنت سمجھنا چاہئے جن پر عمل کا توارث ثابت نہ ہو، لہٰذا شافعیہ کا اس واقعہ کو متاخر قرار دینا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

قولہ فرفع ابوبکر یدیہ: پر فرمایا: نماز کے درمیان میں ہاتھ اٹھانا فعلِ مستحسن ہے یا نہیں؟ اس جیسے فعل کے لئے ضابطہ و قاعدہ کلیہ یاد رکھو، جو بہت سے مواضع میں کام آئے گا، کبھی تو حضور اکرم علیہ السلام کی جانب سے بھی تصویب و تقریر کسی فعل کی ہوتی ہے اور کبھی کسی کی اچھی نیت کی۔ ان دونوں میں فرق کرنا ضروری ہے اور جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ خاص طور سے وہ تصویب و تقریر اس فعل کی ہی ہے، تب تک اس کو سنت قرار نہیں دے سکتے کیونکہ بعض اوقات وہ فعل خود پسندیدہ نہیں ہوتا بلکہ جس نیت صالحہ سے وہ کیا گیا ہے صرف وہ نیت قابلِ تحسین و تصویب ہوتی ہے۔ البتہ اگر کسی فعل پر تعاملِ سلف منقول ہو تو وہ بھی اس فعل کی تقریر و تصویب کی دلیل بن سکتا ہے، مثلاً مروی ہے کہ حضرت کلثوم بن ہدمؓ نماز میں ہمیشہ سورۂ اخلاص پڑھا کرتے تھے، کسی صحابی نے اس بارے میں حضور اکرم علیہ السلام سے استفسار کیا کہ ان کا یہ فعل کیسا ہے؟ اور حضور علیہ السلام کے سوال پر حضرت کلثوم نے جواب دیا کہ حضور! مجھے اس سورت سے محبت ہے کیونکہ اس میں صفت رحمان ہے، اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کی محبت نے تجھے جنت کا مستحق بنا دیا۔ تو باوجود حضور علیہ السلام کی اتنی مدح و تصویب کے بھی سورۂ اخلاص کے ہر نماز میں تکرار کے فعل کو مستحسن یا مسنون و مستحب قرار نہیں دیا جا سکتا کہ آپ نے تو صرف اس کی نیت کی تعریف کی ہے۔ یہی بات حضرات صحابہؓ نے سمجھی ہے، جو سارے امتِ محمدیہ میں سے سب سے زیادہ ذکی و دانشمند تھے، ان میں سے کسی نے بھی تکرارِ سورت پر عمل نہیں کیا، اور اس کو صرف ایک شخص کے لئے بشارت خیال کیا، ورنہ اس پر تعامل و توارث ہو جاتا، اور خود حضور علیہ السلام کا سوال کرنا ہی اس فعل کے ناپسندیدہ ہونے کے لئے کافی ہے (فرمایا کہ غیر مقلد یہ سمجھے کہ قل هو الله ہی پڑھنی چاہئے، چنانچہ صبح کی نماز میں بھی پڑھتے ہیں) اسی طرح بہت سے امور میں جہاں حضور علیہ السلام نے سوال فرما دیا ہے وہاں یہی صورت پیدا ہوگی، ایک صحابی نے نماز میں چھینک آنے پر دعا پڑھی حضور علیہ السلام نے فرمایا من المتکلم فی الصلوٰۃ؟ اور پھر تصویب نیت بھی کی۔ ایک صحابی نے نماز میں اللّٰہ اکبر کبیرا کہا تو آپ نے فرمایا کہ اس کلمہ کو بارہ فرشتے اچک کر لے گئے۔ (اس سے معلوم ہوا کہ فرشتے بعینہ اعمال کو اٹھا کر لے جاتے ہیں) پھر بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ نے سوال کے بعد، فاعل کا پیچھا نہیں کیا، اور اس کے فعل سے صرف نظر فرمائی، جیسے پہلے گزرا کہ صبح کی نماز کے وقت یا اقامت کے بعد آپ نے سنتیں پڑھنے والے کو ٹوکا کیا صبح کی چار رکعت پڑھو گے؟! مگر پھر اس کے فعل پر تعقب یا نکیر بھی نہیں کی، فقط سوال یا ٹوکنے سے ہی اس فعل کا بے محل ہونا ظاہر ہو گیا۔

بعض اقسام رفع یدین بھی حضور علیہ السلام کے سوال اور ٹوک کی زد میں آ چکے ہیں، اس لئے ہر رفع یدین کو بھی مرضیات شارع علیہ

السلام میں داخل کرنا ٹھیک نہ ہوگا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکرؓ کا فعل بے محل تھا، اور حضور علیہ السلام نے تقریر صحت نیت کی کی ہے نہ کہ یہ تصویب فعل ہے۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ قراءتِ فاتحہ خلف الامام وغیرہ بھی اسی زمرہ میں آجائیں گے، کیونکہ وہاں بھی سوالِ نبوی ہوا ہے۔ تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔ ان شاء اللہ

قوله ما كان لابن ابي قحافة ان يصلي بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم: فرمایا: امت کے کسی فرد کے لائق نہیں کہ وہ نبی ورسول کا امام بن سکے، اسی لئے حضرت مہدی بھی صرف ایک نماز میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے امام بنیں گے، وہ بھی اس لئے کہ اقامت ان کے لئے ہو چکے گی اور اقامت کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام اتریں گے اور مسند احمد میں یہ بھی ہے کہ نبی کی وفات سے قبل اس کے کسی امتی نے اس کی امامت کی ہے، اور حضور اکرم علیہ السلام نے بھی کئی مواقع میں اپنے کسی امتی کی اقتدا کی ہے، مثلاً غزوۂ (۱) تبوک سے واپسی میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے امامت کی اور آپ نے اقتدا فرمائی (ابوداؤد ص ۲۰ و مسلم ص ۱۳۴ باب المسح علی الخفین) (۲) دو جماعتوں میں صلح کرانے کے لئے قبا تشریف لے گئے، تو اس وقت بھی ایسا پیش آیا۔ (۳) مرضِ وفات میں حضرت ابوبکرؓ کی اقامت تو بہت ہی مشہور ہے، پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں حضرت ابوبکرؓ نے یہ بات بھی سمجھی کہ حضور اکرم علیہ السلام کا ارشاد امامت کے لئے بطور لزوم نہ تھا، اور نماز پڑھاتے رہنے کا حکم بھی بابِ اکرام وقدر افزائی سے تھا اسی لئے حضرت ابوبکرؓ نے بھی بطریق ادب وتواضع پیچھے ہٹ آنا ہی مناسب خیال کیا، برخلاف اس کے جو مرضِ وفات نبوی میں پیش آیا کہ وہاں حضرت ابوبکرؓ پیچھے نہیں ہٹے، بلکہ نماز پوری پڑھائی، اور حضور علیہ السلام نے دوسری رکعت نماز صبح میں آپ کی اقتدا فرمائی، جیسا کہ مغازی موسیٰ بن عقبہ میں ہے، گویا نماز کا بڑا حصہ ہو جانے پر حضرت ابوبکرؓ نے نماز میں استمرار و مشغولیت کو ترجیح دی اور جب تھوڑی پڑھانے پر ہی حضور علیہ السلام تشریف لے آئے تو آگے نماز پڑھانا آپ کی موجودگی میں مناسب نہ سمجھا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے بھی اسی طرح عمل کیا تھا جبکہ صبح کی ایک رکعت پڑھانے کے بعد حضور علیہ السلام نے ان کے پیچھے اقتدا کی تھی، یہی فرق اور تفصیل حافظ نے بھی ذکر کی ہے۔ دیکھئے فتح الباری ص ۱۱۴\۲

تفرد الحافظ والامام البخاری: حافظؒ نے حدیث الباب کے تحت کچھ فوائد ذکر کئے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ امام سے قبل مقتدی کا احرامِ صلوٰۃ جائز ہے، اور جو شخص اکیلے نماز شروع کرے، پھر اقامت ہو جائے تو وہ شخص نمازِ جماعت میں اسی طرح داخل ہو جائے گا، نماز توڑ کر پھر سے امام کے بعد تکبیر تحریمہ کہہ کر شرکتِ جماعت کی ضرورت نہیں ہے، جو جمہور کا مذہب ہے۔ حافظ نے کہا کہ حدیث الباب کے قصہ سے یہی مسئلہ طبری نے بھی استنباط کیا ہے۔ (فتح ص ۱۱۵\۲)

حافظ عینیؒ نے حافظ کا یہ مسئلہ نقل کر کے اس کا رد کیا ہے، اور فرمایا کہ یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ حدیث نبوی میں اذا کبر الامام فکبروا وارد ہے، یعنی امام تکبیر کہے تب تم بھی تکبیر کہو۔ اس سے ترتیب وبعدیت ثابت ہوتی ہے، لہٰذا امام سے قبل تکبیر کیسے جائز ہوگی، علامہ ابن بطالؒ نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں کہ کسی نے بھی ایسی بات کہی ہو کہ امام سے پہلے تکبیر کہے تو اس کی نماز جائز ہو جائے گی، البتہ امام شافعیؒ کے مذہب پر یہ بات اس لئے درست ہو سکتی ہے کہ ان کے نزدیک مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ساتھ مرتبط نہیں ہے، باقی دوسرے سب ہی فقہاء اس کو جائز قرار نہیں دیتے۔ پھر علامہ عینیؒ نے طبری کے استدلال کو بھی رد کیا اور فرمایا کہ حدیث الباب سے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس نماز میں شرکت فرمائی جس کا کچھ حصہ حضرت ابوبکرؓ پڑھ چکے تھے اور ان کی اقتداء صحابہ کرام کر چکے تھے۔ لہٰذا حضور علیہ السلام نے درمیانِ صلوٰۃ میں اپنی نماز شروع کی ہے اور قوم نے دونوں کے پیچھے اپنی نماز پوری کی ہے۔ اس سے مقتدیوں کی تحریمہ امام سے قبل کیونکر ہوئی جبکہ پہلے سے امام حضرت ابوبکرؓ تھے، اور ان ہی کی تحریمہ سے شروع کی ہوئی نماز کو حضور علیہ السلام کے ساتھ پورا کیا ہے۔ (عمدہ ص ۴۰\۲۱۷)

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے ابتداء کتاب الصلوٰۃ میں بوقت درس بخاری شریف فرمایا تھا کہ ہمارے حنفیہ کے نزدیک تو اتحادِ

صلاتین شرائطِ اقتداء میں سے ہے، امام شافعیؒ کے یہاں اختلافِ صلاتین فرضاً ونفلاً ووقتاً کی صورت میں بھی اقتدا درست ہے، لیکن امام بخاریؒ نے شافعیہ سے بھی زیادہ توسع کیا ہے، چنانچہ انہوں نے تقدیم تحریمۂ مقتدی کو بھی جائز قرار دے دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقدیم مذکور کا جواز شافعیہ کا مسلک نہیں ہے۔ اور ادھر حافظ نے امام بخاریؒ ہی کے مسلک کی طرف اشارہ کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

راقم الحروف نے اپنی کسی یادداشت میں امام بخاریؒ کے تفردات کو یکجا کیا ہے، کسی موقع پر ان سب کو پیش کر دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ

باب اذااستووافی القرآءۃ فلیؤمھم اکبرھم

(اگر کچھ لوگ قرأت میں مساوی ہوں تو جوان میں زیادہ عمر والا ہو وہ امامت کرے)

۶۴۹: حدثنا سلیمان بن حرب قال اخبرنا حماد بن زید عن ایوب عن ابی قلابۃ عن مالک بن الحویرث قال قدمنا علی النبی صلے اللہ علیہ وسلم و نحن شبیۃ فلبثنا عندہ' نحوامن عشرین لیلۃ وکان النبی صلے اللہ علیہ وسلم رحیماً فقال لورجعتم الیٰ بلادکم فعلمتموھم مروھم فلیصلوا اصلوٰۃ کذافی حین کذاوصلوٰۃ کذافی حین کذافاذاحضرت الصلوٰۃ فلیؤذن لکم احدکم ولیؤمکم اکبرکم.

ترجمہ: حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ہم چند جوان تھے، ہم لوگ تقریباً بیس یوم تک مقیم رہے۔ نبی کریم ﷺ بڑے رحم دل تھے) (لہٰذا آپ نے (ہمارا گھر بار سے جدا رہنا پسند نہ کیا اور) ہم سے فرمایا کہ اگر تم اپنے وطن کو لوٹ کر جاؤ، تو انہیں دین کی تعلیم کرنا، ان سے کہنا، کہ وہ اسی طریقے سے اس وقت میں، اور اس طریقے سے اس وقت میں نماز پڑھیں، اور جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے ایک شخص اذان دے۔ اور جو عمر میں بڑا ہو وہ امامت کرے۔ ف:۔ یہ حدیث پہلے دو یا تین مقام پر گزر چکی ہے۔

تشریح: حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا:۔ ترجمۃ الباب میں اس طرف اشارہ ہے کہ حدیث الباب میں جو بڑی عمر والے کو امامت کے لئے آگے بڑھانے کی بات ہے وہ اس وقت ہے کہ وہ سب قراءت میں مساوی ہوں، ورنہ بڑی عمر والے کی تقدیم نہ ہوگی، حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے فرمایا کہ گویا ترجمۃ الباب سے حدیث کی شرح کی گئی ہے، اور جمہور کے نزدیک جن میں ائمۂ ثلاثہ اور امام محمدؒ بھی ہیں مسئلہ یہ ہے کہ زیادہ علم والے کو زیادہ قراءت والے پر ترجیح ہے، امام احمد وابو یوسف کہتے ہیں کہ زیادہ قراءت والے کو مقدم کرو۔ (الابواب ص ۲۶۷\۲)

باب اذازارالامام قوماً فامھم

(اگر امام کچھ لوگوں سے ملنے جائے تو ان کا امام ہو سکتا ہے)

۶۵۰: حدثنا معاذ بن اسد قال اخبرنا عبداللہ قال اخبرنا معمر عن الزھری قال اخبرنی محمود بن الربیع قال سمعت عتبان بن مالک الانصاری قال استاذن النبی صلے اللہ علیہ وسلم فاذنت لہ' فقال این تحب ان اصلی من بیتک فاشرت لہ' الی المکان الذی احب فقام وصففنا خلفہ' ثم سلم و سلمنا

ترجمہ: حضرت محمود بن ربیع، عتبان بن مالک انصاریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (میرے گھر میں آنے کی) اجازت طلب فرمائی، تو میں نے آپ کو اجازت دی، پھر آپ نے فرمایا کہ تم اپنے گھر میں کس مقام پر نماز پڑھوانا چاہتے ہو، جس مقام کو میں چاہتا تھا، اس مقام کی طرف میں نے اشارہ کر دیا۔ پس آپ کھڑے ہو گئے۔ اور ہم نے آپ کے پیچھے صف باندھ لی (اس کے بعد آپ نے اور ہم نے نماز پڑھ کر) سلام پھیرا۔

تشریح: حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا:۔ اس باب کا مقصد یہ ہے کہ حدیث میں جو ممانعت آئی ہے کہ کسی کے گھر پر دوسرا جائے تو امامت نہ کرے، وہ گھر والے کی عدم اجازت کے ساتھ مقید ہے اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بھی اپنی تراجم الابواب میں اسی کو اختیار کیا ہے، دوسری

رائے حافظ ابن حجرؒ کی ہے کہ امام اعظم (خلیفہ وقت وغیرہ) اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس کو اجازت کی ضرورت نہیں، تیسری رائے محقق عینیؒ کی ہے کہ امام اعظم کو بھی حدیث نبوی کی وجہ سے اجازت کی ضرورت ہے الخ (الابواب ص ۳۲۷/۳)

راقم الحروف کے نزدیک واضح صورتیں دو ہی بنتی ہیں، تیسری سمجھ میں نہیں آئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب انما جعل الامام ليؤتم به وصلے النبی صلے اللہ علیہ وسلم فی مرضہ الذی توفی فیہ بالناس و ھو جالس وقال ابن مسعود اذارفع قبل الامام یعود فیمکث بقدرما رفع ثم یتبع الامام وقال الحسن فیمن یرکع مع الامام رکعتین ولایقدرعلی السجود یسجدللرکعۃ الأخرۃ سجدتین ثم یقضی الرکعۃ الاولیٰ بسجودھا و فیمن نسی سجدۃً حتیٰ قام یسجد (امام اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض وفات میں لوگوں کو بیٹھ کر نماز پڑھائی اور لوگ کھڑے ہوئے تھے، اور حضرت ابن مسعود کا قول ہے کہ اگر کوئی مقتدی امام سے پہلے سر اٹھائے تو اسے چاہیے کہ پھر لوٹ جائے اور بقدر اس مدت کے جس میں وہ سر اٹھائے رہا وہاں توقف کرے اس کے بعد امام کا اتباع کرے اور حسن بصری نے اس شخص کے بارے میں جو امام کے ساتھ دو رکعتیں پڑھے، اور (لوگوں کی کثرت کے سبب سے) سجدہ کرنے پر قادر نہ ہو، یہ کہا ہے، کہ اخیر رکعت میں دو سجدے کر لے، بعد اس کے پہلی رکعت مع اس کے سجدوں کے ادا کرے، اور جو شخص کوئی سجدہ بھول کر کھڑا ہو جائے، اس کے بارے میں کہا ہے کہ وہ سجدہ کر لے)

۶۵۱: حدثنا احمد بن یونس قال اخبرنا زآئدۃ عن موسیٰ بن ابی عائشۃ عن عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبۃ قال دخلت علیٰ عآئشۃ فقلت الاتحدثینی عن مرض رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قالت بلیٰ ثقل النبی صلے اللہ علیہ وسلم فقال اصلی الناس قلنا لاوھم ینتظرونک یا رسول اللہ قال ضعوالی مآءً فی المخضب قالت ففعلنا فاغتسل فذھب لینوٓء فاغمی علیہ ثم افاق فقال اصلی الناس قلنالاھم ینتظرونک یا رسول اللہ قال ضعوالی ماءً فی المخضب فقعد فاغتسل ثم ذھب لینوٓء فاغمی علیہ ثم افاق فقال اصلی الناس قلنالاھم ینتظرونک یارسول اللہ والناس عکوف فی المسجد ینتظرون النبی صلے اللہ علیہ وسلم لصلوٰۃ العشآء الأخرۃ فارسل النبی صلے اللہ علیہ وسلم الی ابی بکربان یصلی بالناس فاتاہ الرسول فقال ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یامرک ان تصلی بالناس فقال ابوبکر وکان رجلاً رقیقاً یاعمر صل بالناس فقال لہٗ عمرانت احق بذٰلک فصلی ابوبکر تلک الایام ثم ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم وجدمن نفسہ خفۃً فخرج بین رجلین احدھما العباس لصلوٰۃ الظھروابوبکر یصلی بالناس فلمارآہ ابوبکر ذھب لیتأخر فاومیٰ الیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بان لایتأخر فقال اجلسانی الیٰ جنبہ فاجلساہ الیٰ جنب ابی بکر قال فجعل ابوبکر یصلی وھو یاتم بصلوٰۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم والناس بصلوٰۃ ابی بکروالنبی صلے اللہ علیہ وسلم قاعد قال عبیداللہ فدخلت علیٰ عبداللہ بن عباس فقلت لہٗ الااعرض علیک ماحدثتنی عآئشۃ عن مرض النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال ھات فعرضت علیہ حدیثھا فماانکرمنہ شیئاً غیرانہٗ قال اسمت لک الرجل الذی کان مع

العباس قلت لاقال هو علیٰ

۶۵۲: حدثنا عبد اللّٰہ بن یوسف قال اخبرنا مالک عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عآئشۃ ام المؤمنین انھا قالت صلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بیتہ و ھوشاک فصلی جالساً وصلے ورآءہ' قوم قیاماً فاشارالیھم ان اجلسوا فلما انصرف قال انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذارکع فارکعوا واذا رفع فارفعوا واذاقال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنا ولک الحمد واذا صلے جالساً فصلوا جلوساً اجمعون

۶۵۳: حدثنا عبداللہ بن یوسف قال اخبرنا مالک عن ابن شھاب عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رکب فرساً فصرع عنہ فجحش شقہ' الایمن فصلی صلوۃ من الصلوات وھو قاعد فصلیناورآءہ' قعوداً فلما انصرف قال انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذاصلے قآئماً فصلوا قیاماً واذا رکع فارکعوا واذارفع فارفعوا واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنالک الحمد واذاصلے جالساً فصلوا جلوساً اجمعون قال ابوعبداللہ قال الحمیدی قولہ' واذاصلے جالساً فصلوا جلوساً ھو فی مرضہ القدیم ثم صلے بعد ذٰلک النبی صلے اللہ علیہ وسلم جالساً والناس خلفہ' قیام لم یامرھم بالقعود وانما یؤخذبالأخر فالأخرمن فعل النبی صلے اللہ علیہ وسلم

ترجمہ ۶۵۱: حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہؒ روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس گیا، اور میں نے کہا کہ آپ مجھ سے رسول خدا علیہ السلام کی (اخیر) مرض کی کیفیت کیوں نہ بیان کریں، انھوں نے کہا، اچھا (سنو) میں بیان کرتی ہوں، رسول اللہ علیہ السلام بیمار ہوئے، پھر آپ نے پوچھا، کیا لوگ نماز پڑھ چکے، ہم لوگوں نے عرض کیا، کہ نہیں یارسول اللہ! وہ آپ کے منتظر ہیں، آپ نے فرمایا کہ میرے لئے طشت میں پانی رکھ دو (میں نہاؤں گا) حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ہم لوگوں نے ایسا ہی کیا، آپ نے غسل فرمایا پھر کھڑا ہونا چاہا، مگر آپ بے ہوش ہو گئے، اس کے بعد ہوش آیا، تو آپ نے پھر فرمایا، کہ کیا لوگ نماز پڑھ چکے؟ ہم نے عرض کیا، نہیں یارسول اللہ! وہ آپ کے منتظر ہیں، آپ نے فرمایا کہ میرے لئے طشت میں پانی رکھ دو، چنانچہ رکھ دیا گیا پس آپ نے غسل فرمایا پھر کھڑا ہونا چاہا مگر بے ہوش ہو گئے، پھر فرمایا کہ کیا لوگ نماز پڑھ چکے؟ لوگوں نے عرض کیا، نہیں یارسول اللہ! وہ آپ کے منتظر ہیں، اور لوگ مسجد میں نبی کریم علیہ السلام کا عشاء کی نماز میں انتظار کر رہے تھے (مجبوراً نبی کریم علیہ السلام نے حضرت ابوبکرؓ کے پاس (کہلا) بھیجا تا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، چنانچہ قاصد ان کے پاس پہنچا، اور اس نے کہا کہ رسول خدا علیہ السلام آپ حکم دیتے ہیں کے آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں حضرت ابوبکرؓ بولے (اور وہ نرم دل آدمی تھے) کہ اے عمر، تم لوگوں کو نماز پڑھا دو حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ تم اس کے زیادہ حق دار ہو، تب حضرت ابوبکرؓ نے ان دنوں میں نماز پڑھائی، اس کے بعد نبی کریم علیہ السلام نے اپنے آپ میں (مرض کی) کچھ خفت پائی، تو آپ دو آدمیوں کے درمیان میں سہارا لے کر نماز ظہر کے لئے نکلے، ان میں سے ایک عباس تھے، اس وقت ابوبکرؓ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، جب آپ کو ابوبکر نے دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے مگر آپ نے انہیں اشارہ فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹیں، پھر آپ نے فرمایا کہ مجھے ان کے پہلو میں بٹھا دو، چنانچہ ان دونوں آدمیوں نے آپ کو ابوبکر کے پہلو میں بٹھا دیا۔

عبیداللہؒ کہتے ہیں کہ اس وقت، ابوبکرؓ اس طرح نماز پڑھنے لگے، کہ وہ تو نبی کریم علیہ السلام کی نماز کی اقتداء کرتے تھے اور لوگ ابوبکر کی نماز کی اقتدا کرتے تھے نبی کریم علیہ السلام بیٹھے ہوئے (نماز پڑھ رہے) تھے، عبیداللہ کہتے ہیں، پھر میں عبداللہ بن عباس کے پاس گیا اور ان سے یہ کہا میں تمہارے سامنے وہ حدیث پیش نہ کروں جو مجھ سے حضرت عائشہؓ نے نبی کریم علیہ السلام کے مرض کے متعلق بیان کی ہے، انھوں نے کہا لاؤ (سناؤ) میں نے ان کے سامنے حضرت عائشہؓ کی حدیث پیش کی، حضرت ابن عباسؓ نے اس میں سے کسی بات کا انکار نہیں کیا۔ صرف

اتنا کہا کہ حضرت عائشہؓ نے تمہیں اس شخص کا نام بھی بتایا جو حضرت عباسؓ کے ہمراہ تھا، میں نے کہا نہیں، ابن عباس نے کہا، وہ علیؓ تھے۔

ترجمہ ۶۵۲: حضرت ہشام بن عروہ، اپنے والد عروہ سے وہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بحالت مرض اپنے گھر ہی میں بیٹھ کر نماز پڑھی۔ اور لوگوں نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو آپ نے (یہ دیکھ کر) ان سے ارشاد فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، پھر جب آپ (نماز سے) فارغ ہوئے، تو آپ نے فرمایا کہ امام اسی لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، لہٰذا جب وہ رکوع کرے، تو تم بھی رکوع کرو، اور جب وہ (سر اٹھائے تو تم بھی اٹھاؤ، اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے، تو تم ربنا لک الحمد کہو، اور جب وہ بیٹھ کر پڑھے، تو تم سب بھی بیٹھ کر پڑھو۔

ترجمہ ۶۵۳: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (ایک مرتبہ) گھوڑے پر سوار ہوئے، اور اس سے گر گئے، تو آپ کے جسم مبارک کا داہنا پہلو اس سے کچھ زخمی ہو گیا۔ اس وجہ سے آپ نے نمازوں میں سے ایک نماز بیٹھ کر پڑھی، پھر جب آپ فارغ ہوئے، تو آپ نے فرمایا امام اسی لئے مقرر کیا گیا ہے، کہ اس کی اقتدا کی جائے، پس اگر وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر پڑھو، اور جب رکوع کرے، تو تم بھی رکوع کرو، اور جب وہ (سر) اٹھائے تو تم بھی اٹھاؤ، اور جب وہ بیٹھ کر پڑھے، تو تم سب بیٹھ کر پڑھو، امام بخاری کہتے ہیں، حمیدی نے کہا ہے کہ یہ قول آں حضرت ﷺ کا کہ "جب امام بیٹھ کر پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو" آپ کی پہلی بیماری میں تھا۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے امرض وفات کے موقع پر۔ بیٹھ کر نماز پڑھی اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے، آپ نے انہیں بیٹھنے کا حکم نہیں دیا، اور یہ طے شدہ امر ہے، کہ نبی کریم ﷺ کے آخری سے آخری فعل پر عمل کیا جاتا ہے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ حدیث الباب ص ۶۵۱ میں حضور علیہ السلام کا مرض وفات میں ٹب میں بیٹھ کر غسل کرنے کا ذکر ہے اور نماز عشاء مسجد نبوی میں پڑھنے کی بھی صراحت ہے، اور بخاری کے الفاظ سے بھی ۵[1] جگہ سے یہ بات نکلتی ہے کہ حضور علیہ السلام عشا کے وقت حجرہ شریفہ سے مسجد کی طرف نکلے ہیں اور خطبہ پڑھا ہے مگر حافظ نے کہیں بول کر نہیں دیا، اور وہ صرف ایک ظہر کے لئے نکلنے کو مانتے ہیں باقی کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ حضور علیہ السلام نے اپنے مرض وفات میں چار پانچ دن کے اندر چار بار مسجد نبوی کی نماز میں شرکت فرمائی ہے اور تین نمازوں کی شرکت کو تو امام ترمذی نے بھی مانا ہے، میں چار مانتا ہوں، جبکہ امام شافعی اور حافظ صرف ایک نماز کی شرکت مانتے ہیں، پھر ان دونوں میں بھی اختلاف ہے کہ امام شافعی صبح کی نماز میں کہتے ہیں اور حافظ ظہر میں۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ بخاری کی حدیث ص ۳۲ کے تحت بھی ضروری تفصیل انوار الباری ص ۱۷۴/۵ میں آچکی ہے، وہ بھی اس کے ساتھ دیکھ لی جائے۔

اب حضرتؒ نے سابق باب اہل العلم والفضل احق بالامامۃ کی حدیث انسؓ میں قولہ فنکص ابو بکر الخ پر یہ بھی فرمایا کہ اس کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام اس نماز میں داخل نہیں ہوئے، کہ ایسا ہوتا تو راوی اس کو ضرور ذکر کرتا، تاہم امام بیہقی نے شرکت پر اصرار کیا ہے اور دو روایتوں سے استدلال کیا ہے، میرے پاس بھی دس وجوہ یا زیادہ ایسی ہیں جو شرکت نماز فجر (یوم الاثنین یوم وفات نبوی) پر دلالت کرتی ہیں، اور میرا خیال ہے کہ آپ نے اقتدا حجرہ شریفہ سے کی ہے۔ مسجد میں تشریف نہیں لے جا سکے، جس طرح عورتیں جمعہ کے دن حجروں سے اقتدا کرتی تھیں (کما فی المدونہ لیکن میرے پاس اس کی نقل نہیں ہے) اور نسائی سے معلوم ہوتا ہے کہ صف تک پہنچ گئے تھے۔

امام شافعیؒ بھی نماز صبح کی شرکت کے قائل ہیں اور غالباً وہ پیر کے دن کی ہی ہے۔ حافظ نے صبح کی نماز کی شرکت سے انکار کیا ہے اور

---

[1] مثلاً ص ۳۲ باب الغسل والوضوء فی المخضب، اور ص ۹۹ میں باب الرجل یأتم (یہی زیر بحث باب) اور ص ۵۱۲ میں نماز و خطبہ کا ذکر اور ص ۶۳۹ باب المغازی اور ص ۸۵۱ میں ثم خرج الی الناس، نماز خطبہ کا ذکر اور حافظ کا انکار۔ "مؤلف"

شرکت صرف ظہر میں مانی ہے۔ پہلے یہ بات بھی آچکی ہے کہ ایک نماز ظہر کی شرکت کو سب ہی مانتے ہیں علاوہ امام شافعی کے خواہ وہ سنیچر کی ہو یا اتوار کی، جمعہ کی تو ہو نہیں سکتی، جمعرات کی شام سے علالت شروع ہوئی تھی، جمعہ، سنیچر، اتوار تین روز پورے علالت میں گذرے، پیر کے دن ظہر کے قبل وفات ہوئی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اہم بحث: حافظ نے نماز عشاء کی شرکت سے بھی انکار کیا ہے جبکہ ابھی بخاری کی ۵۔۶ روایات سے بھی حضور علیہ السلام کے حجرہ شریفہ سے نکلنے اور نماز کے علاوہ خطبہ تک کا بھی ثبوت موجود ہے، مگر بڑا مغالطہ حدیث احمد بن یونس ص ۱۵۱ سے ہی لگا ہے جو اس وقت سامنے ہے کیونکہ اس کے بھی شروع میں نماز عشاء کا ذکر صراحۃ موجود ہے لیکن آگے اسی حدیث میں راوی نے نماز ظہر کا بھی ذکر کر دیا ہے، اس سے حافظ نے عشا کی شرکت ہٹا کر ظہر کی ثابت کر دی ہے۔ اور علامہ عینی بھی یہاں چوک گئے کہ انھوں نے بھی غسل کے اس واقعہ میں ظہر کی نماز تسلیم کر لی، حالانکہ اس واقعہ کا کوئی تعلق نماز ظہر سے نہیں ہے۔ پھر عجیب بات ہے کہ ہمارے حضرت گنگوہیؒ اور حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم وغیرہ کسی نے بھی اس اشکال کی طرف توجہ نہیں کی، جبکہ فیض الباری میں حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق بھی حضرت شیخ الحدیث کے سامنے تو آ ہی چکی تھی، کہ وہ حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق کا ذکر ضرور اہم مباحث میں کیا کرتے ہیں۔ پھر زیادہ تعجب اس پر ہے کہ صاحب فیض الباری نے ص ۲/۲۱۰ پر حاشیہ بھی لکھ دیا اور حدیث مسلم کا حوالہ دے کر حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق انیق کو بالکل ہی بے وزن کر دیا، پھر اتنی اہم بات کا حضرت شاہ صاحبؒ سے استفسار بھی نہ کرنا، جبکہ ان کا کمرہ جامعہ ڈابھیل میں حضرت کے کمرہ سے بالکل متصل تھا اور ہر وقت رجوع واستفادہ کے مواقع میسر تھے، اور حدیث مسلم پر حوالہ کرنے کی بھی کیا ضرورت تھی کہ خود یہاں بخاری میں بھی بعینہ وہی حدیث احمد بن یونس والی موجود ہے۔

آخر یہ سوچنا تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ ایسی اہم تحقیق پیش کر رہے ہیں، جس طرح بڑوں کی توجہ بھی نہ ہو سکی تھی، مثلاً علامہ عینی وغیرہ کی، اور بات اتنی واضح تھی کہ اس کا انکار ہو بھی نہیں سکتا، چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ خود ہی فرماتے ہیں کہ حدیث بخاری ومسلم وغیرہ کے الفاظ **ثم خرج الی الناس** سے بہت ہی واضح اور کھلی حقیقت ثابت ہو رہی ہے کہ غسل کے بعد آپ کا نکلنا نماز عشاء ہی کے لئے تھا، جس کا ذکر اسی حدیث میں پہلے موجود بھی ہے کہ وہ وقت عشا کا تھا، اور یہ مرض کا پہلا دن تھا (یعنی شب جمعہ کی عشاء کا وقت) تو اس خروج کو سنیچر یا اتوار کی ظہر کے لئے خروج کس طرح کہا جا سکتا ہے اور خود بخاری ص ۵۱۲ میں باب **قولہ تعالیٰ کما یعرفون ابناء ھم** سے کچھ قبل حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ مرض وفات میں ہماری طرف نکلے، چادر لپیٹے ہوئے اور سر کو کالی پٹی باندھے ہوئے، حتیٰ کہ آپ منبر پر بیٹھے اور حمد وثنا کی پھر **اما بعد** الخ خطبہ دیا اور یہ آپ کی منبر پر آخری مجلس تھی۔

پھر یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ بخاری ص ۳۲ میں بعد غسل معہود کے صرف لوگوں کی طرف نکلنے کا ذکر ہے کسی نماز یا خطبہ کا ذکر نہیں، ص ۵۱۲ میں غسل کے بعد نماز وخطبہ دونوں کا ذکر ہے مگر ظہر کا تذکرہ نہیں، ص ۶۳۹ میں بھی غسل کے بعد نماز وخطبہ کا ذکر ہے، ظہر کی صراحت نہیں ص ۸۵۱ میں بھی غسل کے بعد نماز وخطبہ کا تذکرہ تو ہے مگر ظہر کا ذکر نہیں، صرف ایک روایت ص ۹۵ میں راوی نے پہلے نماز عشاء کا ذکر کیا اور پھر نماز ظہر کو بھی اس کے ساتھ جوڑ دیا، حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق یہ ہے کہ صورت واقعہ وہ نہیں تھی جو حافظ نے سمجھی ہے، بلکہ یہ تھی کہ راوی نے پہلے تو حضور علیہ السلام کے حکم سے حضرت ابوبکرؓ کی ایام علالت کی امامت کا ذکر کیا جس کے ضمن میں یہ بات آگئی کہ حضور نمازوں میں شریک نہیں ہو سکے اس لئے راوی کا ذہن اس طرف بھی منتقل ہو گیا کہ ان ایام میں جو نمازیں آپ نے جماعت کے ساتھ ادا کیں ان کو بھی بتلا دے، اور اس سلسلہ میں اس نماز کا بھی ذکر آ گیا جو غسل کے بعد آپ نے پڑھی ہے اور خطبہ بھی دیا ہے یعنی نماز عشاء اور ساتھ ہی ظہر کی نماز بھی ذکر میں آ گئی، اور چونکہ وہی سب سے زیادہ مشہور تھی، اور اکثر کو معلوم، اس لئے اس کو اہتمام سے بیان کر گئے۔ یہ غرض نہ تھی کہ غسل کے بعد

آپ نے ظہر کی نماز پڑھی ہے، یا یہ کہ عشاء کی پڑھی ہی نہیں، جو حافظ وغیرہ نے سمجھ لیا، رواۃ حدیث کو ایسے تجوزات اور بیانی تسامحات پیش آتے رہتے ہیں، اور اسی بیانی تسامح راوی سے حافظ وغیرہ مغالطہ میں پڑ گئے ہیں، حضرت شاہ صاحبؒ کی نظر ایسے مواقع پر بہت گہری تھی اور آپ سارے طرق ومتون حدیث کو جمع کر کے پھر کوئی فیصلہ کیا کرتے تھے، اسی لئے یہاں آپ نے خدا کے فضل وتوفیق سے وہ بات پیدا کی جس تک دوسرے اکابر نہ پہنچ سکے چنانچہ بقول حضرت شاہ صاحبؒ صحیح بخاری کی باقی ۵۔۶ جگہ کی روایات میں غسل کے بعد ہی کی نماز کا ذکر کیا گیا ہے، جو عشاء کی تھی، اور پہلے ہی دن آپ نے شدید بخار اور غفلت و بے ہوشی کے بعد غسل خاص کے ذریعے طبیعت ہلکی ہونے پر پڑھی تھی، اس کے بعد تو آپ کے مرض میں اور بھی زیادہ شدت بڑھتی گئی، اور کئی روز تک شدید علالت کا سلسلہ قائم رہا، حتی کہ آخری نماز پیر کی صبح کو جو آپ نے پڑھی ہے، وہ حسب تحقیق اکابر آپ نے حجرہ شریفہ سے اقتداء کر کے حضرت ابوبکرؓ کی امامت میں ادا فرمائی ہے، یعنی آپ اس وقت شدید علالت وضعف کے باعث مسجد نبوی تک بھی تشریف نہ لا سکے تھے۔ واللہ تعالے اعلم

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ کسی بھی اہم مسئلہ کی تحقیق وتنقیح نہایت دشوار ہے۔ اور کسی ایسے مسئلہ کو سلجھانا حضرت شاہ صاحبؒ ایسے محقق ومبصر ہی کا حصہ تھا، خیال کیجئے جہاں امام ترمذی ایسا محدث اعظم تین نمازوں کی شرکت حدیث نقطہ نظر سے تسلیم کر چکا ہے، وہا ں امام شافعی نے صرف فجر کی اور حافظ الدنیا نے صرف ظہر کی تسلیم کی ہو، ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے بطور احتمال چوتھی نماز مغرب کا اضافہ فرمایا، اور اس کے لئے بخاری ومسلم کی حدیث ام الفضلؓ پیش کر دی کہ میں نے رسول اکرم علیہ السلام نے مغرب کی نماز میں سورۂ مرسلات سنی اور آپ نے اس کے بعد وقت وفات تک ہمیں اور کوئی نماز نہیں پڑھائی۔ (الخ انوار الباری ص ۱۷۵/۵)

یہ معمولی تحقیق نہیں ہے شارح مسلم علامہ عثمانیؒ بھی اس حدیث احمد بن یونس پر خاموشی سے گذر گئے اور عینی بھی خاموش رہے غسل کے بعد صلوٰۃ ظہر کے ذکر کی کوئی توجیہ کسی سے بھی میری نظر میں نہیں گذری ہے۔ حضرتؒ نے اس کو حل فرمایا تو صاحب فیض فرماتے ہیں و فی النفس منہ قلق الخ فیاللعجب! حضرتؒ کے علوم سے اتنی دوری اور وہ بھی اس قدر قرب جسمانی اور مدتوں درس بخاری دینے کے بعد،

حضرت شاہ صاحب کے علوم کس طرح ضائع ہوئے؟

افسوس صد افسوس کہ باوجود حضرتؒ کے بے نظیر علم وفضل وتبحر کے اور آپ کی عالمی شخصیت ہونے کے ارباب دارالعلوم دیوبند نے ان سے کما حقہ استفادہ نہ کیا، بلکہ معمولی اختلاف پر تو ایسی بے قدری وناحق شناسی کا برتاؤ کیا، جس کی مثال نہیں مل سکتی، پھر جتنا عظیم ذخیرہ ۳۰۔۴۰ سال کی محنت شاقہ سے حضرتؒ نے تین بکس یادداشتوں کی صورت میں چھوڑا تھا، وہ گھر والوں کی غفلت سے ضائع ہو گیا، آخر میں ایک شکل آپ کے تلامذہ کے ذریعہ آپ کی گرانقدر علمی تحقیقات کی اشاعت کی ہو سکتی تھی تو اس کا اندازہ بھی العرف الشذی وفیض الباری کے ذریعہ ہو سکتا ہے، کچھ بہتر کام مولانا محمد صدیق صاحب نجیب آبادی مرحوم نے انوار المحمود کی شکل میں انجام دیا تھا۔ اور سب سے بہتر رفیق محترم مولانا سید محمد یوسف بنوری دام فیضہم نے معارف السنن کی صورت میں کیا ہے، خدا اس کو پورا کرا دے، اس کام کی ابتداء احقر ہی نے مجلس علمی ڈابھیل کے زمانہ میں موصوف سے کرائی تھی، اس وقت فیض الباری کے بارے میں بہت خوش گمانی تھی، ورنہ اب افسوس ہوتا ہے کہ مولانا سے امالی بخاری شریف ہی کا کام کیوں نہ کرایا گیا۔ باقی راقم الحروف جو کچھ کام کر رہا ہے اس کی حیثیت ظاہر ہے کہ طفل تسلی سے زیادہ نہیں ہے۔ من آنم کہ من دانم۔ البتہ اس پر عمل ہوگا۔

اندریں رہ ے ترش و ے خراش تادم آخر دمے فارغ مباش

کچھ مخلص احباب اور بزرگوں کی نیک دعاؤں کی وجہ سے بھی گاڑی یہاں تک کھنچ گئی اور خاص طور سے محترم مولانا اسماعیل یوسف گارڈی افریقی (تلمیذ حضرت شاہ صاحبؒ) اور محترم الحاج ایم ایس ڈوکرات والحاج موسیٰ بوڈھانیہ وغیرہ احباب افریقہ کے اصرار وحوصلہ افزائی

کے باعث بھی اس کام میں لگا ہوا ہوں، اللہ تعالیٰ آسان فرمائے کہ تکمیل کرسکوں۔ آمین

احقر مجلس علمی کے سلسلہ میں دو سال حضرتؒ کی خدمت میں رہا، امالی درس بخاری شریف کے علاوہ حضرتؒ کے ملفوظات گرامی اور مواعظ بھی لکھ لیا کرتا تھا۔ یہ سب کام ضمنی تھا، بڑا کام حضرتؒ کی یادداشتوں کی نقل وترتیب وتخریج حوالات وغیرہ تھی۔ حق تعالیٰ کی تقدیر غالب آئی، ورنہ زیادہ کام ہوسکتا تھا، اور حضرتؒ خود بھی فرماتے تھے کہ یہ صاحب اگر ہمیں پہلے سے مل جاتے تو بڑا کام ہوجاتا، وہی کچھ حضرتؒ کی نظر کرم وشفقت تھی جس کے طفیل میں اب بھی اس کام میں دل پھنسا ہوا ہے۔ **واللہ ذو الفضل العظیم۔**

اب آپ کے سامنے بخاری کے ترجمہ وحدیث الباب ص ۶۵۱ کے متعدد اہم جملوں کی انوری تشریح بھی مزید فائدہ کے لئے پیش ہے۔ فیض الباری ص ۲/۲۱۰ میں قولہ فوجد رسول اللہ علیہ کا موقع بھی بجائے ص ۲۱۴ کے ترتیباً غلط ہوگیا ہے، ہم سب جملوں کو صحیح ترتیب سے لکھیں گے۔ **واللہ المعین:**

(۱) قولہ وقال ابن مسعود الخ: حضرتؒ نے فرمایا کہ جو جواب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سائل کو دیا ہے (اور امام بخاری کا بھی یہی مختار ہوگا کہ اس کو ذکر کیا ہے) یہی مسلک حنفیہ کا ہے۔

(۲) قولہ وقال الحسن الخ: یہ بھی حنفیہ کا مسلک ومختار ہے، اور ان مسائل کو ''مسائل السجدات'' کہا جاتا ہے شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر میں ان کو مستقل فصل میں ذکر کیا ہے، اور قاضی ثناء اللہ صاحبؒ نے بھی مالا بدمنہ میں لکھا ہے۔

(۳) قولہ فارسل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ:۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ حافظ نے یہ رائے قائم کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے غسل کے بعد عشاء کی نماز کے لئے مسجد نبوی میں تشریف لانے کا ارادہ فرمایا تھا۔ مگر قدرت نہ ہوئی، تب حضرت ابوبکرؓ کو امامت کے لئے حکم فرمایا۔ لیکن یہ بات متعدد روایات کے خلاف ہے جس کی تفصیل اوپر گذری ہے، اور ص ۹۹ بخاری میں تو اس امر کی بھی صراحت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نماز شروع کراچکے تھے، پھر حضور علیہ السلام نے مرض میں خفت محسوس کی اور مسجد کی طرف نکلے ہیں، اور نماز پڑھائی اور خطبہ بھی دیا۔

(۴) فجعل ابو بکر یصل وھو قائم بصلوۃ النبی علیہ السلام: راوی کا مقصد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام امام ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ بطور مبلغ کے تکبیر کہتے تھے، حضرتؒ نے فرمایا کہ علامہ عینی نے بخاری کی طرف تسلسل قدوہ کا مسلک منسوب کیا ہے، جو سلف میں سے شعبی اور ابن جریر کا بھی مختار ہے، کہ پہلی صف والے امام کے مقتدی ہیں، دوسری والے پہلی صف والوں کے اور اسی طرح آخری صفوف تک۔ لیکن جمہور کا مسلک یہ نہیں ہے، ان کے نزدیک سارے مقتدی بلاتوسط کے امام ہی کی اقتدا کرتے ہیں۔ ثمرۂ خلاف جب ظاہر ہوگا کہ کوئی شخص جماعت کو پہنچا اور امام اور مقتدی رکوع سے سر اٹھا چکے تھے، البتہ آخری صفوں میں کوئی ابھی رکوع میں تھا کہ اس شخص نے اسی کی اقتدا کرلی اور اس کے رکوع میں شریک ہوگیا تو اس کو شعبی وغیرہ کے نزدیک رکعت مل گئی، مگر جمہور کے نزدیک نہیں ملی۔

(۱) قولہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم **رکب فرسا** حدیث ص ۶۵۳: فرمایا کہ حضور علیہ السلام کا یہ واقعہ گھوڑے سے گرنے کا حسب تحقیق ابن حبان پانچویں سال ہجرت کا ہے اور حافظ نے غلطی سے اس کو نویں سال کا بتلایا ہے۔ مغالطہ بعض راویوں کی تعبیری مسامحت سے ہوا ہے کہ انھوں نے اس قصہ کو اور ایلاء کے قصہ کو ایک ہی سیاق میں ذکر کیا ہے، کیونکہ دونوں وقت حضور علیہ السلام نے مشربہ (بالاخانہ) میں قیام فرمایا تھا، علامہ زیلعی حنفی نے اس پر تنبیہ کی ہے مگر حافظ سے تعجب ہے کہ وہ اس اشتراک کے سبب سے غلطی میں پڑ گئے، حالانکہ راوی یہ بھی بتلاتے ہیں کہ قصہ جحوش مذکورہ میں تو حضور علیہ السلام تکلیف کی وجہ سے نیچے اتر ہی نہیں سکتے تھے، برخلاف اس کے قصہ ایلا میں کوئی جسمانی معذوری نہ تھی۔

(۲) قوله فصلینا وراءه قعودا: حضرتؒ نے فرمایا کہ ایک واقعہ تو سقوط نبوی والا ہے اور اس کے بارے میں جو حدیث وارد ہے، وہ الگ ہے، اور دوسرا واقعہ بہت بعد کا ہے اور اس کی حدیث بھی دوسری ہے، جس میں خاص طور سے اقتدا کے احکام بتلائے گئے ہیں، اور اس میں یہ بھی ہے کہ جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو، بعض حضرات نے دونوں حدیث کو ایک قرار دے کر چاہا کہ دوسری حدیث کے اس حکم کو زائد بتلا کر اولی بالخلف قرار دیدیں، حالانکہ اس کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ بھی ہیں جو ۵ھ کے بہت بعد کو اسلام لائے ہیں، لہٰذا اس حدیث کے زائد الفاظ مذکورہ کی صحت میں صرف ان ہی لوگوں نے شک کیا ہے جو قراءۃ خلف الامام کے قائل ہیں اور ان کی فقہ حدیث پر غالب آ گئی ہے، حالانکہ چاہئے تو یہ تھا کہ حدیث کو متبوع بنا کر فقہ کو اس کے تابع کیا جائے۔ اس کی مزید تفصیل و بحث مسئلہ قراءت خلف الامام میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ حضرتؒ نے اس کو اپنے رسالہ قراءت خلف الامام میں بھی کئی جگہ لیا ہے۔

(۳) قوله انما یؤخذ بالآخر فالآخر: حضرتؒ نے فرمایا کہ امام بخاری نے بھی بعد والی حدیث نبوی کو ناسخ قرار دے کر امام ابوحنیفہ امام شافعی، امام ثوری و جمہور سلف کا مسلک اختیار کیا ہے کہ امام کسی عذر سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو بے عذر کے مقتدیوں کو بیٹھ کر نہیں بلکہ کھڑے ہو کر اقتدا کرنی چاہئے امام احمد و اہل ظاہر کا مذہب یہ ہے کہ مقتدیوں کو عذر نہ ہو تب بھی وہ امام قاعد معذور کے پیچھے بیٹھ کر ہی پڑھیں گے۔ ابن حزم نے اہل ظاہر کی تائید میں بہت کچھ مبالغہ آرائی کی ہیں جو خلاف واقعہ ہیں۔ کیونکہ خطابی نے معالم میں اور قاضی عیاض نے اکثر فقہاء سے اس کے خلاف نقل کیا ہے، علامہ ابن دقیق العید و علامہ نووی نے بھی جمہور سلف سے، ابن حزم کے خلاف نقول پیش کی ہیں اور ان کے دعوائے اجماع وغیرہ کا پورا رد کر دیا ہے۔ امام بخاری سے بھی اس مسئلہ میں امام احمد و اہل ظاہر کا رد ثابت ہوا۔ اس مسئلہ کو فتح الملہم ص۵۳/۲ میں بھی پوری تفصیل کے ساتھ مع دلائل ذکر کیا گیا ہے۔

باب متى يسجد من خلف الامام وقال انس عن النبي صلى الله عليه وسلم فاذا سجد فاسجدوا

(جو لوگ امام کے پیچھے ہیں، وہ کب سجدہ کریں، اور حضرت انسؓ نے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ جب امام سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو)

۶۵۴: حدثنا مسدد قال حدثنا يحيى بن سعيد عن سفيان قال حدثني ابو اسحاق قال حدثني عبدالله بن يزيد قال حدثني البراء و هو غير كذوب قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا قال سمع الله لمن حمده لم يحن احدمنا ظهره حتى يقع النبي صلى الله عليه وسلم ساجداً ثم نقع سجوداً بعده

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن یزید روایت کرتے ہیں، کہ مجھ سے براء بن عازبؓ نے بیان کیا، (اور وہ سچے تھے) کہ جب نبی کریم ﷺ سمع الله لمن حمده کہتے تو ہم میں سے کوئی شخص اپنی پیٹھ اس وقت تک نہ جھکاتا جب تک کہ نبی کریم ﷺ سجدے میں نہ چلے جاتے، آپ کے بعد ہم لوگ سجدے میں جاتے۔

تشریح: حدیث کے اندر حکم ہوا کہ جب امام سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو، اس سے امام احمد و امام شافعیؒ نے سمجھا کہ امام کے سجدے کے بعد مقتدی کو سجدہ کرنا چاہئے کہ فا تعقیب کے لئے ہے اور ایسے ہی تمام افعال نماز کو مقتدی امام سے مؤخر کرے۔ امام ابوحنیفہؒ و امام مالکؒ نے فرمایا کہ امام و مقتدی تمام افعال نماز میں ساتھ ہوں، اور امام ابو یوسف و امام محمدؒ تحریمہ و تسلیم کے علاوہ سب افعال میں مقارنت کے قائل ہیں، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ شرح التسہیل میں ہے کہ فا جزائیہ میں دونوں قول ہیں تعقیب بھی اور مقارنت بھی۔ لہٰذا فا ہمارے مذہب پر

بھی درست ہے، پھر یہ کہ تعقیب ذاتی بھی ہوتی ہے اور بعدیہ ذاتیہ مقارنت زمانیہ کے منافی نہیں ہے، پس میں اس فا کو تعقیب ذاتی و مقارنت زمانی پر اتارتا ہوں اور امام و مقتدی کے افعال میں تقدم و تاخر ذاتی ہی ہونا چاہیئے، امام اعظمؒ کا منشا بھی مقارنت سے یہ ہے کہ امام جب کسی رکن میں داخل ہو تو مقتدی بھی اسی وقت اس میں داخل ہو جائے، یہ انتظار نہ کرے کہ امام اس رکن کو پورا کر لے تب وہ اس رکن میں داخل ہو۔ پس مقتدی امام کے رکوع کے ساتھ ہی رکوع کر لے گا، یہ انتظار نہ کرے گا کہ امام رکوع پورا کر لے، تب یہ رکوع میں جائے۔ گویا امام کا رکوع علت کے طور پر ہوگا مقتدی کے رکوع کے لئے، اور جس طرح علت و معلول ساتھ ہوتے ہیں، ان دونوں کے افعال بھی ساتھ ہوں گے۔ یہی میرے نزدیک جماعت کا منشا بھی ہے، کہ سب کی حرکت ایک ہو اور سب کی نماز ایک ہو اور سب کی قراءت بھی ایک ہو۔

مقصد شارع امام سے پہلے کسی رکن کو ادا کرنے کی ممانعت ہے، پھر وہ ساتھ ہو یا بعد میں۔ امام صاحب نے ساتھ کرنے کو ترجیح دی ہے، اور امام سے پہلے کرنے کو سب نے بالاتفاق مکروہ قرار دیا ہے، اگرچہ نماز درست ہو جائے گی، حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ صحت کراہت کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے، اس کو سب نے مانا ہے، بجز علامہ ابن تیمیہ کے، وہ اس کے مخالف و منکر ہیں۔

باقی حدیث میں یہ جو صحابہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام جب رکوع سے اٹھ کر سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تھے، تو ہم اس وقت تک سجدہ کے لئے نہ جھکتے تھے جب تک حضور علیہ السلام سجدہ میں نہ پہنچ جاتے تھے اور حافظؒ نے اس پر لکھا کہ اس سے مقارنت کی نفی واضح طور سے نکل رہی ہے، تو اس کا جواب حنفیہ کی طرف سے یہ ہے کہ ابوداؤد[1]، ابن ماجہ، ومسند احمد کی حدیث نے واضح کر دیا ہے کہ یہ حکم حضور علیہ السلام نے اس وقت دیا تھا، جب آپ کا بدن مبارک بھاری ہو گیا تھا، اور اس وقت یہ ڈر ہو گیا کہ کہیں صحابہ کرام حضور علیہ السلام سے مقدم نہ ہو جائیں۔ لہٰذا یہ حکم مبادرت سے بچانے کے لئے تھا۔ مقارنت کے خلاف نہ تھا۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمیشہ عادت صحابہ کرام کی مقارنت کی تھی، اور اسی لئے حضور علیہ السلام نے جب آپ کا بدن بھاری ہو گیا تو صحابہ کو ہدایت فرمانے کی ضرورت محسوس کی کہ کہیں مقارنت اور حضور کے اتباع کامل کے اشتیاق میں حسب عادت جاری رہنے میں مسابقت و مبادرت کے مرتکب نہ ہو جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (زیادہ تفصیل معارف السنن ص ۵۴/۳ میں دیکھیں)

حضرتؒ نے اس موقع پر یہ بھی افادہ کیا کہ "فاذا رکع فارکعوا" میں اگر فا کو تعقیب کے لئے بھی مان لیں تب بھی بعدیت ذاتیہ کہیں گے نہ زمانیہ، کیونکہ جزاء شرط ہے۔ پس مقارنت حنفیہ اس معنی پر بھی ثابت ہے، پھر فرمایا کہ میں چہرہ اور آئینہ معاً دیکھ لیتا ہوں، جبکہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر چہرہ دیکھے گا تو آئینہ نہیں دیکھے گا۔ وبالعکس۔ متکلمین وفلاسفہ کا زمانہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ بعدیت ذاتیہ ہے یا زمانیہ؟ یہاں لامع اور حاشیہ سے یہ تفصیل بھی قابل ذکر ہے کہ تحریمہ، تسلیم اور بقیہ ارکان صلوٰۃ کے احکام الگ ہیں،

(۱) ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ تحریمہ میں امام سے تقدم ہوا تو نماز باطل ہوگی، البتہ اس میں امام شافعی کا ایک قول مخالف ہے جس کو ان کے اصحاب نے پسند نہیں کیا، (اور پہلے ہم حضرت شاہ صاحبؒ سے نقل کر چکے ہیں کہ امام بخاری بھی تقدم کو جائز رکھتے ہیں، واللہ اعلم

(۲) امام سے قبل اگر مقتدی سلام پھیر دے تو مالکیہ کے نزدیک تو مقارنت بھی مفسد ہے، لہٰذا تقدم بدرجہ اولیٰ مفسد ہوگا، امام شافعی و امام احمد کے نزدیک بھی تقدم مفسد ہے، لیکن مقارنت مکروہ ہے مع صحت صلوٰۃ کے۔ حنفیہ کے نزدیک سلام میں تقدم مکروہ غیر مفسد ہے۔ لہٰذا مقارنت بھی صرف مکروہ ہوگی، (معارف السنن ص ۶۰/۳ میں امام صاحب سے دو روایت نقل کی ہیں)

(۳) باقی ارکان صلوٰۃ کے بارے میں جمہور کا مسلک جن میں ائمہ ثلاثہ بھی ہیں جواز صلوٰۃ مع کراھۃ التحریم ہے، امام احمد سے ایک روایت میں تقدم مبطل صلوٰۃ ہے، اور یہی اہل ظاہر کا قول ہے (الابواب للبخاری ص ۲۶۸/۲)

---

[1] فیض الباری ص ۲۱۶/۲ میں مسلم کا حوالہ درست نہیں معلوم ہوتا واللہ اعلم (مؤلف)۔

فائدہ: فتح الملہم ص۲/۵۳ میں حدیث انما جعل الامام لیؤتم بہ کے تحت لکھا:۔ اقتدا واتباع امام کی پوری شان یہ ہے کہ نہ اس کے افعال سے سبقت ومبادرت کرے، نہ اس کے برابر یا آگے کھڑا ہو، اور اس کے تمام احوال پر نظر کر کے اسی جیسے افعال ادا کرے۔ اور اس کی کسی فعل میں مخالفت بھی نہ کرے۔ قال الحافظ۔ علامہ ابیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث امام مالک وجمہور کے لئے حجت ہے، جن میں امام ابوحنیفہؒ بھی ہیں کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ساتھ وابستہ ومرتبط ہونی چاہئے، خاص طور سے جبکہ حدیث میں یہ تاکید بھی وارد ہے کہ فلا تختلفوا علیہ، یعنی امام کی کسی حال میں مخالفت نہ کرو اور اس سے امام شافعی اور دوسرے محدثین کا رد ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک نفل پڑھنے والے امام کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی اقتدا درست ہے، اور عصر پڑھنے والے امام کے پیچھے ظہر والے کی اقتدا صحیح ہے، انھوں نے اختلاف کی ممانعت نبویہ کو صرف ظاہری افعال پر محمول کیا ہے جبکہ امام مالک وغیرہ نے اس کو عام رکھا ہے، اور ظاہر ہے کہ نیتوں کے اختلاف سے بڑا اور کون سا اختلاف ہوسکتا ہے، پھر بھی امام شافعی اور دوسرے ان کے ہمنوا محدثین دو فرض نمازوں یا ایک فرض دوسری نفل نمازوں کے اختلاف کو بھی ممانعت نبویہ کے تحت لانا نہیں چاہتے؟!

باب اثم من رفع راسہ' قبل الامام

(اس شخص کے گناہ کا بیان جس نے امام سے پہلے سر اٹھایا)

۶۵۵: حدثنا حجاج بن منهال قال حدثنا شعبة عن محمد بن زياد قال سمعت اباهريرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال اما یخشیٰ احدکم او الایخشیٰ احدکم اذا رفع راسه' قبل الامام ان یجعل الله راسه' راس حمار او یجعل الله صورته' صورة حمار

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا:۔ کیا تم میں سے کوئی شخص جو اپنا سر امام سے پہلے اٹھا لیتا ہے، اس بات کا خوف نہیں کرتا، کہ اللہ اس کے سر کو گدھے کا (سا) سر بنادے، یا اللہ اس کی صورت گدھے کی (سی) بنادے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حدیث الباب میں گدھے کے ساتھ اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کہ یہ فعل بڑی حماقت کا ہے، کیونکہ اپنے مقام اور امام کے منصب کو بھی نہ سمجھا، پھر حدیث میں صرف خشیت کا لفظ ہے کہ اس کا ڈر ہے، اللہ ایسا نہ کردے، تاہم ملا علی قاریؒ نے واقعہ لکھا ہے کہ کسی نے عمداً امام سے پہلے سجدہ سے سر اٹھایا تھا کہ دیکھے قول نبوی درست ہے؟ تو اس کا چہرہ گدھے کا ہوگیا تھا، پھر عمر بھر نقاب ڈالتا رہا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حدیث کا مضمون آخرت سے متعلق ہو، کہ وہاں مسخ ہو جائے گا، والعیاذ باللہ۔ معلوم ہوا کہ امام کی مخالفت ظاہری و باطنی ہر طرح نادرست ہے، اور اس امر کا لحاظ سب سے زیادہ حنفیہ نے کیا ہے، علامہ عینی نے یہاں اچھی تحقیق ذکر کی ہے اور مسخ کے بارے میں لکھا کہ یہ امت مسخ صورت سے محفوظ کردی گئی ہے، اس لئے ظاہری مسخ مراد نہیں ہوسکتا، البتہ آخر زمانہ میں ہو بھی سکے گا جیسا کہ بعض احادیث اشراط ساعت میں آتا ہے، پھر یہ بھی لکھا کہ یہ بھی ممکن ہے کہ حق تعالے ایسے لوگوں کے لئے کسی دوسرے وقت کے لئے عذاب کو مؤخر کردیں، جیسا کہ بعض ثقات کی نقل سے معلوم ہوا کہ بعض شیعی حضرات جو سب صحابہ کرتے تھے، ان کی صورتیں مرنے کے وقت خنزیر اور گدھے کی ہوگئیں، اور ایسے ہی والدین کی نافرمانی کرنے والی اولاد کے بارے میں نقل ہوا ہے، جنھوں نے اپنے والدین کو گدھا، خنزیر یا کتا کہا تھا۔ (عمدہ ص۳/۷۵۶)

باب امامة العبدو المولیٰ و کانت عائشة یؤمها عبدها ذکوان من المصحف وولدالبغی والاعرابی والغلام الذی لم یحتلم لقول النبی صلے اللہ علیه وسلم یؤمهم اقرء هم لکتاب اللہ ولایمنع العبد من الجماعة بغیر علة

(غلام اور آزاد کردہ غلام کی امامت کا بیان' حضرت عائشہؓ کی امامت ان کا غلام ذکوان مصحف سے (دیکھ دیکھ کر) کیا کرتا تھا اور ولدالزنا' اور گنوار کی اور اس لڑکے کی امامت جو بالغ نہ ہوا ہو (درست ہے) کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوگوں کی امامت وہ شخص کرے جوان سب میں کتاب اللہ کی زیادہ قراءت والا ہو' اور بے وجہ غلام کو جماعت سے نہ روکا جائے)

۶۵۶: حدثنا ابراهیم بن المنذر قال حدثنا انس بن عیاض عن عبیداللہ عن نافع عن عبداللہ بن عمر قال لما قدم المهاجرون الاولون العصبة موضعاً بقبآء قبل مقدم رسول اللہ صلے اللہ علیه وسلم کان یؤمهم سالم مولیٰ ابی حذیفة وکان اکثرهم قراٰناً

۶۵۷: حدثنا محمد بن بشار قال حدثنا یحییٰ قال حدثنا شعبة قال حدثنی ابوالتیاح عن انس بن مالک عن النبی صلے اللہ علیه وسلم قال اسمعوا واطیعوا وان استعمل حبشی کان راسه' زبیبة

ترجمہ ۶۵۶: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے جب مہاجرین اولین محلہ قبا کے مقام عصبہ میں مقیم تھے، تو ان کی امامت ابوحذیفہ کے آزاد کردہ غلام حضرت سالم کیا کرتے تھے، کیونکہ وہ قرآن کا حفظ سب سے زیادہ رکھتے تھے۔

ترجمہ ۶۵۷: حضرت انس بن مالکؓ، رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا، کہ اگر کوئی حبشی (تم پر) حاکم بنا دیا جائے، اور وہ ایسا بدرو ہو کہ گویا اس کا سر انگور ہے۔ تب بھی اس کی سنو، اور اطاعت کرو۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ غلام کی امامت میں صرف کراہت تنزیہی ہے۔ حافظ نے لکھا کہ غلام کی امامت جمہور کے نزدیک درست ہے، صرف امام مالک نے مخالفت کی اور کہا کہ غلام، احرار کے امام نہ بنیں البتہ اگر وہ قاری و عالم ہوں اور مقتدی ایسے نہ ہوں تو حرج نہیں، بجز جمعہ کے کیونکہ وہ غلام پر فرض نہیں ہے، علامہ اشہب مالکی نے کہا کہ وہ بھی درست ہے، اس لئے کہ جب وہ شریک جمعہ ہوگا تو اس سے فرض ہی تو ادا ہوگا۔ (فتح ص ۱۲۷/۲)

اعرابی (دیہاتی) کی امامت بھی جمہور کے نزدیک درست ہے، امام مالک نے فرمایا کہ اکثر جاہل ہوتے ہیں، اور تارک جماعت وغیرہ، اس لئے کراہت ہے، لہٰذا ایسا نہ ہو تو وہ بھی مکروہ نہ کہیں گے۔

ولد البغی، یعنی مجہول النسب کی امامت بھی اگر وہ صالح ہو تو درست ہے، اس میں بھی امام مالک کا اختلاف ہے۔

نابالغ کی امامت شافعیہ کے نزدیک درست ہے، حنفیہ فرض نماز کی نابالغ کی امامت نادرست کہتے ہیں، امام مالک و ثوری بھی مکروہ کہتے ہیں۔ امام احمد و امام ابوحنیفہؒ سے نوافل کی امامت کے جواز کا قول ہے۔

امام بخاری نے بظاہر شافعیہ کی موافقت کی۔ امام احمد و اسحٰق کے نزدیک بھی امام ابوحنیفہ کی طرح فرض نماز کی امامت نابالغ کے لئے جائز نہیں۔

علامہ موفق نے نقل کیا کہ نابالغ کی امامت فرض میں صحیح نہیں، اور یہی قول امام مالک کا ہے۔ (الابواب ص ۲۶۹/۲)

قوله وان استعمل حبشی: حضرت شاہ صاحب نے فرمایا:۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خلیفہ وقت یا سلطان وقت نے اپنے ماتحت کسی حبشی وغیرہ کو عامل (گورنر وغیرہ) بنا دیا (جیسا کہ بعض طرق روایات میں اس امر کی صراحت بھی ہے) تو وہ صحیح ہے، باقی امام اکبر (خلیفہ

وقت یا سلطان اعظم) کے لئے شرعا یہی بات ہے کہ وہ قریشی ہو (الائمۃ من قریش) اور طرابلسی نے امام ابوحنیفہؒ سے یہ نقل کیا ہے کہ قریشی ہونا شرط نہیں ہے، جبکہ مسئلہ یہی لکھا ہوا ہے کہ قریشی ہونا شرط ہے۔ اور طرابلسی کے علاوہ کسی کی نقل نہیں ملی، پھر فرمایا کہ درحقیقت یہ مسئلہ علم فقہ کا تھا، کہ کون امام اکبر ہو کون نہ ہو، مگر اس کو علم کلام میں داخل کر دیا گیا ہے، اور وہیں اس کے احکام ذکر کرنے لگے ہیں۔

حافظ نے لکھا یہاں حبشی کی امارت کا ذکر کر کے یہ بتلایا کہ جب وہ قابل اطاعت ہے تو اس کی امامت میں نماز بھی درست ہوگی۔ (قالہ ابن بطال)

اس سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ سلاطین اسلام اگر ظلم بھی کریں تو ان کی مخالفت کا جھنڈا نہ اٹھانا چاہیئے، کیونکہ مخالفت کے نتیجہ میں اس سے بھی بدتر حالات پیش آسکتے ہیں، وجہ استدلال یہ ہے کہ جب عبد حبشی کی اطاعت ضروری ہے جبکہ ظاہر ہے وہ قہر و غلبہ ہی کے ذریعہ حاکم و والی بنا ہوگا۔ کیونکہ اصل استحقاق امامت عظمیٰ تو قریش کے لئے ہے، تو اس کی اقتدا بھی درست ہونی چاہئے، مگر ابن الجوزی نے اس کو رد کیا ہے اور کہا کہ یہاں مراد امام اعظم نہیں، بلکہ وہ ہے جو اس کے ماتحت کسی عہدہ پر مسلط ہو گیا ہو۔ اور بعض لوگوں نے جو اس سے جواز امامت غیر قریشی کے لئے استدلال کیا وہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ مجبوری کے جواز اور حقیقی جواز میں تلازم نہیں ہے، اور اس کے مفصل بحث اپنی جگہ کتاب الاحکام میں آئے گی (فتح ص ۲/۱۲۸)

علامہ عینیؒ نے بھی ایسی ہی تشریح کی ہے، اور آخر میں لکھا کہ ایسے متغلب کی اطاعت اسی وقت تک ہے کہ وہ جمعہ، جماعات، عید و جہاد کو قائم رکھے۔ (عمدہ ص ۲/۲۷۰)

باب اذا لم یتم الامام و اتم من خلفه

(اگر امام اپنی نماز کو پورا نہ کرے اور مقتدی پورا کرلیں)

۶۵۸: حدثنا الفضل بن سهل قال حدثنا الحسن بن موسیٰ الاشیب قال حدثنا عبدالرحمٰن بن عبدالله بن دینار عن زید بن اسلم عن عطآء بن یسار عن ابی هریرة ان رسول الله صلے الله علیه وسلم قال یصلون لکم فان اصابوا فلکم و ان اخطأوا فلکم و علیهم

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ یہ لوگ جو تمہیں نماز پڑھاتے ہیں اگر ٹھیک پڑھائیں گے، تو تمہارے لئے (ثواب) ہے اور اگر وہ غلطی کریں گے، تو تمہارے لئے (ثواب تو) ہے ہی اور ان پر (گناہ) ہے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ اس باب میں امام بخاریؒ نے مسائل اقتداء امام کی طرف اشارہ کیا ہے جو شافعیہ کے یہاں بہت ضعیف ہیں، اور امام بخاری کے نزدیک ان سے بھی زیادہ کمزور و بے حیثیت ہیں، گویا ان کے یہاں اقتدا کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ بظاہر ایک جگہ میں امام و مقتدی جمع ہو گئے اور مقتدیوں نے امام کی صرف ظاہری و حسی اتباع کر لی، پھر اگر امام بخاری حدیث الباب سے تعدیل ارکان جیسے افعال کے لئے استدلال کر لیتے، تب بھی کوئی حرج نہ تھا، لیکن جس طرح وہ اہم اعظم ارکان صلوٰۃ کے لئے بھی استدلال کرنا چاہتے ہیں وہ صحیح نہیں، کیونکہ حدیث الباب کا شان ورود تو ائمہ جور کے اعمال خارجی سے تھا، مثلاً وقت مکروہ میں نماز پڑھنا وغیرہ نہ کہ داخلی اعمال واجبات و ارکان صلوٰۃ سے جو اجزاء نماز ہیں، جیسا کہ محقق قاضی عیاض مالکیؒ وغیرہ نے فرمایا ہے اور بہت سی احادیث میں بھی اس کی تصریح موجود ہے، لہٰذا نماز کے داخلی امور و ارکان سے اس کو متعلق کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتا۔ حضرتؒ نے مزید فرمایا کہ قولہ علیہ السلام **فان اصابوا فلکم** الخ کے عموم سے امام بخاری کا استدلال نہایت ضعیف ہے، کیونکہ وہ امر مبہم ہے یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے مصداق کون سے امور ہیں اور کون سے نہیں، پھر ہمیں کیا حق ہے کہ ان کو ارکان و اجزاء نماز پر جاری کر دیں۔ شافعیہ نے اس عموم سے یہاں تک فائدہ اٹھایا کہ اگر امام نے بلا وضو یا حالت جنابت میں نماز پڑھا دی، تب بھی مقتدیوں کی نماز درست بتلاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ صرف امام اپنی لوٹا لے گا۔ مقتدیوں کو اگر

درمیان میں معلوم ہوگیا تو پہلی تو صحیح ہوگئی، باقی کو بغیر نیت اقتدا کے اپنی سمجھ کر پوری کرلیں گے، اور اگر بعد کو معلوم ہوا تو اعادہ کی ضرورت نہیں، میں کہتا ہوں کہ یہ مسئلہ باطل محض ہے، کیونکہ اس امام نے تو ایسی نماز پڑھائی، جس کو نماز کہہ بھی نہیں سکتے، کہ بنص حدیث نماز بغیر طہارت کے ہوتی ہی نہیں، لہٰذا لکم اور علیہم کا مصداق کم سے کم ایسی نماز پر تو ہونا چاہیئے جس کو شرعی نماز کہہ سکیں، اس نماز کو تو نماز نہیں کہہ سکتے جو بلا طہارت والے امام کے پیچھے پڑھی ہے۔ باقی اگر مقتدیوں کو یہ علم ہی نہ ہو کہ امام نے بلا طہارت نماز پڑھادی ہے تو وہ ضرور عذر ہے اور ایسی حالت میں حنفیہ بھی یہی کہیں گے کہ نماز کا اعادہ نہیں کہ وہ بلا علم کے مکلف نہیں ہوسکتے۔ پھر حدیث صحیح میں یہ بھی ہے کہ ائمہ جور کی اطاعت اس وقت تک ہے کہ وہ نماز قائم کریں، جمعہ، جماعات وجہاد پر عامل ہوں، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اطاعت واقتدار اس وقت تک کریں گے کہ ان کی نمازیں تو صحیح ہوں، اور ان پر نماز کا اطلاق درست ہوسکے۔ ابوداؤد میں بھی حدیث ہے باب جماع الامامة و فضلها میں کہ جو نماز پڑھائے تو اگر وقت پر پڑھائے تو اس کو اور مقتدیوں کو ثواب ملے گا، اور جو اس میں کوتاہی کرے تو امام پر گناہ ہوگا مقتدیوں پر نہیں۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ کوتاہیاں برداشت ہیں نہ یہ کہ سرے سے نماز ہی صحیح نہ ہو جیسے بلا طہارت کے امام کی نماز سرے سے ہوگی ہی نہیں غرض حدیث الباب وغیرہ سے صرف مقتدیوں کو تسلی دینا ہے کہ ائمہ جور کے ظلم سے بچنے کے لئے اگر نمازوں میں کوتاہی ہو تو وہ قابل مواخذہ نہ ہوگی، اور سلف سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ وقت پر اپنی کامل نمازیں گھروں میں پڑھ کر جاتے تھے، اور پھر ائمہ جور کے ساتھ بھی رفع فتنہ کے خیال سے اقتداء کرلیتے تھے، چنانچہ اگلے باب میں حدیث بخاری بھی لائے ہیں کہ ہمیں امام فتنہ نماز پڑھاتا ہے، جس سے ہم دل تنگ ہوتے ہیں۔ یہ سب خارجی معاملات نماز کے مکروہ اوقات میں پڑھنے یا ائمہ جور وفساق کے پیچھے نماز مجبوراً پڑھنے کے تھے، یہ غرض نہ تھی کہ وہ بلا طہارت کے نماز پڑھاتے تھے، یا بلا تعدیل ارکان کے، یا نقص ارکان وغیرہ داخلی نقائص کے ساتھ نماز پڑھاتے تھے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ جب حدیث الباب فان اصابوا فلکم کا دوسرے شواہد کے ذریعہ وقت سے متعلق ہونا ثابت ہے تو یہاں امام بخاری کو عام مسائل قدوہ کے ذیل میں لانا ہی سمجھ میں نہیں آتا، اور اگر یہ حدیث ارکان کے بارے میں ہوتی تو حدیث یہ بھی تو بتاتی کہ امام اگر نقص ارکان کرلے تو مقتدی ایسی صورت میں کس طرح کریں،

علامہ عینی نے لکھا کہ حدیث الباب کو جس طرح امام بخاری لائے ہیں، وہ اس میں منفرد ہیں کیونکہ ابن حبان ودار قطنی وابوداؤد نے اسی حدیث الباب کو اور اس کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ سے دوسری صورت میں روایت کیا ہے۔ جس میں ائمہ جور کی بے وقت نماز پڑھانے کا بھی ذکر ہے۔ اس طرح مبہم طور سے روایت نہیں ہے جیسی امام بخاری کی ہے۔ (عمدہ ص ۱۱۷/۲)

غرض امام بخاری نے حدیث الباب کو اپنے مقصد سے ذکر کیا اور حافظ نے شرح میں اس سے شافعی نقطہ نظر کو قوت پہنچانے کی سعی کی ہے، اور یہ ہے فقہ سے حدیث کی طرف چلنا اور اس کو اپنی فقہ سے مطابق کرنے کی سعی کرنا، حالانکہ صحیح صورت اس کے برعکس ہے کہ پہلے حدیث کے مفہوم ومصداق کو خالی الذہن ہوکر متعین کرلیا جائے، پھر اسی کے تحت فقہی مسئلہ نکالا جائے۔ واللہ الموفق۔

حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ لفظ تمام سے اشارہ امور زائدہ سنن ومستحبات کی طرف ہوسکتا ہے نہ کہ ارکان وشرائط صلوٰۃ کی طرف کہ ان میں خلل وکمی سے تو نہ امام کی نماز ہوگی، نہ مقتدیوں کی۔ مگر شاید امام بخاری بھی شافعیہ کے مسلک کے قائل ہیں کہ امام کی نماز کے فساد سے مقتدیوں کی نماز فاسد نہیں ہوتی، (لامع ص ۲۶۷/۲)

ایک اہم غلطی کا ازالہ: حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے حاشیہ لامع میں لکھا۔ قسطلانی نے کہا کہ ''اگر امام نماز کو ناقص کرے اور مقتدی کامل کرلیں تو ان کی نماز میں خلل نہ آئے گا، یہ مذہب شافعیہ کا ہے مثل مالکیہ کے اور امام احمد کا بھی یہی مسلک ہے'' حالانکہ مالکیہ وامام احمد کا یہ مسلک نہیں ہے، نہ وہ شافعیہ (اور امام بخاری) کے عام اور پورے مسلک سے متفق ہیں البتہ صرف حدیث کے مسئلہ میں ان کے ساتھ

ہیں، یعنی امام اگر بھول کر بلاطہارت کے نماز پڑھادے، اور نماز کے بعد بتلائے تو مقتدیوں کو نماز لوٹانا ضروری نہ ہوگا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ سب کو لوٹانی پڑے گی۔ حضرت شیخ الحدیث نے ص ۲۶۷ میں اختلاف کی پوری تفصیل علامہ عینی حنفی اور علامہ موفق حنبلی سے نقل فرما کر واضح کر دیا کہ علاوہ ایک مسئلہ حدیث کے مالکیہ وحنابلہ باقی تمام مسائل میں حنفی کے ساتھ ہیں۔ شافعیہ کے ساتھ نہیں ہیں جزا هم الله خير الجزاء.

باب امامة المنفتون و المبتدع وقال الحسن صل وعليه بدعته' وقال لنا محمد بن يوسف حدثنا الاوزاعی قال حدثنا الزهری عن حميد ابن عبدالرحمٰن عن عبيدالله بن عدی بن الخيار انه' دخل علیٰ عثمان بن عفان و هو محصور فقال انک امام عآمة و نزل بک ماتریٰ و يصلی لنآ امام فتنة و نتحرج فقال الصلوٰة احسن مايعمل الناس فاذا احسن الناس فاحسن معهم واذااسآء والفاجتنب اسآءتهم وقال الزبيدی قال الزهری لاتریٰ ان يصلیٰ خلف المخنث الامن ضرورة لابدمنها

(مبتلائے فتنہ اور بدعتی کی امامت کا بیان حسن کا قول ہے کہ بدعتی کے پیچھے نماز) پڑھ لو اس کی بدعت (کا گناہ) اس پر ہے' ہم سے محمد بن یوسف نے بواسطہ اوزاعی' زہری' حمید بن عبدالرحمٰن' عبیداللہ بن عدی بن خیار سے روایت کی ہے' کہ وہ حضرت عثمان بن عفانؓ کے پاس اس حالت میں گئے' (جب وہ اپنے گھر میں محصور تھے (باغیوں نے ہر طرف سے محاصرہ کر لیا تھا) ان سے کہا' کہ آپ امام کل ہیں' اور آپ کی یہ کیفیت ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں' ہمیں امام فتنہ نماز پڑھاتا ہے' جس سے ہم تنگ دل ہوتے ہیں' تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ نماز آدمی کے تمام اعمال میں سب سے عمدہ چیز ہے' جب لوگ عمدہ کام کریں' تو تم بھی ان کے ہمراہ عمدہ کام کرو اور جب وہ برا کام کریں' تو تم ان کی برائی سے علیحدہ رہو' اور زبیدی کہتے ہیں کہ زہری کا قول ہے کہ ہم مخنث کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں جانتے لیکن جب کہ لاچاری ومجبوری ہو)

۶۵۹: حدثنا محمد بن ابان قال حدثنا غندر عن شعبة عن ابی التياح انه' سمع انس بن مالک قال قال النبی صلی الله عليه وسلم لابی ذراسمع واطع ولولحبشی کان راسه' زبيبة

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا کہ اگر ایک حبشی (کی اطاعت کے لئے تم سے کہا جائے) جس کا سر انگور کی مثل ہو، جب بھی، اس کی سنو اور اطاعت کرو۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مفتون سے مراد وہ ہے جو دین کے بارے میں احتیاط اور شرعی آداب وعقائد کا پوری طرح لحاظ نہ کرتا ہو، وہ نہیں کہ جو اچھی طرح نماز نہ پڑھاتا ہو یا اس میں کمی کرتا ہو، لہٰذا امام بخاری کا استدلال صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ حدیث میں ائمہ جور کے خارجی حالات کے سبب لوگوں کی تشویش وفکر کا حال بیان ہوا ہے نہ کہ ارکان صلوٰۃ میں کمی کی بات تھی۔ حضرتؒ نے اس موقع پر حضرت عثمانؓ کے صحیح حالات پر بھی روشنی ڈالی اور فرمایا کہ اگرچہ انھوں نے اپنے اقارب واعزہ عمال کی شکایات پر ان کو معزول نہیں کیا، مگر ان کی حمایت بھی نہیں کی، نہ ان کے غلط افعال کی تصویب کی، وہ فتنہ، فساد وخوں ریزی سے بچنا چاہتے تھے۔

حضرت علی، حضرت زبیر وحضرت طلحہؓ نے جب حالات زیادہ بگڑتے دیکھے تو اپنی اولاد کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے بھیجا اور ان کا خیال یہی تھا کہ باغیوں کی شورش دب جائے گی، مگر پھر اچانک ہی حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر ان کو مل گئی، تو بڑا رنج ہوا، اور حضرت علیؓ بھاگ کر موقع پر گئے، حضرت حسینؓ کو سخت تنبیہ کی کہ تمہارے ہوتے ہوئے یہ حادثہ کیسے ہو گیا؟ انھوں نے کہا کہ ہمیں اس کا بالکل علم نہیں ہوا، کیونکہ باغیوں نے دیوار پر سے گھر میں اتر کر حملہ کیا ہے، دروازہ سے داخل نہیں ہوئے، ہم یہاں پہرہ دے رہے تھے، یہ بھی تاریخ سے ثابت

ہے کہ جو لوگ قریب تھے اور انھوں نے مدافعت کرنی چاہی تو ان کو بھی حضرت عثمانؓ نے روک دیا، اور فرمایا کہ مجھے پسند نہیں کہ کسی مسلمان کا خون میری وجہ سے بہایا جائے۔ خود آپ کے غلاموں کی تعداد تقریبا تین ہزار تھی اور انھوں مقابلہ کی اجازت چاہی تو ان کو بھی منع کر دیا جبکہ فرمایا کہ تم میں سے جو بھی اپنی تلوار میان میں رہنے دے گا وہ میری طرف سے آزاد ہوگا۔ اس لئے سب وہاں سے چلے گئے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کے بعد فرمایا کہ ہم نے تو زمانہ کی ساری تاریخ میں یہی دیکھا کہ جو شخص خود اپنی مدد دوسروں سے نہ لینا چاہے اور اس کے وسائل و اسباب اختیار نہ کرے، اس کی کوئی مدد نہیں کرتا، اور لوگ اس سے دور ہو جاتے ہیں۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ غالبا اس میں حضرتؒ کا اشارہ اپنی طرف بھی تھا، کیونکہ آپ کے ساتھ بھی ایسے ہی حالات پیش آئے تھے جن کی تفصیلات راقم سے زیادہ شاید ہی کسی کے علم میں ہوں۔ اور ان کو یاد کر کے دل روتا ہے کسی شاعر نے بالکل صحیح کہا ہے ومن لا یکرم نفسہ لا یکرم. اور حضرتؒ سے بارہا سنا کہ میں اپنے آپ کو کتے سے زیادہ ذلیل سمجھتا ہوں، تو ایسا ولی کامل کسی سے اپنا دکھ درد کیا کہتا اور کس طرح اپنے اعوان و انصار کو جمع کر کے مظالم کی مدافعت کرتا؟ تاہم اپنے دلی صدمات کی طرف اشارہ اپنے چند عرب اشعار میں فرمایا تھا، جن کو اہل علم جانتے ہیں۔ واللہ غالب علی امرہ. ولا راد لقضاۂ.

مبتدع: اگر علانیہ بدعت کا ارتکاب کرتا ہو کہ لوگ جانیں اور ان کو ترغیب ہو تو اس کے پیچھے بھی مکروہ ہوگی، بلکہ امام احمدؒ کے نزدیک قابل اعادہ ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اہل بدعت کی امامت میں نماز پڑھنا مباح ہے۔ ایسے ہی کسی تارک رکن کے پیچھے خواہ وہ کسی عذر سے ہی ایسا کرتا ہو جیسے لیٹ کر نماز پڑھائے، یا رکوع و سجود سے عاجز نماز پڑھائے تو نماز جائز نہ ہوگی۔ یہی قول امام ابوحنیفہؒ و امام مالکؒ کا بھی ہے (حاشیہ لامع ص ۱/۲۶۷)

بحر میں ہے کہ امام اگر مبتدع ہو لیکن اس کی بدعت حد کفر تک نہ پہنچے تو اس کی اقتدا درست ہے اور تنہا نماز پڑھنے سے اس کے پیچھے نماز افضل ہے۔

مخنث: جو عورتوں کے اطوار اپنائے، اس کی اقتداء بھی درست نہیں۔ کیونکہ امامت فضل و کمال کو چاہتی ہے اور یہ رکیک حرکات کرتا ہے۔

باب یقوم عن یمین الامام بحذآئہ سوآءً اذا کانا اثنین

(جب دو نمازی ہوں تو مقتدی امام کے دائیں طرف اس کے برابر کھڑا ہو)

۶۶۰: حدثنا سلیمان بن حرب قال حدثنا شعبة عن الحکم قال سمعت سعید ابن جبیر عن ابن عباسؓ قال بت فی بیت خالتی میمونة فصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العشآء ثم جآء فصلی اربع رکعات ثم نام ثم قام بجئت فقمت عن یسارہ فجعلنی عن یمینہ فصلی خمس رکعات ثم صلی رکعتین ثم نام حتی سمعت غطیطہ اوقال خطیطہ ثم خرج الی الصلوٰة

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں اپنی خالہ میمونہؓ کے گھر میں ایک شب رہا (تو میں نے دیکھا کہ) رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز (مسجد سے) پڑھ کر تشریف لائے اور چار رکعتیں آپ نے پڑھیں پھر سو رہے، اس کے بعد اٹھے (اور نماز پڑھنے) کھڑے ہوئے تو میں آیا اور آپ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ آپ نے مجھے اپنے داہنی جانب کر لیا، پھر آپ نے پانچ رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں، اس کے بعد سو رہے، یہاں تک کہ میں نے آپ کے خراٹے کی آواز سنی، اس کے بعد آپ نماز (فجر) کے لئے باہر تشریف لے گئے۔

تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ حنفیہ کے یہاں بھی مسئلہ اسی طرح ہے جیسے حدیث الباب میں بیان ہوا، البتہ اگر دو مقتدی ہوں تو ان کا امام کے پیچھے ہونا بہتر ہے۔

نیز فرمایا کہ میں نے حدیث کے اس مضمون سے کہ حضور علیہ السلام نے ابن عباسؓ کونماز میں ہی بائیں سے داہنے کرلیا، یہ استنباط کیا کہ اگر نماز کے اندر کوئی کراہت آجائے تو اس کو نماز کے اندر ہی رفع کردینا چاہئے۔ یہ مسئلہ فقہ والوں نے نہیں لیا۔

باب اذاقام الرجل عن یسار الامام فحوله' الامام الیٰ یمینه لم تفسد صلوتهما

(اگرکوئی شخص امام کے بائیں جانب کھڑا ہوٗ اور امام اس کو اپنے دائیں طرف پھیر دے تو کسی کی نماز فاسد نہ ہوگی)

۶۶۱: حدثنا احمد قال حدثنا ابن وهب قال حدثنا عمرو عن عبد ربه بن سعید عن مخرمة بن سلیمان عن کریب مولی ابن عباس عن ابن عباس قال نمت عند میمونة والنبی صلے الله علیه وسلم عندها تلک اللیلة فتوضأ ثم قام یصلی فقمت عن یساره فاخذنی فجعلنی عن یمینه' فصلیٰ ثلث عشرة رکعةً ثم نام حتیٰ نفخ وکان اذانام نفخ ثم اتاه المؤذن فخرج فصلیٰ ولم یتوضا قال عمر وفحدثت به بکیرًا فقال حدثنی کریب بذٰلک

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک رات حضرت میمونہؓ کے ہاں سویا، اور رسول اللہ ﷺ اس شب ان ہی کے یہاں تھے، تو (میں نے دیکھا کہ) آپ نے وضو فرمایا، اس کے بعد آپ کھڑے ہوگئے اور نماز پڑھنے لگے، میں بھی آپ کے بائیں جانب کھڑا ہوگیا، تو آپ نے مجھے پکڑ کے اپنے داہنی جانب کرلیا، اور (کل) تیرہ رکعت نماز آپ نے پڑھی پھر سور ہے، یہاں تک کہ سانس کی آواز آنے لگی، اور جب کبھی آپ سوتے تھے سانس کی آواز (ضرور) آنے لگتی تھی، اس کے بعد مؤذن آپ کے پاس آیا اور آپ باہر تشریف لے گئے اور نماز فجر پڑھی۔

تشریح: حافظؒ نے لکھا کہ امام احمد کے نزدیک مقتدی کے امام کی بائیں جانب کھڑے ہونے سے نماز باطل ہوجاتی ہے، جمہور کے نزدیک باطل نہیں ہوتی، اس سے معلوم ہوا کہ یہاں امام بخاری نے امام احمد کا رد کیا ہے۔

قوله فصلے ثلاث عشرة رکعة: حضرتؒ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے اس رات میں ۱۳ رکعات ہی پڑھی تھیں، راوی نے سابق روایت میں پانچ رکعت ذکر کی تھیں، اور اختصار کر کے باقی کا ذکر چھوڑ دیا تھا۔

پھر فرمایا کہ اس روایت کی سند میں مخرمہ ہیں اور طحاوی میں اس کی جگہ قیس ہیں، مگر مخرمہ ہی صحیح ہے جو یہاں ہے اور ان مخرمہ سے یہ روایت بھی ہے کہ آخر کی پانچ رکعات میں سے دو رکعات تہجد کی اور تین وتر کی تھیں۔ اور اس واقعہ میں لیٹنا حضور علیہ السلام کا تہجد کے بعد اور سنن فجر سے قبل کا ہے۔

باب اذالم ینو الامام ان یؤم ثم جآء قوم فامهم

اگر امام نے امامت کی نیت نہ کی ہوٗ پھر کچھ لوگ آجائیں اور وہ ان کی امامت کرے

۶۶۲: حدثنا مسددقال حدثنا اسمٰعیل بن ابراهیم عن ایوب عن عبدالله ابن سعید ابن جبیر عن ابیه عن ابن عباس قال بت عند خالتی میمونة فقام النبی صلے الله علیه وسلم یصلی من اللیل فقمت اصلی معه' فقمت عن یساره فاخذبراسی واقامنی عن یمینه

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک شب اپنی خالہ میمونہؓ کے ہاں سویا تو (میں نے دیکھا کہ) نبی کریم ﷺ نماز شب پڑھنے کھڑے ہوئے، میں بھی آپکے ساتھ بائیں جانب کھڑا ہوگیا، آپ نے میرا سر پکڑا، اور مجھے اپنی داہنی جانب کھڑا کردیا۔

تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ امام کا امامت کی نیت کرنا حنفیہ کے نزدیک بھی شرط نہیں ہے، البتہ محاذاۃ کی صورت میں چونکہ حنفیہ کے نزدیک عورت کے برابر والے مقتدی کی نماز فاسد ہوجاتی ہے، اس لئے وہ عورتوں کی اقتدا کے لئے نیت امامت کی شرط کرتے ہیں۔ اگر امام نے

عورتوں کی امامت کی نیت نہ کی ہوگی اور کوئی عورت جماعت میں مرد کے پاس آ کر نماز جماعت کی شرکت کرے گی تو مرد کی نماز باطل نہ ہوگی۔ امام مالک وشافعی کے نزدیک کسی کے لئے بھی شرط نہیں ہے۔امام احمد فرض نماز کے لئے شرط کہتے ہیں نوافل کے لئے نہیں، مردوں عورتوں کی تفریق ان کے یہاں بھی نہیں ہے۔(الابواب ص ۲/۲۷۰ وفتح الباری ص ۲/۱۳۲)

علامہ عینی نے لکھا کہ حدیث الباب میں صراحت تو نہیں ہے نفی یا اثبات نیت کی، لیکن حضور علیہ السلام کے فعل سے اثبات نکلتا ہے کہ آپ نے حضرت ابن عباسؓ کو اپنے داہنی طرف کرلیا۔ ہمارا (حنفیہ کا) مذہب یہ ہے کہ مردوں کے حق میں نیت امامت شرط نہیں ہے۔عورتوں کے حق میں ہے کیونکہ عورت کی محاذاۃ سے مرد کی نماز فاسد ہونے کا احتمال ہے امام زفر، اور امام مالک وشافعی کے نزدیک عورتوں کے لئے بھی شرط نہیں ہے۔امام ثوری اور ایک روایت امام احمدؒ سے یہ کہ اگر امام نے نیت نہ کی ہو تو مقتدی کو نماز لوٹانی پڑے گی، دوسری روایت یہ ہے کہ فرضوں کے لئے شرط ہے نوافل کیلئے نہیں۔ابن القاسم سے بھی امام ابوحنیفہؒ کی موافقت منقول ہے (عمدہ ص ۲/۷۶۸)

آگے باب اذا کان بین الامام و القوم حائط (بخاری ص ۱۰۱) کی حدیث پر علامہ عینی نے لکھا کہ مہلب نے اس سے امام کی نیت کے بغیر بھی اقتدا کو جائز ثابت کیا ہے، کیونکہ لوگوں نے حضور علیہ السلام کے پیچھے اقتدا کی اور حضور کو خبر بھی نہ تھی تو امامت کی نیت بھی ظاہر ہے کہ نہ کی ہوگی، اور یہی قول امام مالک وشافعی کا ہے، امام ابوحنیفہؒ کا مذہب بھی یہی ہے، البتہ ہمارے اصحاب نے عورتوں کے حق میں نیت کو ضروری قرار دیا ہے۔بجز امام زفر کے۔(عمدہ ص ۲/۸۰۰)۔

بحث ونظر: امامت کی نیت مقتدی مردوں یا عورتوں کے لئے کس درجہ میں اہم ہے، اس کی طرف شارحین حدیث نے کم توجہ کی ہے اور فقہاء میں سے بھی حنفیہ نے زیادہ توجہ کی ہے، وجہ یہ کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حدیث" خیر صفوف النساء آخرھا و شرھا اولھا" کی وجہ سے محاذاۃ عورت کی صورت میں مرد کی نماز صرف مکروہ ہوتی ہے، جبکہ حنفیہ (علاوہ زفر) کے نزدیک فاسد ہو جاتی ہے۔حدیث مذکور کی روایت بجز امام بخاری کے دوسرے سب اصحاب صحاح نے کی ہے۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ محاذاۃ کا مسئلہ بھی حنفیہ کے نزدیک اتنا عام نہیں ہے جتنا علامہ عینی نے اوپر بتلایا ہے، کیونکہ اکثر فقہاء حنفیہ کے نزدیک جمعہ وعیدین میں امامت نسواں کی شرط نہیں ہے۔اور بعض حنفیہ کی رائے یہ بھی ہے کہ اگر محاذاۃ کی صورت پیش نہ آئے تو دوسری نمازوں میں بھی شرط نہیں ہے (ردالمختار ص ۱/۴۰۲) لہٰذا اس کی شرطیت مطلقاً نہیں ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ شرطیت کا سبب مرد وعورت کا اپنے مقام متعین شرعی کو ترک کرنا ہے، اور تعیین مقام کے دلائل شرعیہ یہ ہیں (۱) و للرجال علیھن درجۃ اس سے معلوم ہوا کہ مردوں اور عورتوں کو اپنے اپنے درجات واقامت کی رعایت رکھنا ہر معاملہ میں ضروری ہے اور خاص طور سے نماز جماعت میں بھی۔(۲) و لا تبطلوا اعمالکم لہٰذا نماز کو فساد یا کراہت سے بھی بچانا ضروری ہوا (۳) محدث رزین کی روایت ہے "اخروھن من حیث اخرھن اللہ" اس سے بھی علاوہ دیگر امور کے نماز کے اندر عورتوں کو مردوں سے پیچھے رہنا ضروری ہوا خصوصاً جبکہ اس سے نماز کی کراہت پر تو سب ہی متفق ہیں۔(۴) امام اعظمؒ نے بحوالہ ہیثم وعکرمہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ حضور علیہ السلام نے جماعت پڑھائی، جس میں ایک مرد تھا جو آپ کے پیچھے کھڑا ہوا اور ایک عورت تھی وہ مرد کے پیچھے کھڑی ہوئی۔(۵) نسائی میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ میں نے حضور علیہ السلام کے پہلو میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور حضرت عائشہؓ نے ہمارے پیچھے نماز پڑھی امام صاحب نے ان دونوں سے استدلال کیا کہ محاذاۃ (یعنی عورت کے مرد کے برابر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے) سے مرد کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، ورنہ حضرت عائشہ سب کے پیچھے الگ اور تنہا کھڑی نہ ہوتیں کیونکہ جماعت کی نماز میں الگ اور تنہا کھڑا ہونا سب کے نزدیک مکروہ ہے امام احمد کے نزدیک تو مفسد صلوٰۃ ہے۔(عقود الجواہر المنیفہ فی ادلۃ مذہب الامام ابی حنیفہ ص ۱/۷۵)(۶) بخاری

و مسلم میں ہے کہ حضرت ابن عباس نے حضور علیہ السلام کی اقتدا کی تو آپ نے ان کو داہنی طرف کھڑا کر لیا۔(۷) مشہور حدیث لیلینی منکم اولوا الاحلام والنھی سے بھی مؤکد ہوا کہ جماعت کی نماز میں مردوں کو امام کے قریب اور بچوں و عورتوں کو دور ہونا چاہئے۔اور چونکہ یہ حکم اولاً مردوں کے لئے اور ثانیاً عورتوں کے لئے ہے، اس رعایت سے حنفیہ کے نزدیک عورت کی محاذاۃ سے مرد کی نماز فاسد ہوتی ہے، عورت کی نہیں اگر چہ گنہگار وہ بھی ہوگی۔لیکن اسی کے ساتھ فقہاء حنفیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر عورت مرد کے پاس جماعت میں آکر کھڑی ہوئی۔یا سامنے آگئی اور مرد نے اس کو پیچھے کر دیا یا خود آگے بڑھ گیا تو پھر اس مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی، اور اگر عورت پھر بھی پیچھے نہ ہوئی تو خود اس کی نماز فاسد ہوگی، مرد کی نہ ہوگی۔

فقہاء حنفیہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک عورت کے نماز جماعت میں غلط مقام میں کھڑے ہونے سے تین مردوں کی نمازیں فاسد ہوں گی۔ایک دائیں طرف برابر والے کی، دوسرے بائیں جانب والے کی اور تیسرے اس کی جو ٹھیک اس کے پیچھے ہو، اور وہ اس کے آگے ہو۔اس کے علاوہ دوسری شروط بھی فساد صلوٰۃ کی ہیں مثلاً (۱) وہ عورت مشتہاۃ ہو خواہ اس مرد کی اپنی بیوی ہی ہو۔(۲) امام نے اس کی نیت کی ہو (۳) دونوں کی نماز ایک ہو (۴) دونوں اول رکعت سے جماعت میں شریک ہوں مسبوق ہونے کی صورت میں حکم فساد نہ ہوگا (۵) دونوں ایک مکان میں ہوں (۶) دونوں ایک جہت کی طرف نماز پڑھ رہی ہوں یعنی اگر بیت اللہ کے اندر الگ الگ جہت میں پڑھ رہے ہوں تو نماز فاسد نہ ہوگی (۷) دونوں میں کوئی حائل نہ ہو (۸) دونوں میں کچھ فاصلہ نہ ہو۔(قوانین التشریع علی طریقۃ ابی حنیفۃ واصحابہ ص۲/۱۱۵)

ہم نے کتاب مذکور سے کچھ تفصیل مذہب کی نقل کر دی ہے، جو بہت اہم و نافع ہے، اس کے ساتھ مؤلف نے ص۲/۱۱۷ میں شروط صحت اقتداء بھی درج کی ہیں، وہ بھی دیکھ لی جائیں، پہلی اہم شرط حنفیہ کے نزدیک عدم تقدم المقتدی علی الامام لکھی ہے۔اور یہی قول امام احمد و شافعی کا بھی ہے۔امام مالک و اسحٰق کے نزدیک تقدم کی صورت میں نماز درست ہو جاتی ہے، اور یہ مسلک ان کا بہت عجیب ہے، اور مدینہ طیبہ میں ایام حج میں دیکھا گیا جب نمازیوں کی کثرت ہوتی ہے کہ بہت سے لوگ مسجد نبوی کی دیوار قبلہ سے بھی آگے دور تک صفیں بنا کر امام کی اقتدا کرتے ہیں، شاید وہ اسی خیال سے جائز سمجھتے ہوں گے۔لیکن ظاہر ہے کہ امام احمد امام شافعی و امام ابوحنیفہ تینوں اماموں کے مسلک کے متبعین کی نمازیں جماعت کے ساتھ اس طرح درست نہیں ہوتیں، اور چونکہ اقتدا صحیح نہ ہوتی، جس پر نماز کی بنا کی تھی، لہٰذا نماز ہی سرے سے صحیح نہ ہوگی۔لہٰذا مالکیہ کے سوا کسی بھی دوسرے مسلک والے کو اس طرح نماز پڑھنی چاہئے۔اور ضروری ہے کہ حکومت کی طرف سے بھی ایسے موقع پر اس مسئلہ کا اعلان کر دیا جایا کرے تا کہ عام لوگوں اور ناواقفوں کی نمازیں خراب نہ ہوں، معلوم نہیں سلفی حضرات (غیر مقلدین) کا اجتہاد اس بارے میں کیا ہے؟۔

اہمیت تراجم ابواب البخاری

امام بخاری نے یہاں حدیث الباب سے قبل ترجمۃ الباب میں نیت امام کی ضرورت کی طرف اشارہ کیا ہے جو آپ کے فعل سے ثابت ہوئی اور غالباً اسی لئے آگے ص۱۰۱ میں "باب اذا کان بین الامام و بین القوم حائط" کے تحت جو حدیث لائے ہیں اس سے عدم نیت ثابت نہیں کی، نہ اس پر نیت کا عنوان قائم کیا، لیکن عجیب بات ہے کہ صاحب اعلاء السنن نے ص۴/۳۱۷ میں اسی حدیث پر عدم نیت کا عنوان قائم کیا ہے۔اور امام بخاری کی حدیث الباب کا بھی ذکر نہیں کیا۔چونکہ حضور علیہ السلام سے قولی صراحت نیت و عدم نیت کسی کی نہیں ہے اور جو کچھ استنباط کیا گیا ہے وہ آپ کی جماعت نوافل سے کیا گیا ہے شاید اسی لئے امام احمدؒ نے اس کو نوافل تک محدود رکھا اور فرائض میں نیت امام کو مردوں کے لئے بھی ضروری قرار دے دیا و دوسرے ائمہ نے فرض و نفل کا کوئی فرق نہیں کیا، اور حنفیہ نے خاص صورتوں میں بوجوہ و دلائل مذکور بالا عورتوں کے حق میں نیت امامت کو ضروری قرار دیا۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب اذاطول الامام وكان للرجل حاجةً فخرج وصلى

اگرامام (نماز کو) طول دے اورکوئی شخص اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے (نماز توڑ کر) نکل جائے اور اپنی نماز پڑھ لے

۲۶۳: حدثنا مسلم قال حدثنا شعبة عن عمر و عن جابر بن عبدالله ان معاذ بن جبل كان يصلے مع النبي صلے الله عليه وسلم ثم يرجع فيوم قومه ح وحدثني محمد بن بشار قال ثنا غندرقال ثناشعبة عن عمروقال سمعت جابر ابن عبدالله قال كان معاذ بن جبل يصلي مع النبي صلے الله عليه وسلم ثم يرجع فيؤم قومه فصلى العشآء فقرابالبقرة فانصرف الرجل فكان معاذ ينال منه فبلغ النبي صلے الله عليه وسلم فقال فتان فتان فتان ثلث مرارا وقال فاتنًا فاتنًا فاتنًا وامرة بسورتين من اوسط المفصل قال عمرو لااحفظهما

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ معاذ بن جبل نبی کریم ﷺ کے ساتھ (عشا) کی نماز پڑھتے اس کے بعد (گھر) واپس جاتے، تو اپنی قوم کی امامت کرتے (ایک مرتبہ) انھوں نے عشاء کی نماز پڑھائی تو سورہ بقرہ شروع کردی، ایک شخص چل دیا اس سبب سے معاذؓ کو اس سے رنج رہنے لگا۔ یہ خبر نبی کریم ﷺ کو پہنچی، تو آپ نے تین مرتبہ فرمایا، کہ فتان، فتان، فتان یا فرمایا کہ فاتن، فاتن، فاتن اور آپ نے ان کو وسط مفصل کی دوسورتوں (کے پڑھنے) کا حکم دیا، عمرو (راوی حدیث) کہتے ہیں، کہ میں ان کو بھول گیا ہوں۔

تشریح: فتان کے معنی لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والا اور فاتن کے معنی بھی یہی ہیں (فرق صرف یہ ہے کہ فتان میں مبالغہ کے معنی پائے جاتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس باب اور حدیث کا تعلق بھی مسائل قدوہ سے ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک درست ہے کہ مقتدی حالت نماز میں ہی اقتدا کی نیت کرلے یا چاہے تو اقتدا ترک کرکے منفرد بن جائے، اور حدیث الباب کے واقعہ کو بھی اسی پر محمول کرتے ہیں کہ مقتدی نے حالت نماز میں ہی انفرادا اختیار کرلیا تھا۔ حالانکہ مسلم کی حدیث میں صراحت ہے کہ اس نے سلام پھیر کر نماز ختم اور پھر اپنی الگ ایک گوشہ میں جاکر پڑھی۔ جس کی علامہ نووی نے تاویل کردی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک صرف نیت سے نماز ختم نہ ہوگی بلکہ اس کے لئے کوئی عمل مفسد صلوٰۃ کرنا ہوگا اور اس کو چاہئے کہ سلام پھیر کر نماز ختم کردے، پھر دوسری نماز کی نیت کرکے شروع کرے۔

علامہ عینی نے لکھا: ائمہ کا اس میں اختلاف ہے کہ امام کے ساتھ کچھ نماز پڑھ کر اس کو ترک کرسکتا ہے یا نہیں شافعیہ کے نزدیک اس اقتدا کو منقطع کرکے الگ اپنی نماز پوری کرسکتا ہے۔ امام بخاری بھی اسی طرف مائل ہیں۔ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں، امام احمدؒ سے دوروایتیں ہیں۔ (عمدہ ص۲/۷۴۷) علامہ عینی نے اور حضرتؒ نے بھی اس موقع پر دوسرے افادات کئے ہیں جو طویل ہیں لہٰذا عمدہ اور فیض الباری میں دیکھ لئے جائیں۔

باب تخفيف الامام فى القيام واتمام الركوع والسجود

(قیام میں امام کے تخفیف کرنے، اور رکوع وجود کے پورا کرنے کا بیان)

۲۶۴: حدثنا احمد بن يونس قال ثنازهير قال ثنا اسمعيل قال سمعت قيساً قال اخبرني ابومسعود ان رجلاً قال والله يارسول الله اني لاتاخرعن صلوٰة الغداة من اجل فلان مما يطيل بنا فمارايت رسول الله صلے الله عليه وسلم فى موعظة اشد غضباً منه يومئذ ثم قال ان منكم منفرين فايكم ماصلےٰ بالناس فليتجوز فان فيهم الضعيف والكبير وذاالحاجة

ترجمہ: حضرت ابومسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا، یارسول اللہ خدا کی قسم! میں صبح کی نماز سے صرف فلاں شخص کے باعث رہ جاتا ہوں کیونکہ وہ نماز میں طول دیتا ہے، پس میں نے رسول خدا ﷺ کو کبھی نصیحت (کے وقت) اس دن سے زیادہ غضب ناک نہیں دیکھا، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ تم میں کچھ لوگ (آدمیوں کو عبادت سے) نفرت دلاتے ہیں۔ لہٰذا جو شخص تم میں سے لوگوں کو نماز پڑھائے تو اس کو ہلکی نماز پڑھانا چاہیئے، کیونکہ مقتدیوں میں ضعیف اور بوڑھے اور صاحب حاجت (سب ہی قسم کے لوگ) ہوتے ہیں۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جو کچھ تخفیف کی جائے وہ قیام میں ہے کہ قراءت مختصر ہو باقی رہا رکوع وسجود کو پوری طرح سے ادا کرنا چاہیے، ان میں قدر مستحب ومسنون سے کم نہ کرے۔ نہ تعدیل ارکان میں کمی کرے۔ فقہ کی کتاب بحر میں تردد کیا ہے کہ جو شخص کھڑے ہو کر مختصر نماز بلا جماعت کے پڑھ سکے اور جماعت کے ساتھ بیٹھ کر تو کون سی افضل ہے، میرے نزدیک دوسری افضل ہے کیونکہ ابوداؤد میں حدیث ہے کہ بیماروں کو حضور علیہ السلام کے زمانہ میں مساجد کی نماز کے لئے لایا جاتا تھا۔

باب اذا صلے نفسه فليطول ماشاء

(جب کوئی شخص (تنہا) نماز پڑھے تو جس قدر چاہے طول دے)

٦٦٥: حدثنا عبدالله بن يوسف قال انا مالک عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی هريرة ان رسول الله صلے الله عليه وسلم قال اذا صلے احدکم للناس فليخفف فان فيهم الضعيف والسقيم والكبير واذا صلے احدکم لنفسه فليطول ماشآء

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو اسے تخفیف کرنا چاہیئے کیونکہ مقتدیوں میں کمزور اور بیمار اور بوڑھے (سب ہی) ہوتے ہیں۔ اور جب تم میں سے کوئی اپنی نماز پڑھے تو جس قدر چاہے طول دے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنی الگ نماز فرض یا نفل کو جتنا چاہے طول دے سکتا ہے، لیکن جب امام ہو کر نماز پڑھائے تو مقتدیوں کی رعایت کرے، کیونکہ ان میں کمزور، بوڑھے اور بیمار ضرورت مند سب ہی ہوتے ہیں۔ اسی لئے چاہیئے کہ امام قراءت کو بھی طویل نہ کرے اور رکوع وسجدہ میں تسبیحات بھی مسنون تین بار سے زیادہ نہ کہے، اور یہی وجہ ہے کہ نماز تراویح میں تین رات سے کم میں قرآن مجید ختم کرنے کو فقہاء نے مکروہ قرار دیا ہے کہ مقتدیوں پر شاق ہوگا۔

اور جتنا قرآن مجید ایک رات میں پڑھنا ہو اس کو بھی بیس رکعات پر مساوی تقسیم کردے ایسا نہ کرے کہ مثلاً دس پارے پڑھنے ہیں تو پہلی رکعت میں ۸۔۹ پارے مثلاً پڑھ دے کہ یہ بھی ضعیف مقتدیوں پر گراں ہوگا۔

عام طور سے حفاظ ان امور کی رعایت نہیں کرتے حالانکہ حضور اکرم ﷺ نے نماز جماعت میں ایسی رعایتوں کی خاص طور سے ہدایت فرمائی ہے جیسا کہ اگلی احادیث سے بھی واضح ہوگا۔

باب من شكیٰ امامهٗ اذا طول وقال ابو اسید طولت بنایا بنی

جو شخص اپنے امام کی جب وہ نماز میں طوالت کرتا ہو، اور ابواسید نے (اپنے بیٹے سے ایک مرتبہ) کہا کہ بیٹے تو نے ہماری نماز کو طویل کر دیا

٦٦٦: حدثنا محمد بن یوسف قال ثنا سفیٰن عن اسمٰعیل بن ابی خالد عن قیس بن ابی حازم عن ابی مسعود قال قال رجل یارسول الله انی لاتاخر عن الصلوٰة فی الفجر مما یطیل بنافلان فیها فغضب رسول الله صلی الله علیه وسلم مارایته غضب فی مواعظة کان اشد غضباً منه یومئذ ثم قال یآیها الناس ان منکم منفرین فمن ام منکم الناس فلیتجوز فان خلفه الضعیف والکبیر وذاالحاجة

٦٦٧: حدثنا ادم بن ابی ایاس قال ثنا شعبة قال ثنا محارب بن دثار قال سمعت جابر بن عبدالله الانصاری قال اقبل رجل بنا ضحین وقد جنح اللیل فوافق معاذاً یصلی فبرک ناضحیه واقبل الیٰ معاذ فقرأ سورة البقرة اوالنساء فانطلق الرجل وبلغه' ان معاذاً فال منه فاتی النبی صلی الله علیه وسلم فشکاالیه معاذاً فقال النبی صلی الله علیه وسلم یامعاذ افتان انت اوقال افاتن انت ثلاث مرات فلولاصلیت بسبح اسم ربک الاعلیٰ والشمس وضحٰها واللیل اذایغشیٰ فانه' یصلی ورآءک الکبیرواضعیف وذوالحاجة احسب هٰذا فی الحدیث وتابعه' سعید بن مسروق و مسعروالشیبانی وقال عمرو عبیدالله بن مقسم وابوالزبیر عن جابر قرأ معاذ فی العشآء بالبقرة وتابعه الاعمش عن محارب

ترجمہ ۶۶۶: حضرت ابومسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ایک شخص نے (آکر کہا، کہ یارسول اللہ ﷺ) میں نماز فجر سے رہ جاتا ہوں، کیونکہ نماز میں فلاں شخص طول دیتا ہے پس رسول خدا ﷺ غضب ناک ہوئے کہ میں نے آپ کو اس دن سے زیادہ غصہ آتے ہوئے کسی نصیحت کے وقت نہیں دیکھا، اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ لوگو! تم میں سے کچھ لوگ (آدمیوں کو) عبادت سے متنفر کرتے ہیں۔ تو جو شخص لوگوں کا امام بنے، اس کو تخفیف کرنا چاہئے کیونکہ اس کے پیچھے کمزور اور بوڑھے اور صاحب حاجت (سب ہی) ہوتے ہیں۔

ترجمہ ۶۶۷: حضرت جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص پانی سینچائی والے دو اونٹ لا رہا تھا رات کا اول وقت تھا، اس نے جو معاذ کو نماز پڑھتے پایا تو اپنے دونوں اونٹوں کو بٹھلا دیا اور معاذ کی طرف متوجہ ہوا، معاذ نے سورۂ بقرہ یا سورۂ نساء پڑھنا شروع کی، تو وہ شخص (نیت توڑ کر) چلا گیا پھر اس کو یہ خبر پہنچی کہ معاذ اس سے رنجیدہ ہیں، لہٰذا وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا، اور آپ سے معاذ کی شکایت کی، تو نبی ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا، کہ اے معاذ! کیا تو فتنہ (برپا) کرنے والا ہے (اگر ایسا نہیں ہے) تو تو نے **سبح اسم ربک الاعلیٰ** اور **والشمس وضحٰها** اور **واللیل اذا یغشیٰ** کے ساتھ نماز کیوں نہ پڑھائی، کیونکہ تیرے پیچھے بوڑھے اور کمزور، اور صاحب حاجت (سب ہی طرح کے لوگ) نماز پڑھتے ہیں، اور عمرو اور عبیداللہ بن مقسم اور ابوالزبیر نے جابر سے روایت کی ہے کہ معاذ نے عشاء میں سورۂ بقرہ پڑھی تھی اور اعمش نے محارب سے اس کی متابعت کی۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ احادیث الباب سے ثابت ہوا کہ بوقت ضرورت کسی خالص امر خیر کے بارے میں بھی شکایت و شکوہ کرنا جائز ہے، جس طرح یہاں کہ نماز اور اس کے تمام ہی ارکان خیر محض ہیں اور ان میں جتنی بھی زیادتی ہو سکے وہ خیر ہی ہونی چاہئے، مگر جب لوگوں پر وہ زیادتی شاق ہونے لگے تو اس کے لئے بھی گلا و شکوہ کرنے کی اجازت دی گئی۔

پھر فرمایا کہ امام بخاریؒ کی یہ خاص منقبت دقیقہ رسی کی ہے کہ شکوے کا باب قائم کر کے متنبہ فرمادیا، ورنہ عام طور سے یہ خلجان ہی رہتا کہ نماز ایسی عظیم وجلیل عبادت کے کسی رکن کی زیادتی وطوالت کسی مومن مخلص کے لئے وجہ گرانی وشکایت کیوں ہو، اب شارع علیہ السلام کی اجازت ملنے پر وہ خلجان باقی نہ رہا اور امام بخاری کی تنبیہ مذکور کی بڑی اہمیت ظاہر ہوئی۔

امام موصوف نے اسی طرح دوسری جگہ بھی تنبیہ فرمائی ہیں، جہاں دوسرے سے قرآن مجید سننے کی فضیلت آئے گی اور وہاں تلاوت کرنے والے کو تلاوت سے روک دینے کا جواز واضح ہوگا۔ چنانچہ

(۱) تفسیر سورۂ نساء میں امام بخاریؒ "باب قولہ فكيف اذا جئنا من كل امة بشهيد و جئنا بک علی هؤلاء شهيدا" میں آئے گا کہ حضور علیہ السلام نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ارشاد کیا کہ کچھ قرآن مجید سناؤ، انھوں نے سورۂ نساء سنائی اور جب وہ آیت مذکورہ پر پہنچے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ بس اب رک جاؤ اور دیکھا گیا کہ حضور علیہ السلام اس وقت زاروقطار رورہے تھے اور شاید یہ فرط گریہ ہی روکنے کا سبب بنا ہوگا۔ واللہ اعلم۔ (بخاری ص۶۵۹)

(۲) باب من احب ان يسمع القرآن من غيره میں بھی حدیث لائے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے فرمایا کہ قرآن مجید کی تلاوت کرو، عرض کیا، کیا میں حضور کے سامنے قراءت کروں جبکہ وہ آپ ہی پر نازل ہوا ہے؟ فرمایا ہاں! میرا دل چاہتا ہے کہ دوسرے سے سنوں، تب انھوں نے تعمیل ارشاد کی اور آیت مذکورہ پر پہنچے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا بس اب بس کرو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں، میں نے حضور علیہ السلام کی طرف دیکھا تو آپ رورہے تھے (بخاری ص۷۵۵) (۳) باب البكاء عند قراءة القرآن قائم کر کے امام بخاری اسی حدیث مذکور کو پھر سے لائے ہیں۔ (بخاری ص۷۵۶) اس تفصیل سے یہ بات پوری طرح واضح ہوگئی کہ کوئی امر کیسا ہی بڑا خیر کا ہو اور اس کو روکنے میں کتنی ہی نفس پر گرانی ہو۔ مگر کسی صحیح ضرورت وسبب کے تحت اس کو بھی روک سکتے ہیں۔

افادۂ انور: حضرتؒ نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ حدیث الباب کے رجال روایت میں حضرت قیس بن ابی حازم بھی ہیں، امام احمدؒ نے فرمایا کہ قیس بن ابی حازم اور ابوعثمان مہدی سے زیادہ افضل تابعی میرے علم میں نہیں ہیں۔ اور یہ کہا گیا ہے کہ تابعین میں سے قیس کے سوا کسی نے عشرہ مبشرہ کی زیارت نہیں کی۔ صرف وہی ایک سب سے بڑے خوش قسمت تابعی تھے اور یہی قیس ترک رفع یدین کی روایت کرتے تھے، جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔ تو اگر ترک رفع معدوم محض ہوتا یا زاویہ خمول میں ہوتا جیسا کہ قائلین رفع یدین دعوے کرتے ہیں تو اس کو ایسی عظیم وجلیل شخصیت کیسے اختیار کرسکتی تھی، جس نے اجلہ صحابہ اور ان کے عمل کو دیکھا ہو۔ لہٰذا میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ ترک رفع کی نفی محض قیامت تک بھی ثابت نہیں کی جاسکتی اگرچہ وہ لوگ کتنی بھی طاقت وقوت صرف کرلیں کیونکہ وہ بھی نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے جو قیامت تک باقی رہے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا، ہماری طرف سے ان لوگوں کی طرح یہ دعوی ہرگز نہیں ہے کہ رفع یدین سنت نہیں ہے، یا وہ زاویہ خمول میں ہے، کیونکہ ہم تو دونوں کو سنت نبویہ مانتے ہیں اور اختلاف صرف افضلیت کا ہے۔ یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ مخالفین حنفیہ کا یہ جذبہ اور خواہش صحیح نہیں کہ ان کے سوا دوسروں کو جنت میں جگہ نہ ملے۔

حضرتؒ کا اشارہ امام بخاری وغیرہ کی طرف ہے، جنھوں نے اختلافی مسائل میں حنفیہ کے خلاف نہایت سخت اور غیر موزوں رویہ اختیار کیا ہے۔ ہم نے مقدمہ انوارالباری جلد دوم ہی میں تالیفات حضرت امام بخاری کے ذکر میں امام بخاریؒ کے رسالہ "جزء رفع الیدین" کا بھی تعارف کرایا تھا، اس میں امام بخاریؒ نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے بارے میں جیسے نامناسب کلمات استعمال کئے ہیں، ان کا اعادہ یہاں غیر ضروری ہے۔ خاص طور سے جبکہ امام اعظمؒ ان کے بالواسطہ استاذ بھی ہیں۔ یہاں چونکہ حضرت شاہ صاحبؒ نے مصنف ابن ابی شیبہ کا

حوالہ دیا ہے اس لئے اس امر کا ذکر مناسب ہوگا کہ صاحب مصنف مذکور بھی امام بخاریؒ کے کبار اساتذہ حدیث میں سے ہیں۔ اور انھوں نے یہ التزام کیا ہے کہ اپنی تالیف مذکور میں احادیث مرفوعہ کے ساتھ صحابہ وتابعین کے آثار بھی ذکر کرتے ہیں، اور اگر کسی مسئلہ میں دو قسم کی روایات ہوں تو ابواب بھی دو قسم کے باندھتے ہیں۔ مثلاً اس موقع پر "باب من كان يرفع يديه اذا افتتح الصلوة" قائم کیا تو پھر دوسرا باب لائے "من كان يرفع يديه في اول تكبيرة ثم لا يعود" اور مرفوع حدیث کے بعد، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت اسود، حضرت علقمہ، حضرت ابن عباس اور افضل التابعین حضرت قیس بن ابی حازم (جن کا حوالہ حضرت شاہ صاحبؒ نے اوپر دیا ہے) سب سے عدم رفع نقل کیا ہے۔ نیز حضرت علی وحضرت ابن مسعود کے اصحاب کا بھی یہی عمل نقل کیا کہ وہ صرف تکبیر اولی پر رفع یدین کرتے تھے اس کے بعد رکوع وغیرہ کے وقت نہ کرتے تھے۔

راقم الحروف کا خیال یہ بھی ہے کہ حضرت ابن ابی شیبہؒ چونکہ دونوں جانب کی احادیث وآثار صحابہ وتابعین پیش کرتے ہیں اور ان پر ترجمۃ الباب بھی قائم کرتے ہیں۔ اور ایسا ہی محدث عبدالرزاقؒ نے بھی اپنے مصنف میں کیا ہے، اسی لئے امام بخاریؒ ان دونوں کے اس طریقہ سے خوش نہیں معلوم ہوتے، کیونکہ وہ تو صرف اپنے ہی طریقہ کو زیادہ پسند کرتے ہوں گے کہ صرف ایک جانب کو لیں اور دوسری جانب کو بالکلیہ حذف کر دیں۔ اور شاید حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنے رسالہ "شرح تراجم ابواب صحیح البخاری" کے مقدمہ میں اسی طرف اشارہ کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:۔ بسا اوقات امام بخاری کسی امر ظاہر قلیل النفع کے لئے عنوان وترجمۃ الباب قائم کرتے ہیں، لیکن تامل کے بعد اس کا نفع معلوم ہوتا ہے، مثلاً باب قول الرجل ما صلينا لائے، جو بظاہر کوئی خاص ونفع بخش بات نہیں ہے، مگر وہ اس طرف اشارہ کر گئے، کہ ایک جماعت جو ما صلينا (ہم نے نماز نہیں پڑھی) کہنے کو برا جانتی ہے اس کے خیال کی اصلاح مدنظر ہے لہٰذا ان کا رد کیا گیا، اور امام بخاری کے اکثر تراجم ابواب میں مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق کے تراجم ابواب پر رد وقدح بھی ہے، کیونکہ ان کے تراجم ابواب میں آثار وشواہد سے استدلال کیا گیا ہے۔ ان کو امام بخاری نے رد کیا ہے۔ اس امر کو وہی سمجھ سکے گا، جو بخاری کے ساتھ ان دونوں حضرات کے مصنفوں کا بھی مطالعہ کرے گا۔

لمحہ فکریہ: امام بخاریؒ نے اپنے رسالہ رفع یدین میں دو جگہ یہ دعوے کیا کہ اصحاب نبی اکرم ﷺ میں سے کسی ایک سے بھی یہ ثابت نہیں ہوا کہ اس نے رفع یدین نہیں کیا۔ اور ان کے برخلاف محدث ابن ابی شیبہ نے مستقل باب عدم رفع یدین کا قائم کر کے نہ صرف متعدد اصحاب نبی اکرم ﷺ سے ان کے عدم رفع کا ثبوت پیش کر دیا، بلکہ مرفوع حدیث بھی عدم رفع کی پیش کر دی، خدا کا شکر ہے امت مسلمہ اور خاص طور سے حنفیہ کی یہ تمنا پوری ہوئی کہ مصنف عبدالرزاق منصۂ شہود پر آ گئی مجلس علمی ڈابھیل وکراچی نے اس کو مکمل شائع کر دیا ہے، اور مصنف ابن ابی شیبہ بھی حیدرآباد میں چھپ رہی ہے۔ سردست پانچ جلدیں اس کی شائع شدہ ہیں، ان دونوں کو سامنے رکھ کر تراجم ابواب بخاری کا تراجم مصنفین مذکورین سے مقابلہ کریں اور امام بخاری کی مجرد صحیح کے ساتھ احادیث مصنفین کا مطالعہ مع شواہد وآثار صحابہ وتابعین کریں گے تو فقہ البخاری اور فقہ حنفی دونوں اپنے صحیح خدوخال میں رونما ہو جائیں گے۔ مطبوعہ مصنف ابن ابی شیبہ میں باب من كان يرفع يديه في اول تكبيرة ثم لا يعود جلد اول کے ص ۲۳۶ وص ۲۳۷ پر ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت رفع یدین بھی محدث ابن ابی شیبہؒ نے نقل کی لیکن پھر خود ان کا ہی اپنا معمول عدم رفع کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو ان کی روایت کے مرجوح ہونے پر دال ہے۔ رفع یدین کی بحث اپنے موقع پر مفصل آئے گی۔ ان شاء اللہ

فقہ بخاری یا اجتہاد:۔ امام بخاریؒ بلند پایہ محدث ہونے کے ساتھ بھی، اور اگرچہ وہ حضرت سفیان ثوری یا امام اوزاعی کی طرح صاحب مذہب مجتہد نہ تھے، اور اسی لئے ان کا مذہب مدون نہ ہوا بلکہ ان کے تلمیذ خاص امام ترمذی وغیرہ کسی نے بھی ان کے اقوال کو بطور صاحب مذہب کے نقل نہیں کیا، اسی طرح وہ مجتہد مطلق بھی نہ تھے۔ اسی لئے جلیل القدر محتاط اکابر امت میں سے کسی نے بھی ان کو مجتہد مطلق نہیں کہا۔ ہمارے

حضرت شاہ صاحبؒ بھی یہی فرمایا کرتے تھے کہ امام بخاری مجتہد مطلق نہ تھے، البتہ ایک درجہ کا تفقہ واجتہاد ان کو حاصل تھا، جس کی وجہ سے وہ تقلید کے محتاج نہ تھے۔ یہ بھی فرمایا کہ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے استنباط واجتہاد میں بہت توسع کیا ہے، میں کہتا ہوں کہ امام بخاری نے بھی کیا کم کیا ہے کہ نصوص کے اشارات وعموم تک سے بھی مسائل نکالے ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے مقدمہ فتح الباری میں ضمن حالات امام بخاریؒ ان کے مجتہد ہونے کا کوئی ذکر نہیں کیا، صرف حدیث وفقہ میں مثل امام مالک نقل کیا ہے۔

ہمارے استاذ الاساتذہ حضرت شیخ الہندؒ سے یہ مقولہ بھی نقل ہوا ہے کہ امام بخاری مجتہد تھے۔ مگر ان کے اجتہاد میں میں ایک آنچ کی کسر رہ گئی تھی۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ وہ مجتہد مطلق مثل ائمہ مجتہدین (امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ وغیرہ) نہ تھے، علامہ شیرازیؒ نے تو ان کو ''طبقات الفقہاء'' میں بھی ذکر نہیں کیا ہے۔ یہ بظاہر ان کے رتبہ سے کم معلوم ہوتی ہے۔ محترم مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی عم فیضہم نے حاشیۂ دراسات اللبیب ص ۳۰۱/۳۰۷ میں امام بخاریؒ کے تفقہ پر تاریخی اعتبار سے روشنی ڈالی ہے۔ وہ بھی دیکھی جائے۔

ہم نے گذشتہ صفحات میں کسی مناسبت سے ظاہریہ اور اصحاب ظواہر کا تذکرہ کیا تھا۔ وہاں بھی امام بخاریؒ کا ذکر ہوا ہے پھر دیکھا کہ شیخ معین سندی نے بھی دراسات اللبیب ص ۳۰۰ میں امام بخاریؒ کو اصحاب الظواہر میں شمار کیا ہے۔ اور ہم نے حافظ ابن تیمیہ کو بھی اصحاب الظواہر میں لکھا تھا پھر دیکھا کہ حضرت شیخ الہندؒ نے بھی تذییل ایضاح الادلہ ص ۷ میں داؤد ظاہری وعلامہ شوکانی وغیرہ کے ساتھ علامہ ابن تیمیہ وابن قیم وغیرہ کا ''عاملین علی الظاہر'' کے زمرہ میں گنایا ہے۔ مولانا عبدالحئی لکھنویؒ نے بھی علامہ ابن تیمیہ کو اہل الظاہر میں سے قرار دیا ہے۔

(حاشیہ موطاء امام محمد ص ۱۲۷/۱۲۹) واللہ تعالیٰ اعلم

مدارج اجتہاد: ہمارے نزدیک علوم نبوت کے بکل معنی الکلمہ صحیح حامل ومحافظ ہر نبی ورسول کے جانشین وہ صحابہ رہے ہیں جو درجہ اجتہاد پر فائز تھے اور آخر میں خاتم النبیین ﷺ کے علوم وکمالات کے حامل ومحافظ بھی آپ کے ایسے ہی فقہاء ومجتہدین صحابہ تھے اور ان کے بعد ان کے جانشین اکابر مجتہدین امت محمدیہ نے اس منصب کو سنبھالا ہے، اور ان ہی کی جلیل القدر علمی خدمات کے صدقہ میں اس دین کا کامل تحفظ قیام قیامت تک باقی رہے گا۔ دور رسالت وصحابہ کے بعد سب سے بڑے مجتہد مطلق وکامل ہمارے سامنے امام اعظم ابوحنیفہؒ آتے ہیں، جن کے اجتہادی کمالات وتفوق کی شہادت خود ان کے ہم عصر مجتہد وامام حدیث مالکؒ نے دی اور برسوں ان کے علوم سے استفادہ فرمایا، ان کے بعد تیسرے مجتہد اعظم امام شافعیؒ نے بھی ان کی اعلیٰ اجتہادی شان کا بھرپور اعتراف کیا، اور ان کے تلمیذ امام محمدؒ سے استفادات کئے، پھر چوتھے درجہ کے مجتہد معظم امام احمدؒ نے بھی ان کے تلمیذ امام ابو یوسفؒ سے استفادہ فرما کر اجتہادی بصیرت میں کمال حاصل کیا۔ تفسیر وحدیث، فقہ واصول فقہ اور علم اصول وعقائد کی جو کچھ خدمات اب تک کی گئیں اور آئندہ ہوں گی وہ سب ان ہی چاروں اکابر مجتہدین کے فیضان علمی کا کرشمہ ہیں۔ اور ہمارا یقین ہے کہ مجموعی اعتبار سے ان حضرات کے جادۂ اعتدال سے جو بھی جتنا ہٹ گیا وہ اتنا ہی محرومی کا شکار ہوا۔

یہ بھی ایک دنیاوی فتنہ ہے کہ بڑے لوگوں پر حسد کرنے والے بھی بڑے ہو جاتے ہیں، امام اعظم کے حاسدین ومعاندین بھی کم نہ تھے، چنانچہ اسی دور کے امام حدیث وفقہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ (جن کو امام بخاری نے بھی اعلم اہل زمانہ کہا اور سب ہی موافق ومخالف ان کی جلالت قدر کے معترف تھے) لوگوں کے اعتراضات سے تنگ آ کر فرمادیا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے مت کہو، کیونکہ جو کچھ وہ کہتے ہیں وہی تو حدیث نبوی کا منشا ومقصد ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سب سے بڑا اعتراض جو امام صاحب پر تھا وہ ان کے صاحب قیاس ورائے ہونے کا تھا، اور اس کی بڑی وجہ آپ کے مدارک اجتہاد سے ناواقفی اور آپ کے دقیق استنباطات تک نارسائی تھی۔ پھر اس کے ساتھ کچھ لوگوں کا غلط پروپیگنڈہ بھی تھا،

جس سے بڑے حضرات بھی متاثر ہوگئے تھے۔

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ درس بخاری میں بڑے افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ امام بخاری وحمیدی ہمیشہ امام صاحب کے مثالب ہی بیان کرتے ہیں حالانکہ ان کو مناقب بھی پہنچے ہیں اور مثالب بھی اور متعدد سے نہیں بلکہ ایک ایک شخص سے بھی ہر دو قسم کے اوصاف پہنچے ہیں مگر انھوں نے ایثار، رجحان مثالب ہی کی طرف رکھا۔ ایک روز فرمایا کہ ابوداؤد امام ابوحنیفہؒ کی دل بھر کر تعظیم کرتے ہیں، ترمذی نہ تحقیر کرتے ہیں نہ تعظیم، بخاری بہت زیادہ مخالف ہیں، اپنی حدیثیں لاتے ہیں امام صاحب کی موافقت والی احادیث بھی نہیں لاتے، ایک دفعہ فرمایا کہ نعیم بخاری کا راوی ہے جو امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں جھوٹی باتیں گھڑ کر برائیاں بیان کیا کرتا تھا، پھر فرمایا ع عیب ے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو کے طور پر کہتا ہوں کہ یہ نعیم ترک رفع یدین کے روایت کرنے والوں میں بھی ہیں، اور اسی وجہ سے شافعیہ نے ان کو گرایا ہے، میں نے کہا جو کچھ بھی ہو مگر وہ ہے تو بخاری کا راوی۔ اس کو کہاں تک گراؤ گے؟۔

اس زمانہ کا ایک فتنہ یہ بھی ہے کہ علماء امت پر اجتہاد کا دروازہ بند کرنے کا طعنہ دیا جاتا ہے اور ہمارے اہل حدیث بھائی تو بڑی طویل فہرست مجتہدین کی پیش کیا کرتے ہیں۔ لیکن کیا واقعی طور پر ان تمام مجتہدین کو ملا کر بھی چاروں ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک کے بھی برابر کیا جاسکتا ہے؟ کلاثم کلا۔ البتہ تھوڑی بہت استنباطی واجتہادی شان کے ضرور اکابر امت میں تھے اور آئندہ بھی ہوں گے، ان کو بھی مجتہد کہہ لیجئے، مگر وہ ''مجتہد مطلق'' والی نرالی شان کہاں؟!

باب الایجاز فی الصلوٰۃ واکمالها

(نماز کو مختصر اور پورے طور پر پڑھنے کا بیان)

۲۶۸: حدثنا ابو معمر قال حدثنا عبدالوارث قال حدثنا عبدالعزیز عن انس بن مالک قال کان النبی صلے اللہ علیہ وسلم یوجز الصلوٰۃ ویکملها.

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز مختصر اور پوری پڑھتے تھے۔

تشریح: امام بخاریؒ نے یہ ثابت کیا کہ ایجاز واکمال دونوں کا اجتماع ایک نماز میں ہوسکتا ہے اور چونکہ ایسا کرنا حضور علیہ السلام کے فعل سے بھی ثابت ہے، اس لئے یہ مستحب بھی قرار پایا کہ نماز کو طول بھی نہ دے اور ارکان میں نقص بھی نہ آنے دے۔ آگے حدیث آنے والی ہے حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی امام کے پیچھے حضور علیہ السلام کے سوا آپ سے زیادہ ہلکی اور مختصر نماز نہیں پڑھی اور نہ حضور علیہ السلام سے زیادہ کامل ومکمل نماز کسی کے پیچھے پڑھی۔

باب من اخف الصلوٰۃ عند بکآء الصبی

(اس شخص کا بیان جو بچے کے رونے کی آواز سن کر نماز کو مختصر کردے)

۲۶۹: حدثنا ابراهیم بن موسیٰ قال حدثنا الولید بن مسلم قال حدثنا الاوزاعی عن یحیی بن ابی کثیر عن عبداللہ بن ابی قتادۃ عن ابیه ابی قتادۃ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال انی لاقوم فی الصلوٰۃ ارید ان اطول فیها فاسمع بکآء الصبی فاتجوز فی صلاتی کراهیة ان اشق علیٰ امه تابعه بشر بن بکر وبقیة و ابن المبارک عن الاوزاعی

۶۷۰: حدثنا خالد بن مخلد قال حدثنا سليمان ابن بلال قال حدثناشريک ابن عبدالله قال سمعت انس بن مالک يقول ماصليت ورآء امام قط اخف صلوٰة ولآاتم من النبی صلے الله عليه وسلم و ان كان ليسمع بكآء الصبی فيخفف مخافته ان تفتن امه'

ترجمہ۶۶۹: حضرت ابوقتادہؓ نبی کریم علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو چاہتا ہوں کہ اس میں طول دوں، لیکن بچہ کے رونے کی آواز سن کر میں اپنی نماز میں اختصار کر دیتا ہوں، اس امر کو برا سمجھ کر کہ میں اس کی ماں کی تکلیف کا باعث ہو جاؤں۔ بشر بن بکر، بقیہ اور ابن مبارک نے اوزاعی سے اس کے متابع حدیث روایت کی ہے۔

ترجمہ۶۷۰: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے کسی امام کے پیچھے نبی کریم علیہ سے زیادہ ہلکی اور کامل نماز نہیں پڑھی۔ اور بے شک آپ بچہ کا گریہ سن کر اس خوف سے کہ اس کی ماں پریشان ہو جائے گی، نماز کو ہلکا کر دیتے تھے۔

تشریح: احادیث الباب سے معلوم ہوا کہ امام لمبی نماز پڑھانے کا ارادہ کرنے کے بعد نماز کے دوران میں کسی کی وجہ سے تخفیف کر دے یا شروع سے ہی ہلکی نماز پڑھانے کا ارادہ کرے تو دونوں باتوں کی شرعاً اجازت ہے پھر شافعیہ کے یہاں مسئلہ یہ ہے کہ اختصار مذکور کی طرح امام کو تطویل کا بھی اختیار ہے، یعنی کسی کی وجہ سے نماز کو طویل کر دے تو یہ بھی جائز ہے مگر حنفیہ دونوں میں فرق کرتے ہیں، یعنی کسی کی وجہ سے مثلاً رکوع میں طوالت کر دے تو یہ مکروہ ہے، کیونکہ اس طرح عبادت میں زیادتی غیر اللہ کے لئے ہوگی۔ جبکہ عبادت کا کچھ حصہ بھی غیر اللہ کے لئے جائز نہیں ہے اور امام محمدؒ سے تو یہ بھی نقل ہوا کہ وہ اس پر کفر کا خطرہ بتلاتے تھے۔ تاہم ان کی مراد اس سے کفر عقیدہ نہ ہوگا بلکہ کفر نعمت جیسا مرتبہ ہوگا۔ اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے دل کو تو یہ بات لگتی ہے کہ تطویل کی ممانعت دنیاداری ذی وجاہت لوگوں کے حق میں ہوگی کہ اس میں شرک کا شائبہ ہو سکتا ہے۔ ضرورت مند اور اہل علم وفضل کے لئے نہ ہوگی، اور اختصار کی سابق صورت تو اس لئے بھی باقی نہ رہی کہ فساد زمانہ کے سبب عورتوں کا مساجد کی نماز جماعت میں شامل ہونا ہی ممنوع ہو گیا ہے۔ اور فقہا نے رکوع کی تطویل کو اس رعایت کے لئے جائز قرار دیا ہے کہ لوگ رکوع میں شامل ہو کر رکعت پالیں، بشرطیکہ وہ لوگ امام کے دوست ورفقاء نہ ہوں یا وہ رکوع میں آ کر شریک ہونے والوں کو نہ پہچانتا ہو۔ اور بعض فقہاء نے اس کے ساتھ یہ قید بھی لگائی ہے کہ پہلے سے شرکاء نماز کو امام کے تطویل رکوع سے تکلیف بھی نہ ہو۔ کیونکہ ان کا حق بعد میں آنے والوں سے زیادہ ہے اس سے زیادہ تفصیل لامع الدراری ص ۲۷۲/۱ میں دیکھی جائے۔

فیض الباری ص ۲۳۳/۲ قولہ وعن محمد الخ سہو ناسخ ہے۔ کیونکہ یہ بخاری کا مقولہ نہیں ہے، بلکہ کتب فقہ سے نقل کیا گیا ہے۔

۶۷۱: حدثنا علی بن عبدالله قال حدثنا يزيد بن زريع قال حدثنا سعيد قال حدثنا قتادة ان انس بن مالک حدثه' ان النبی صلے الله عليه وسلم قال انی لادخل فی الصلوٰة وانا اريد اطالتها فاسمع بكآء الصبی فاتجوز فی صلوتی مما اعلم من شدة وجدامه من بكآئه

۶۷۲: حدثنا محمد بن بشار قال انا ابن عدی عن سعيد عن قتادة عن انس بن مالک عن النبی صلے الله عليه وسلم انی لادخل فی الصلوٰة فاريد اطالتها فاسمع بكآء الصبی فاتجوز مما اعلم من شدة وجد امه من بكآئه وقال موسیٰ حدثنا ابان قال حدثنا قتادة قال‌نا انس عن النبی صلے الله عليه وسلم مثله

ترجمہ۶۷۱: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ نے فرمایا کہ میں (جب) نماز شروع کرتا ہوں تو اس کو طول دینا چاہتا ہوں مگر بچہ کا رونا سن کے اپنی نماز میں تخفیف کر دیتا ہوں، کیونکہ میں اس کے رونے سے اس کی ماں کی سخت پریشانی کو محسوس کرتا ہوں۔

ترجمہ۶۷۲: حضرت انس بن مالکؓ رسول اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، میں نماز شروع کرتا ہوں۔ تو اس کو طول دینا

چاہتا ہوں، مگر بچہ کے رونے کی آواز سن کر مختصر کر دیتا ہوں کیونکہ اس کے رونے سے مجھے خیال ہوتا ہے کہ اس کی ماں سخت پریشان ہو جائے گی، اور موسیٰ نے کہا کہ ہم سے ابان نے بہ سند قتادہ عن انسؓ رسول اللہ علیہ السلام سے روایت کیا۔

باب اذا صلی ثم ام قوماً

(جب خود نماز پڑھ چکا ہو اس کے بعد لوگوں کی امامت کرے)

۶۷۳: حدثنا سلیمان بن حرب و ابو النعمان قالا ناحماد بن زید عن ایوب عن عمرو بن دینار عن جابر قال کان معاذ یصلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم یاتی قومہ' فیصلی بھم

ترجمہ: حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذ نبی علیہ السلام کے ہمراہ نماز پڑھ لیتے تھے، اس کے بعد اپنی قوم کے پاس جاتے تھے، اور انھیں نماز پڑھاتے تھے:۔

تشریح: حدیث الباب سے امام شافعیؒ نے استدلال کیا ہے اور کہا کہ حضرت معاذؓ حضور علیہ السلام کے ساتھ عشا کی نماز بہ نیت فرض پڑھتے تھے، پھر جا کر امام بن کر اپنی قوم کو نماز عشا پڑھاتے تھے، لہٰذا فرض پڑھنے والے کی اقتدا نفل والے کے پیچھے جائز ہوئی۔ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ اور اکثر تابعین کا مذہب یہ ہے کہ اگر مقتدی کی نیت امام کی نیت سے مختلف ہو تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی، کیونکہ نیت کے اختلاف سے بڑھ کر اور زیادہ اختلاف کیا ہو سکتا ہے کہ نیت پر ہی اعمال کی صحت کا مدار ہے۔ اور موطا امام مالک میں حدیث ہے کہ "امام اسی لئے ہے کہ مقتدی اس کا اتباع کریں، لہٰذا اس کی مخالفت نہ کرو" محدث ابی نے شرح مسلم، میں لکھا کہ یہ حدیث امام ملک اور جمہور کے لئے دلیل و حجت ہے، جو کہتے ہیں کہ امام اور مقتدی کی نماز باہم مرتبط ہونی چاہئیں، اور اس سے امام شافعی و محدثین کا رد ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض نماز کی اقتداء درست ہے اور کہتے ہیں کہ ظہر کی نماز اس امام کے پیچھے پڑھ سکتے ہیں جو عصر کی نماز عصر پڑھ رہا ہو، وہ ممنوع اختلاف کو صرف ظاہری افعال کے اختلاف پر محمول کرتے ہیں، اور امام مالک وغیرہ کہتے ہیں کہ دو الگ الگ فرضوں یا فرض اور دوسرے نفل کے اختلاف سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے۔ اور یہی ایک روایت امام احمدؒ سے بھی ہے۔ علامہ موفقؒ نے کہا کہ اسی کو ہمارے اکثر اصحاب نے اختیار کیا ہے۔ علامہ ابن عربی نے شرح ترمذی میں لکھا کہ حضرت معاذؓ والی حدیث کے معارض دوسری حدیث ہے **انما جعل الامام لیؤتم بہ.** اور دوسری حدیث **الامام ضامن** بھی معارض ہے، کیونکہ نفل نماز کم درجہ کی ہے وہ فرض نماز کے لئے کفیل نہیں بن سکتی۔ اور ایسے ہی ایک فرض دوسرے مختلف فرض کے لئے کفیل و ضامن نہیں ہو سکتا اور حدیث معاذ میں احتمال ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کے پیچھے نفل پڑھتے ہوں، پھر جا کر اپنی قوم کو فرض کی نیت سے پڑھاتے ہوں۔ علامہ ابن عربیؒ نے حدیث معاذ کے پانچ جواب دیئے ہیں، (ملاحظہ ہو اوجز المسالک ص ۲/۲۲)

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک حضرت معاذؓ نے حضور علیہ السلام کے ساتھ بھی عشا ہی پڑھی ہے، لیکن بہ نیت اسقاط فریضہ نہیں پڑھی اور دوسری جو اپنی قوم کے ساتھ پڑھی ہے وہ اسقاط فریضہ کی نیت سے پڑھی ہے، امام محمدؒ کی پانچوں کتابوں میں اور امام طحاوی کی کتاب میں بھی یہ مسئلہ تین جگہ مذکور ہے کہ اگر گھر سے نماز پڑھ کر چلے اور مسجد میں پہنچے اور نماز ہو رہی ہو تو اعادہ ضروری ہے۔ اور یہی متقدمین سے منقول ہے۔ امام طحاویؒ نے تصریح کی ہے کہ اگر پہلی بہ نیت عشا بھی پڑھے لیکن اسقاط فرض کا قصد نہ ہو تو وہ نفل ہوگی، اور اسی طرح اگر دو بارہ، سہ بارہ نماز ظہر کی ہی مثلاً پڑھے تو ان میں ایک فرض ہوگی جو بہ نیت اسقاط فرض ہوگی، باقی سب نفل ہوں گی۔ لہٰذا حضرت معاذؓ نے پہلے بھی عشاء ہی پڑھی ہوگی بہ لحاظ شرکت نبی کریم علیہ السلام اور دوسری جو پڑھائی ہے وہ فرض کے اسقاط کے لئے ہوگی۔

پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ سب سے پہلے فتح القدیر نے یہ غلطی کی ہے کہ خلاف متقدمین یہ مسئلہ لکھا کہ گھر سے پڑھ کر جب مسجد میں آیا تو

فرض میں شریک ہوااور یہ نفل ہیں۔

اعادہ کے مسئلہ میں شافعیہ کے یہاں یہ ہے کہ پانچوں نمازوں کا اعادہ ضروری ہے اور پہلی نفلیں ہیں خیمہ یا گھر پر پڑھی ہوئی، حنفیہ کے یہاں صرف ظہر وعشاء میں اعادہ ضروری ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اگر شافعیہ کی طرف اس مسئلہ کی نسبت درست ہے کہ پہلی نماز نفل ہوتی ہے اور بعد والی فرض، تو حضرت معاذؓ کے لئے پہلی نماز حضور علیہ السلام کے ساتھ پڑھی ہوئی گھر اور خیمہ کے حکم میں ہونی چاہیے کہ ان کے لئے اپنی مسجد جس کے وہ امام تھے وہ بعد والی ہے، اور بظاہر وہ اپنی مسجد میں ہی اسقاط فرض کی نیت سے نماز پڑھتے ہوں گے۔ اور اس سے بھی حضرت شاہ صاحبؒ کی توجیہ زیادہ قوی ہو جاتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اقتداء متنفل خلف المفترض کے مسئلہ میں محدثانہ وفقیہانہ ابحاث بہت لمبی ہیں وہ شروح میں قابل مطالعہ ہیں۔ ہم نے یہاں بطور خلاصہ کچھ لکھدیا ہے۔

باب من اسمع الناس تکبیر الامام

اس شخص کا بیان، جو مقتدیوں کو امام کی تکبیر سنائے

۶۷۴: حدثنا مسدد قال نا عبداللہ بن داؤد قال ناالاعمش عن ابراھیم عندالاسود عن عائشۃ قالت لما مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم موضہ الذی مات فیہ اتاہ بلال یؤذنہ' بالصلوٰۃ قال مروٓا ابابکر فلیصل بالناس قلت ان ابابکر رجل اسیف ان یقم مقامک یبک فلایقدر علی القرآءۃ فقال مروآ ابابکر فلیصل فقلت مثلہ' فقال فی الثالثۃ اوالرابعۃ الکن صواحب یوسف مروآ ابابکر فلیصل فصلی و خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم یھادیٰ بین رجلین کانی انظر الیہ یخط برجلیہ الارض فلمارآہ ابوبکر ذھب یتأخر فاشارالیہ ان صل فتاخر ابوبکرو قعدالنبی صلی اللہ علیہ وسلم الیٰ جنبہ وابوبکر یسمع الناس التکبیر تابعہ' محاضر عن الاعمش

ترجمہ ۶۷۴: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مرض وفات میں مبتلا ہوئے، تو آپ کے پاس بلالؓ نماز کی اطلاع کرنے آئے۔ آپ نے فرمایا، ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھادیں، میں نے عرض کیا کہ ابوبکرؓ ایک نرم دل آدمی ہیں، اگر آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو رونے لگیں گے اور قراءۃ پر قادر نہ ہوں گے، آپ نے فرمایا، کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں، میں نے پھر وہی عرض کیا، تو تیسری بار یا چوتھی بار آپ نے فرمایا، کہ تم یوسف کی عورتوں کی مثل ہو ابوبکرؓ سے کہو وہ نماز پڑھائیں، تو ابوبکرؓ نے نماز شروع کی (اتنے میں نبی کریم ﷺ کو مرض میں کچھ افاقہ محسوس ہوا) اور نبی کریم ﷺ دو آدمیوں کے بیچ میں سہارا لیتے ہوئے باہر تشریف لے گئے، گویا میں اس وقت بھی آپ کی طرف دیکھ رہی ہوں، کہ آپ کے کے دونوں پیر زمین پر گھسٹتے جاتے ہیں، جب حضرت ابوبکرؓ نے آپ کو دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے مگر آپ نے ان کو اشارہ فرمایا کہ نماز پڑھو، چنانچہ ابوبکرؓ کچھ پیچھے ہٹ گئے اور نبی کریم ﷺ ان کے پہلو میں بیٹھ گئے اور ابوبکرؓ لوگوں کو تکبیر سناتے جاتے تھے۔

تشریح: مقتدیوں کو امام کی تکبیرات سنانے کے لئے ایک یا زیادہ مکبروں کا بلند آواز سے تکبیرات کہنا جائز ہے کیونکہ حضرت ابوبکرؓ بھی رسول اللہ ﷺ کی تکبیرات سنانے کے لئے زور سے کہتے تھے۔

اس بارے میں شیخ ابن ہمامؒ نے یہ لکھدیا کہ اگر ضرورت سے زیادہ بلند آواز سے مکبر تکبیر کہیں گے تو ان کی نماز فاسد ہو جائے گی حالانکہ یہ ان کی غلطی اور اسی لئے ایک حنفی عالم نے ہی مستقل رسالہ میں ان کا رد کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ مقدار ضرورت سے زیادہ بلند آواز سے بھی تکبیرات سنانا موجب فساد صلوٰۃ نہیں ہے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ امام محمد کے نزدیک قائم کی اقتدا خلف القاعد جائز نہیں ہے۔ اسی لئے حدیث الباب کے مرض وفات کے واقعہ کو امام محمدؒ نے حضور علیہ السلام کی خصوصیت پر اتارا ہے۔ میرے نزدیک تو اس واقعہ میں حضور علیہ السلام کا نمازیوں کے سامنے سے گذرنا، نماز کے بیچ میں سے شروع کردینا پہلے امام کو ہٹا کر، اور ایک مقتدی کو صف کے آگے رکھنا وغیرہ اور بھی خصوصیات میں سے ہیں، اور غالباً امام محمدؒ نے بھی اور سب چیزوں کو خصوصیت پر اتارا ہے۔

فائدہ مہمہ: امام محمد و امام مالک کے نزدیک امامۃ جالس للقائم کسی حال میں درست نہیں، اور مرض وفات میں حضور علیہ السلام کی امامت خصوصیت پر محمول ہے امام احمد و اسحٰق کہتے ہیں کہ کسی وجہ سے بیٹھ کر پڑھائے تو مقتدی کو بھی بیٹھ کر پڑھنی چاہیے، کیونکہ ایک حدیث میں یہی حکم ہے، لیکن جمہور کے نزدیک یہ جز و حدیث کا منسوخ ہے، اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اگر امام کسی عذر سے بیٹھ کر پڑھائے تو تندرست مقتدیوں کو کھڑے ہو کر اقتدا کرنی چاہیے، علامہ ابن عبدالبر نے فرمایا کہ یہی مذہب جماعت فقہاء امصار کا ہے، امام شافعی اور ان کے اصحاب کا بھی اور امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا بھی اور اہل الظاہر وغیرہم بھی اسی کے قائل ہیں۔ جمہور کا استدلال حضور علیہ السلام کی مرض وفات والی نماز سے ہے، الخ (لامع ص ۱/۲۷۶) حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حنابلہ نے جھگڑا ڈالا ہے اور کہا کہ اس واقعہ مرض وفات میں بھی امام ابوبکر ہی تھے اور حضور علیہ السلام مقتدی تھے، محشی سندی نے بھی حاشیہ بخاری میں اسی کی تائید کردی ہے مگر میرے نزدیک صحیح بخاری سے اس کے لئے استدلال کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔

علامہ عینیؒ لکھا کہ ایک جماعت کا قول یہی ہے کہ بخاری و مسلم کی روایات حضرت عائشہؓ کے تحت اس امر کی صراحت ملتی ہے کہ آخر مرض وفات میں نماز کے امام حضور علیہ السلام ہی تھے اور حضرت ابوبکر صرف مبلغ و مکبر تھے۔ اور مزید بحث لامع میں ہے۔

باب الرجل یاتم بالامام و یاتم الناس بالماموم ویذکر عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال ائتموا بی ولیاتم بکم من بعدکم

(اگر ایک شخص امام کی اقتدا کرے اور (باقی) لوگ اس مقتدی کی اقتدا کریں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا تم لوگ میری اقتدا کرو اور تمہارے بعد والے تمہاری اقتدا کریں)

۶۷۵: حدثنا قتیبة بن سعید قال نا ابو معاویة عن الاعمش عن ابراهیم عن الاسود عن عآئشة قالت لما ثقل النبی صلے الله علیه وسلم جآء بلال یؤذنه بالصلوٰة فقال مروآ ابابکر ان یصلی بالناس فقلت یارسول الله ان ابابکر رجل اسیف وانه متیٰ یقوم مقامک لایسمع الناس فلوامرت عمر فقال مروآ ابابکر ان یصلی بالناس فقلت لحفصة قولی له ان ابابکر رجل اسیف وانه متیٰ مایقوم مقامک لایسمع الناس لوامرت عمر فقال انکن لانتن صواحب یوسف مروآ ابابکر ان یصلی بالناس فلما دخل فی الصلوٰة وجد رسول الله صلے الله علیه وسلم فی نفسه خفةً فقام یهادیٰ بین رجلین ورجلاه یخطان فی الارض حتیٰ دخل المسجد فلما سمع ابوبکر حسه ذهب ابوبکر یتاخر فاوما الیه رسول الله صلے الله علیه وسلم فجاء النبی صلے الله علیه وسلم حتی جلس عن یسار ابی بکر فکان ابوبکر تصلی قآئماً وکان رسول الله صلے الله علیه وسلم یصلی قاعداً یقتدی ابوبکر بصلوٰة رسول الله صلے الله علیه وسلم والناس مقتدون بصلوٰة ابی بکر

ترجمہ:۔ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ بیمار ہوئے، تو بلالؓ آپ کے پاس نماز کی اطلاع کرنے آئے، آپؐ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو، وہ لوگوں کو نماز پڑھاویں، میں نے کہا یا رسول اللہ! ابوبکرؓ ایک نرم دل آدمی ہیں اور وہ جب آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے، تو لوگوں کو نہ سنا سکیں گے، کاش، آپ عمرؓ کو حکم دیتے، پھر آپ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، تب میں نے حفصہؓ سے کہا، کہ تم عرض کرو کہ ابوبکرؓ نرم دل آدمی ہیں، اس لئے جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو اپنی آوازیں نہ سنا سکیں گے کاش! آپ عمرؓ کو حکم دیتے (چنانچہ حفصہؓ نے عرض کیا) اس پر آپ نے فرمایا کہ تم ان عورتوں کی طرح ہو، جو یوسف کو (گھیرے ہوئے) تھیں، ابوبکرؓ سے کہو، وہ لوگوں کو نماز پڑھادیں پھر جب وہ نماز شروع کر چکے تو رسول خدا ﷺ نے اپنے میں کچھ خفت (مرض کی) پائی تو آپ دو آدمیوں کے درمیان میں سہارا دے کر باہر تشریف لے گئے، اور آپ کے دونوں پیر زمین پر گھسٹتے جاتے تھے، یہاں تک کہ آپ مسجد میں داخل ہوئے، جب ابوبکرؓ نے آپ کی آہٹ سنی، تو ابوبکرؓ پیچھے ہٹنے لگے۔ مگر رسول خدا ﷺ نے انہیں اشارہ کیا (کہ ہٹو نہیں) پھر نبی ﷺ آ کر ابوبکرؓ کے بائیں جانب بیٹھ گئے، ابوبکرؓ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور رسول خدا ﷺ بیٹھے ہوئے نماز پڑھتے تھے، ابوبکرؓ رسول خدا ﷺ کی اقتدا کرتے تھے، اور لوگ ابوبکرؓ کی نماز کے مقتدی تھے۔

تشریح: امام بخاریؒ نے حدیث الباب سے یہ نکالا ہے کہ اگلی صف والے امام کا اتباع واقتدا کریں گے اور پچھلی صفوں والے اگلی صفوں کی۔ متقدمین میں سے شعبی اور متاخرین میں سے ابن جریر وغیرہ بھی اسی کے قائل ہوئے ہیں اسی لئے وہ کہتے ہیں اگر بعد میں آنے والے کسی مقتدی نے اگلی صف والے کسی مقتدی کو بھی تحریمہ کر کے رکوع میں پالیا تو اس کو رکعت مل گئی، خواہ امام اور اس سے متصل صفوں والوں نے رکوع سے سر بھی اٹھالیا ہو۔

علامہ عینیؒ نے یہی مسلک امام بخاری کا بھی قرار دیا ہے، مگر میرے نزدیک یہ ضروری نہیں کہ یہ مسئلہ امام بخاریؒ کا مختار بھی ہو اور ہوسکتا ہے کہ صرف لفظ راوی کا اتباع کر کے انھوں نے ایسا ترجمہ قائم کیا ہو۔

جمہور کا مسلک یہ ہے کہ جب تک امام رکوع میں ہے اسی وقت تک رکعت مل سکتی ہے، دوسرے مقتدیوں کا اعتبار نہیں اور امام بخاریؒ نے تو جزء القراۃ میں یہ بھی تصریح کردی ہے کہ امام کو رکوع میں پانے سے بھی رکعت نہ ملے گی صرف اقتداء حاصل ہو جائے گی۔

جمہور کے نزدیک حدیث الباب کا مطلب یہ ہے کہ تعلیم دین کے امور میں تم میری اتباع کرو اور بعد کو آنے والے تمہاری اتباع کریں گے۔ یعنی یہاں نماز کی امامت واقتدا کا حکم بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ **قوله فلما دخل فى الصلوة وجد رسول الله ﷺ فى نفسه خفة،** پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہاں سے صراحت نکلتی ہے کہ حضور علیہ السلام عشا کی نماز میں نکلے تھے، واللہ اعلم۔

قوله الكن لانتن صواحب يوسف: ۔صواحب یوسف سے تشبیہ کی وجہ اظہار خلاف مافی الضمیر تھا کیونکہ درحقیقت حضرت عائشہؓ امامت سیدنا ابی بکرؓ سے اس لئے روک رہی تھیں کہ لوگ بعد کو یہ نہ کہہ دیں کہ ان کی امامت ایسی نامبارک ہوئی کہ حضور علیہ السلام وفات پا گئے گویا دل میں تو یہ بات تھی اور ظاہر دوسری بات کی جو حدیث میں ذکر ہوئی ہے۔ جس طرح زلیخا نے بظاہر تو ان عورتوں کا اکرام کیا اور ضیافت کی تھی اور دل میں نیت یہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال ان کو دکھائیں تا کہ آئندہ وہ ان کو ملامت نہ کریں یا عورتوں کی خاص عادت ضد وہٹ کی طرف اشارہ ہے (ص ۹۹ حاشیہ بخاری)

باب هل يأخذالامام اذا شک بقول الناس

امام کو جب شک ہو جائے تو کیا وہ مقتدیوں کے کہنے پر عمل کرلے

۶۷۶: حدثنا عبدالله بن مسلمة عن مالک بن انس عن ایوب بن ابی تمیمة السختیانی عن محمد بن سیرین عن ابی هریرة ان رسول الله صلے الله علیه وسلم انصرف من اثنتین فقال له ذوالیدین اقصرت الصلوٰة ام نسیت یا رسول الله فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم اصدق ذوالیدین فقال الناس نعم فقام رسول الله صلے الله علیه وسلم فصلی اثنتین اخریین ثم مسلم ثم کبرفسجد مثل سجوده او اطول

۶۷۷: حدثنا ابوالولید قال ناشعبة عن سعد بن ابراهیم عن ابی سلمة عن ابی هریرة قال صلے النبی صلے الله علیه وسلم الظهر رکعتین فقیل قد صلیت رکعتین فصلے رکعتین ثم سلم ثم سجد سجدتین

ترجمہ ۶۷۶: حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ چار رکعت والی نماز کی) دو رکعتیں پڑھ کر رسول خدا ﷺ علیحدہ ہو گئے، تو آپ سے ذوالیدین نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا نماز میں کمی کردی گئی یا آپ بھول گئے تو رسول خدا ﷺ نے دوسرے لوگوں سے فرمایا کہ کیا ذوالیدین سچ کہتے ہیں، لوگوں نے کہا، ہاں! پس رسول خدا ﷺ پھر کھڑے ہو گئے اور دو رکعتیں اور پڑھ لیں، پھر سلام پھیر کر اپنے معمولی سجدوں کی طرح سجدے کئے، یا اس سے تھوڑے سے طویل ہوں گے۔

ترجمہ ۶۷۷: حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں، تو آپ سے کہا گیا کہ آپ نے دو رکعتیں پڑھی ہیں، پس آپ نے دو رکعتیں (اور) پڑھ لیں، پھر سلام پھیر کر دو سجدے (سہو کے) آپ نے کئے۔

تشریح: حدیث مذکورہ کا تعلق مسائل سہو سے ہے، جو اپنے موقع پر آئیں گے، چنانچہ بخاری ص۱۶۳ و ص۱۶۴ میں یہی حدیث ابی ہریرہ باب السہو کے تحت ذکر ہوگی، یہاں غالباً اس لئے ذکر کیا کہ امام و مقتدی کے مسائل چل رہے ہیں۔

اس سے قبل ص۶۹ میں بھی ابی ہریرہ باب تشهیک الا صابع فی کالمسجد میں گذر چکی ہے، کیونکہ اس روایت میں تشبیک کا بھی ذکر ہے پھر اس حدیث ابی ہریرہؓ کو ص۸۹۴ میں باب ما یجوز من ذکر الناس نحو قولهم الطویل والقصیر میں لائیں گے، کیونکہ ذوالیدین کا ذکر ہے اور کتاب اخبار الآحاد کے باب ماجا فی اجازة الخبر الواحد ص۱۰۷۷ میں بھی لائیں گے۔ کیونکہ امام بخاری مسائل کے استخراج اور مناسبات کے لحاظ سے ایک ہی حدیث کو متعدد جگہ لایا کرتے ہیں۔ غرض فقہی نقطۂ نظر سے یہاں شک و سہو کے لئے باب قائم کرنے کا کوئی موقع نہیں تھا۔

شک و سہو امام کے مسئلہ میں متعدد صورتیں ہیں اور یہ مشہور اختلافی مسائل میں سے ہے، مذہب حنفی کا حاصل یہ ہے کہ اگر مقتدیوں میں اختلاف ہو تو امام کی رائے جس طرف ہوگی وہ معتبر ہوگی خواہ اس جانب ایک ہی مقتدی ہو۔ اگر ایک شخص کو نماز کے پوری ہونے کا یقین ہو اور ایک کو ناقص ہونے کا اور دوسرے لوگ اور امام بھی شک میں ہو تو نماز کا اعادہ صرف یقینی نقص بتلانے والے کے ذمہ ہوگا۔ اگر امام کو نقص کا یقین ہو تب بھی سب پر اعادہ لازم ہوگا بجز اس کے جس کو ان میں سے کامل ہونے کا یقین ہو، اگر کسی کا ایک مقتدی کو نقص کا یقین ہو لیکن امام اور دوسروں کو شک ہو تو سب کے لئے اعادہ اولی ہے احتیاطاً۔ اگر (دو عادل نقص بتلائیں تو اعادہ لازم ہوگا نہ لامع ص۶۷۸/ انا قلاعن البذل)

علامہ لابن المنیر نے لکھا کہ اختلاف صرف ان صورتوں میں ہے کہ امام کو بھی شک ہو ورنہ اگر امام کو اپنے فعل پر یقین ہو تو پھر کسی

مقتدی کے قول کا اعتبار نہیں ہوگا (فتح الباری ص ۱۴۱/۲)

قولہ وقال عبداللہ بن مقداد الخ اس راوی کے بارے میں حافظ نے لکھا کہ وہ تابعی کبیر تھے۔ جن کو رؤیت کا شرف اور ان کے والد کو صحبت کا شرف حاصل تھا۔ (فتح ص ۱۴۱/۲)

علامہ عینی نے لکھا کہ وہ تابعی کبیر جن کو روایت کا اور ان کے باپ کو صحبت کا شرف ملا تھا (غالبا رؤیت کی جگہ روایت کا لفظ ناسخ کی غلطی ہے، واللہ اعلم) پھر ذہبی سے نقل کیا کہ وہ قدمائے تابعین میں سے تھے، اور ان کی اس تعلیق کو سعید بن منصور نے موصول کیا ہے، (عمدہ ص ۷۸۶/۲)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ وہ صغیر السن صحابی تھے، حضرت حمزہؓ نے ان کی والدہ سے نکاح کیا تھا، اور وہ حدیث **من کان له امام فقراءة الامام له قراءة** کے راوی بھی ہیں تو اس سے تو کم درجہ نہیں ہے کہ ہم ان کی حدیث کو مرسل صحابی قرار دیں، حالانکہ وہ مرفوعاً بھی ثابت ہو چکی ہے جس کی تحقیق ہم نے فصل الخطاب میں کی ہے۔

باب اذابکی الامام فی الصلوٰة وقال عبداللہ بن شداد سمعت نشیج عمرو انافی اٰخر الصفوف یقرأ انمآ اشکوا بثی وحزنیٓ الی اللہ

(جب امام نماز میں روئے، عبداللہ بن شداد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کے رونے کی آواز سنی حالانکہ میں سب سے پچھلی صف میں تھا وہ **انمآ اشکوا بثی وحزنیٓ الی اللہ** پڑھ رہے تھے)

۶۷۸: حدثنا اسمٰعیل قال حدثنی مالک بن انس عن هشام بن عروة عن ابیه عن عائشة ام المؤمنین ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال فی مرضه مروآ ابابکر یصلی بالناس قالت عآئشة قلت له' ان ابابکر اذاقام فی مقامک لم یسمع الناس من البکآء فمرعمر یصلی بالناس فقال مروآ ابابکر فلیصل بالناس فقالت عآئشة فقلت لحفصة قولی له' ان ابابکر اذا قام فی مقامک لم یسمع الناس من البکآء فمر عمر فلیصل للناس ففعلت حفصة فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم مه انکن لانتن صواحب یوسف مروآ ابابکر فلیصل للناس فقالت حفصة لعائشة ماکنت لاصیب منک خیراً

ترجمہ: حضرت عائشہ ام المومنینؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے اپنے (اخیر) مرض میں فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو، وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں حضرت عائشہؓ کہتی ہیں، میں نے آپ سے کہا کہ ابوبکرؓ جب آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو رونے کے سبب سے لوگوں کو (اپنی قراءة) نہ سنا سکیں گے۔ لہٰذا آپ عمرؓ کو حکم دیجئے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، پھر آپ نے فرمایا، کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں، میں نے حفصہؓ سے کہا کہ تم آپ سے عرض کرو کہ ابوبکرؓ جب آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے، تو رونے کے سبب سے لوگوں کو (اپنی قراءة) نہ سنا سکیں گے، لہٰذا آپ عمرؓ کو حکم دیجئے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، تو حفصہؓ نے (ایسا ہی کیا) اس پر رسول خدا ﷺ نے فرمایا:۔ چپ رہو! تم تو حضرت یوسف علیہ السلام کی (اغوا) کرنے والی عورتوں کی طرح (معلوم ہوتی) ہو ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، پس حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا، کہ میں نے کبھی تم سے کوئی (بھی) بھلائی نہ پائی۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ اگر نماز میں رونا کسی تکلیف، درد وغیرہ کے سبب ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر جنت ودوزخ کے ذکر کی وجہ سے ہو تو وہ مطلوب ہے، اس سے فاسد نہ ہوگی کہ وہ حضور علیہ السلام سے بھی ثابت ہوا ہے۔

اس باب میں امام بخاریؒ نے ترجمہ کے مطابق کوئی حدیث ذکر نہیں کی، کیونکہ ان کی شرط کے موافق نہ ہوگی، لہٰذا حضرت عمرؓ کے اثر پر اکتفا کیا ہے۔

یہ توجیہ اس لئے ہے کہ حدیث الباب میں امام حضور علیہ السلام تھے اور ان کے رونے کا کچھ ذکر نہیں ہے مگر علامہ عینیؒ نے یہ دقیق بات نکالی کہ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے قبل تک حضرت ابوبکرؓ ہی امام تھے اور ان کے بارے میں حضرت عائشہؓ کا بار ہا کا مشاہدہ تھا کہ وہ نماز میں تلاوت کے وقت ضرور رویا کرتے تھے لہٰذا امام کا نماز میں رونا ثابت ہوا، گو یہاں اس خاص واقعہ میں اس کے وقوع کا ذکر نہیں ہوا۔ علامہ عینیؒ نے لکھا کہ اس کے بغیر ترجمۃ الباب سے حدیث کی مطابقت نہیں ہو سکتی (عمدہ ۲/۷۸۷) حافظ نے فتح الباری میں مطابقت ترجمہ کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے تراجم الابواب میں اور حضرت شیخ الحدیث نے الابواب والتراجم میں بھی کچھ نہیں لکھا۔

باب تسویة الصفوف عند الاقامة وبعدها

(اقامت کے وقت یا اس کے بعد صفوں کے برابر کرنے کا بیان)

۶۷۹: حدثنا ابوالولید هشام بن عبدالملک قال ناشعبة قال حدثنی عمرو بن مرة قال سمعت سالم بن ابی الجعد قال سمعت النعمان بن بشیر یقول قال النبی صلی الله علیه وسلم لتسون صفوفکم او لیخالفن الله بین وجوهکم

۶۸۰: حدثنا ابومعمر قال ناعبدالوارث عن عبدالعزیز بن صهیب عن انس ان النبی صلے الله علیه وسلم قال اقیموا الصفوف فانی اراکم خلف ظهری

ترجمہ ۶۷۹: حضرت نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں، کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، کہ اپنی صفوں کو برابر کرلیا کرو، ورنہ اللہ تعالے تمہارے اندر اختلاف ڈال دے گا

ترجمہ ۶۸۰: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: صفوں کو درست کرو، میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے (بھی) دیکھتا ہوں

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: صف کو سیدھا کرنا حنفیہ کے نزدیک واجب ہے کہ بغیر اس کے نماز میں کراہت تحریمی آئے گی اور یہ کام اقامت کے وقت بھی کر سکتے ہیں اور تحریمہ سے قبل اقامت کے بعد بھی، جیسی ضرورت ہو، اگرچہ جائز تحریمہ کے بعد بھی ہے،

امام شافعیؒ کے نزدیک تسویۂ صف سنت ہے، کیونکہ ان کے یہاں واجب کا درجہ نہیں ہے، ابن حزم ظاہری نے اس کو فرض قرار دیا ہے کہ بغیر اس کے نماز جماعت درست نہ ہوگی۔

پھر یہ کہ اگر تسویۂ صف کا نہ ہوا تو کیا جماعت کا ثواب ختم ہو جائے گا۔ علامہ سیوطی شافعیؒ نے شافعیہ سے دو قول نقل کئے ہیں ایک یہ کہ جماعت کا ثواب ملے گا۔ مگر نقصان کے ساتھ، دوسرے یہ کہ بالکل نہ ملے گا۔ ہمارے یہاں بھی مکروہ روزے کے بارے میں ایسی تفصیل موجود ہے۔ میرے نزدیک یوم نحر وفطر میں تو ثواب بالکل نہ ملے گا کہ ان دونوں میں روزہ رکھنا اجماعاً حرام ہے، باقی ایام تشریق میں ثواب کم ہوگا۔ اس لئے نماز میں میری رائے ہے کہ اس میں بھی جماعت کا ثواب تو ملے گا مگر صف سیدھی نہ کرنے والوں کے لئے بقدر کراہت کم ہو جائے گا۔ اور جو لوگ صف کو سیدھا کریں گے ان کا کم نہ ہوگا۔

صف سیدھی نہ کرنے کے ظاہری عمل خلاف کا اثر باطن پر یہ پڑے گا کہ ان لوگوں میں باہمی اختلافات رونما ہوں گے اور مودت و محبت نہ رہے گی حدیث میں اسی سے ڈرایا گیا ہے۔

قولہ فانی اراکم پر فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ تم اگر خدا سے شرم نہیں کرتے تو کم سے کم مجھ سے ہی کرو کہ میں تم جس طرح آگے سے دیکھتا ہوں، پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں، امام احمد و جمہور علماء نے کہا کہ ایسا عقلاً ممتنع نہیں ہے، اور وحی سے ثابت ہوا اس لئے اس پر یقین کرنا

چاہیے اور یہ بطور خرق عادت حضور علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ (عمدہ ص ۲/۷۸۹)

قولہ حدثنی عمرو بن مرہ پر فرمایا کہ یہ راوی بخاری بھی کوفی ہیں اور ان کا مذہب ترک رفع یدین ہے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ میں یہی ترک تھا، مگر امام بخاری بھی کوفہ میں پہنچے ہیں لیکن کوئی حدیث ترک کی نہیں لائے۔ فالعجب کل العجب۔ ان ہی عمرو بن مرہ کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ کوفہ میں حضرمیوں کی مسجد میں گیا اور وہاں وائل بن حجر کی حدیث رفع یدین سنی تو آ کر حضرت ابراہیم نخعیؒ سے بیان کی، وہ سن کر غضبناک ہوئے اور فرمایا افسوس! کیا انھوں نے دیکھا اور حضرت ابن مسعود نے نہ دیکھا اور نہ ان کے اصحاب نے دیکھا (حاشیہ مولانا عبدالحی علی الموطأ ص ۹۳) اور اسی حاشیہ میں ہے کہ مغیرہ نے بھی ابراہیم نخعیؒ سے وائل کی حدیث کا ذکر کیا تو فرمایا کہ اگر وائل نے ایک دفعہ دیکھا تو ابن مسعودؓ نے پچاس مرتبہ حضور علیہ السلام کو نہ کرتے دیکھا ہے، اور ایک روایت ہے کہ کیا وائل نے ہی دیکھا اور باقی صحابہ نے نہ دیکھا؟!

فتح الملہم ص ۲/۱۵ میں اس طرح نقل ہے کہ ابراہیم نخعی نے حدیث وائل بن حجر کو اوپرا سمجھا اور کہا کیا تمہارا خیال ہے کہ وائل ابن حجر حضرت علی وعبداللہ بن مسعود سے زیادہ علم والے تھے؟!

شرح کتاب الآثار امام محمد ص ۱/۱۹۵ میں حضرت العلامہ مولانا مفتی مہدی حسنؒ نے یہ نقل کیا کہ جب عمرو نے وائل کی حدیث سنائی تو ابراہیم نے فرمایا:۔ میری سمجھ میں نہیں آیا شاید وائل نے ایک ہی دن حضور علیہ السلام کو نماز پڑھتے دیکھا تھا جس کو یاد رکھ کر یہ روایت کی اور اس کو حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کے اصحاب نے یاد نہ رکھا، میں نے تو ان میں سے کسی سے بھی یہ بات نہیں سنی اور نہ کسی کو دیکھا کہ وہ نماز میں علاوہ تکبیر تحریمہ کے دوسری کسی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے ہوں۔ چونکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضور علیہ السلام کے ساتھ سفر وحضر میں رہتے تھے اور آپ کے خصوصی خادم رہے ہیں، اس لئے ابراہیم نخعی نے اس طرح تعجب کا اظہار کیا ہے۔

افسوس ہے کہ فیض الباری ص ۲/۲۳۵ میں صحیح اور پوری بات مع حوالہ کے نہ آسکی۔ اسی لئے ہم نے تصحیح وتفصیل کر دی ہے۔

باب اقبال الامام علی الناس عندتسویة الصفوف

(صفوں کو برابر کرتے وقت امام کا لوگوں کی طرف متوجہ ہونے کا بیان)

۶۸۱: حدثنا احمد بن ابی رجآء قال نامعٰویة بن عمرو قال نازآئدةابن قدامة قال ناحمید ن الطویل قال نا انس بن مالک قال اقیمت الصلوٰة فاقبل علینا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بوجھه فقال اقیموا صفوفکم وتراصوا فانی اراکم من ورآء ظھری

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نماز قائم کی گئی تو رسول خدا ﷺ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا، کہ تم لوگ اپنی صفوں کو درست کرلو، اور مل کے کھڑے ہو، اس لئے کہ میں تمھیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

تشریح: حدیث الباب میں تو خود حضور علیہ السلام کا متوجہ ہونا مذکور ہے، اور ابوداؤد میں یہ ہے کہ حضورؐ دوسروں کو تسویۂ صفوف کا حکم کرتے تھے، اور خود محراب کے قریب ایک لکڑی کے ستون کے سہارے کھڑے رہتے تھے، جب دیکھتے کہ صفیں برابر ہو گئیں تو نماز کی تکبیر کہتے تھے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ ابوداؤد میں ہے کہ نمازیوں کی صفیں آسمانوں کے فرشتوں کی صفوں کے مقابل ہوتی ہیں۔ اسی لئے سیدھی صف کرنے کا اہتمام زیادہ کر دیا گیا اور اچھی طرح مل کر کھڑے ہونے کا بھی حکم ہوا تا کہ مشابہت پوری ہو جائے۔ دوسرے کہ یہ اداء عبادت کا یہی طریقہ صف بندی کرنے کا سب سے زیادہ کامل بھی ہے، اسی لئے یہ امتیاز امت مرحومہ کے حصہ میں آیا، بنی اسرائیل کی عبادت میں حلقہ کا طریقہ تھا، صف بندی نہ تھی۔ نیز فرمایا: حضرت عمرؓ کی طرف سے بھی آدمی مقرر تھا جو صفوں میں سے "اعتدلوا، استووا" کہتا ہوا گذرتا تھا پھر نماز شروع ہوتی تھی۔

باب الصف الاول

(پہلی صف کا بیان)

۲۸۲: حدثنا ابو عاصم عن مالک عن سمی عن ابی صالح عن ابی هريرة قال قال النبی صلی الله عليه وسلم الشهدآء الغرق والمبطون والمطعون والهدم وقال لويعلمون ما فی التهجير لاستبقوآ اليه ولويعلمون ما فی العتمة والصبح لاتوهما ولوحبواً ولويعلمون ما فی الصف المقدم لاستهموا

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ شہداء (یہ لوگ ہیں) جو ڈوب کے مرے اور جو پیٹ کے مرض میں مرے، اور جو طاعون میں مرے اور جو دب کے مرے اور آپ نے فرمایا کہ اگر لوگ جان لیں، کہ شروع وقت میں نماز پڑھنے میں کیا (فضیلت) ہے تو بے شک اس کی طرف سبقت کریں، اور اگر وہ جان لیں، کہ عشاء اور صبح کی نماز (باجماعت) میں کیا ثواب ہے، تو یقیناً ان میں آکر شریک ہوں اگر چہ گھٹنوں کے بل (چلنا پڑے) اور اگر وہ جان لیں کہ پہلی صف میں کیا فضیلت ہے، تو بے شبہ (اس کے لئے) قرعہ اندازی کریں۔

تشریح اور بحث: صف اول کی فضیلت میں ابوالشیخ ابوحیان سے نقل ہوا کہ وہ بہ نسبت دوسری صفوں کے شیطانی اثرات سے زیادہ حفاظت کرنے والی ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک صف اول شمال سے جنوب تک کی پوری لمبی صف ہے وہ نہیں جس میں امام کے ساتھ اس کے مقصورہ میں چند لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں، اگر چہ یہ بھی بعض کا قول ہے، اور تیسرا قول یہ بھی ہے کہ جو لوگ مسجد میں پہلے داخل ہو گئے وہ سب صف اول والے ہیں خواہ کہیں بھی کھڑے ہوں۔

راوی حدیث الباب ابو عاصم الضحاک النبیل کے بارے میں حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ امام زفر کے تلمیذ ہیں اور ان کے ساتھ آخر عمر تک رہے ہیں۔ نبیل معزز و شریف کو کہتے ہیں اور یہ لقب ان کو امام زفرؒ کی باندی نے دیا تھا، جب دروازے پر جا کر دستک دیتے تو امام زفر کے پوچھنے پر کہ کون ہے باندی جا کر دیکھتی اور آکر کہتی کہ وہی نبیل ہیں۔ اس کے بعد ان کا یہ لقب ہی پڑ گیا۔

ہم نے مقدمہ انوار الباری ص ۱/۸۰ میں بھی ان کا تذکرہ لکھا ہے کہ وہ امام اعظمؒ کے بھی شاگرد ہیں اور علامہ ذہبیؒ نے ان کو الحافظ (یعنی حافظ حدیث) اور شیخ الاسلام کے القاب سے ذکر کیا ہے۔ یہ امام بخاری کے حدیث میں استاذ ہیں جن سے یہاں روایت کی ہے امام زفر اور امام اعظمؒ کے ایسے تلامذہ خصوصی سے کیا یہ توقع ہو سکتی ہے کہ وہ "الایمان قول وعمل" کے قائل ہوں گے؟ جب کہ امام بخاری نے تو یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں نے کسی ایسے شخص سے روایت نہیں لی، جس کا عقیدہ "الایمان قول وعمل" کا نہیں تھا۔ شاید امام بخاریؒ نے ان کو اس بارے میں کچھ نرم پایا ہو، مگر یہ بات تو سب نے تسلیم کر لی ہے کہ امام بخاریؒ کے اس دعوے کا تعلق صرف بلاواسطہ شیوخ سے ہے، کیونکہ اوپر کے شیوخ میں تو یہ دعوے عام طور سے درست نہ ہو سکا۔ ہمارے قریبی دور کے اہل حدیث عالم مولانا عبدالسلام مبارک پوری اعظمی نے "سیرۃ البخاری" ص ۱۶۴/۱۶۳ میں لکھا:

"ہم یہ مانتے ہیں کہ امام بخاری کو "الایمان قول وعمل" میں خاص قسم کا کد اور تشدد تھا، جس کی شہادت بخاری کی کتاب الایمان سے بھی ملتی ہے، اور امام بخاری کا یہ قول مقدمہ فتح الباری میں نقل ہوا ہے کہ میں نے ہزار سے زائد شیوخ سے حدیث لی لیکن ایسے شیوخ کے پاس نہیں گیا جو "الایمان قول وعمل" کے قائل نہ تھے، لیکن یہ بھی غور کرنا چاہیئے کہ اس قول سے امام بخاری کا تشدد ان کے اپنے شیوخ تک محدود معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اوپر کے شیوخ میں اس قسم کی پابندی نہیں اسی وجہ سے شیوخ الشیوخ کیا اور بھی اوپر کے شیوخ ان کے سلسلہ روایت میں ایسے مل سکتے ہیں جن کا قول" الایمان قول وعمل" نہ تھا لہٰذا یہ توجیہ امام بخاری کے بلاواسطہ شیوخ میں چل سکتی ہے اوپر کے سلسلہ میں یہ توجیہ بالکل غلط ہو جاتی ہے" الخ

غرض یہ سب کو معلوم ہے کہ امام بخاری نے باوجود دعوائے مذکور کے ایسے رواۃ سے احادیث روایت کی ہیں" جن کی نسبت "مرجئی"

کہا گیا ہے، اور جو اعمال کو جزو ایمان نہیں جانتے تھے، جبکہ امام بخاری نے سب سے بڑا الزام امام اعظمؒ پر ''مرجئی'' ہونے کا لگایا بھی ہے، پھر ایک امام عاصم النبیل موصوف الصدر راوی حدیث الباب ہی پر کیا منحصر ہے محدث اعظم مکی بن ابراہیم بھی امام بخاریؒ کے بلا واسطہ استاذ تھے، جن سے امام بخاری کو صحیح میں ۱۱ ثلاثیات روایت کرنے کا بڑا فخر حاصل ہو سکا ہے۔

یہ مکی بن ابراہیم نہ صرف امام اعظمؒ کے تلمیذ بلکہ بڑے مداحین میں سے تھے، امام صاحب کو اپنے زمانے کا سب سے بڑا عالم کہا کرتے تھے جبکہ امام صاحب کے زمانہ میں امام مالک، اوزاعی، سفیان ثوری، مسعر اور عبداللہ بن مبارک وغیرہ صدہا محدثین کبار تھے۔

اسی طرح عبداللہ بن ادریس، شعیب دمشقی، علی بن مسہر، وکیع، قاسم بن معن، یزید بن زریع، زہیر بن معاویہ وغیرہ اور سب سے زیادہ نمایاں شیخ المحدثین عبداللہ بن مبارکؒ جن کو امام بخاریؒ نے بھی اعلم اہل زمانہ کہا، یہ سب بھی بلا واسطہ امام بخاری کے استاذ حدیث اور امام اعظم کے تلمیذ حدیث تھے، یقیناً یہ سب بھی ''الایمان قول وعمل'' کے قائل نہ ہوں گے، پھر اس تاویل بعید سے کیا فائدہ ہوگا کہ امام بخاریؒ نے بلا واسطہ ایسے عقیدہ کے لوگوں سے حدیث کی روایت نہیں کی، اور بالواسطہ والوں سے لی ہے۔ اور اس سے فرق بھی کیا پڑتا ہے، سلسلہ روایت کی کسی کڑی کا راوی بھی غلط عقیدہ کا ہوگا تو وہ ساری ہی روایت گر جائے گی۔

درحقیقت اس بارے میں بھی ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ کا ہی فیصلہ زیادہ صحیح ہے کہ امام بخاری نے نہ معلوم کس مصلحت اور جذبہ کے تحت سارا تشدد اور زور صرف کتاب الایمان میں لگایا اور وہاں وہ کسی طرح بھی نرم نہیں ہوئے کہ اعتدال کی صورت بن جاتی، لیکن ۲۷ ویں پارہ میں جا کر ص۱۰۰۲ ''باب ما یکرہ من لعن شاب الخمر'' قائم کر دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر عقیدہ درست ہو تو کبائر معاصی مشرب خمر وغیرہ کی وجہ سے بھی ملت سے خارج نہ ہوگا کتاب الایمان میں اس کو نہیں لائے تھے،

امام بخاریؒ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ پر سو جان سے قربان ہیں اور ایسے ہی عبدالرحمٰن بن مہدی اور اسحٰق بن راہویہ وغیرہ مگر امام صاحب کی سودح میں سے ایک بھی ان میں سے کسی کے دل میں جگہ نہ پا سکی، اس کے برخلاف عبدالرحمٰن بن مہدی، حمیدی، نعیم خزاعی جیسے معاندین امام اعظم کی ایک ایک بات کا اثر قبول کر لیا تھا۔ اور بقول حضرت شاہ صاحبؒ صحیح بخاری میں تو کچھ رعایت بھی کی ہے اپنی دوسری تالیفات (رسالہ رفع یدین ورسالہ قراءۃ خلف الامام وغیرہ) میں تو غیر موزوں کلمات استعمال کئے ہیں۔ واللہ المستعان۔

باب اقامة الصف من تمام الصلوٰة

(صف کا درست کرنا نماز کا پورا کرنا ہے)

۶۸۳: حدثنا عبدالله بن محمد قال نا عبدالرزاق قال انا معمر عن همام عن ابی هريرة عن النبی صلے الله عليه وسلم قال انما جعل الامام ليوتم به فلاتختلفوا عليه فاذا ركع فاركعوا واذاقال سمع الله لمن حمده' فقولوا ربنا لک الحمد واذاسجدفاسجدوا واذاصلیٰ جالساً فصلوا جلوساً اجمعون واقيموا الصف فی الصلوٰة فان اقامة الصف من حسن الصلوٰة

۶۸۴: حدثنا ابو الوليد قال ناشعبة عن قتادة عن انس عن النبی صلے الله عليه وسلم قال سووا صفوفكم فان تسوية الصفوف من اقامة الصلوٰة

ترجمہ۶۸۳: حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا امام اس لئے بنایا گیا ہے، کہ اس کی اقتدا کی جائے، لہٰذا اس سے اختلاف نہ کرو، جب وہ رکوع کرے، تو تم لوگ بھی رکوع کرو، اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم لوگ ربنا لک الحمد کہو اور جب وہ سجدہ کرے، تو تم لوگ بھی سجدہ کرو، اور جب وہ بیٹھ کر پڑھے تو تم لوگ بیٹھ کر پڑھو، اور نماز میں صف کو درست کرو اس لئے کہ صف کا درست کرنا نماز کی خوبی کا ایک جز ہے۔

ترجمہ ۶۸۴: حضرت انسؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔اپنی صفوں کو برابر کرو۔کیونکہ صفوں کو برابر کرنا نماز کے درست کرنے کا جز ہے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔امام بخاریؒ نے حدیث نبوی کے الفاظ ہی سے ترجمۃ الباب بنایا ہے اور امام راغبؒ نے تمام و کمال میں فرق کیا ہے کہ تمام کا اطلاق اجزاء میں ہوتا ہے اور کمال کا اوصاف میں۔اس فرق سے ابن حزم کا استدلال صحیح ہوسکتا ہے مگر میں کہتا ہوں کہ اوصاف بھی بعض اوقات اپنی اہمیت کی وجہ سے اجزاء کا حکم لے لیتے ہیں اور یہاں ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ صف ٹیڑھی کرنے والے کی نماز باطل نہیں قرار دی گئی۔اسی لئے اس کو اعادہ کا حکم نہیں دیا، پھر یہ کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اقامت صلوٰۃ نماز کے علاوہ کوئی چیز ہے اسی لئے صلوا اور اقیموا الصلوٰۃ میں فرق کیا گیا ہے لہٰذا ابن حزم کا تسویہ صف اور اقامۃ صلوٰۃ کو فرض قرار دینا صحیح نہ ہوا (انہوں نے کہا کہ نماز فرض ہے لہٰذا جو فرض کا جز ہے وہ بھی فرض ہوا) اس کی پوری وضاحت بیضاوی وغیرہ نے کردی ہے۔

ابن حزم وشوکانی کا ذکر

حافظ نے لکھا کہ ابن حزم نے افراط کی کہ صف ٹیڑھی کرنے والے کی نماز کو باطل ٹھیرایا ہے۔جبکہ بخاری کی حدیث الباب میں من حسن الصلوٰۃ کا لفظ ہے اور حسن شئی تمام سے زائد پر دال ہوتا ہے، بلکہ ابن دقیق العید نے کہا کہ عرف میں تمام شئی بھی حقیقت پر زائد ہوتا ہے۔ (فتح ص۱۴۳/۲) علامہ قسطلانی نے کہا کہ (سب سے الگ ہوکر) ابن حزم نے وعید مذکور کی وجہ سے بھی بطلان کا حکم کیا، حالانکہ یہاں وعید تغلیظ وتشدید کے لئے ہے۔(لامع ص۶۷۹/۱)

اس موقع پر حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ ابن حزم اور شوکانی جیسے لوگوں سے، بہت ضرر پہنچا ہے امت کو اور ان سے اغلاط فاحشہ ہوئی ہیں۔

باب اثم من لم یتم الصفوف

(اس شخص کا گناہ جو صفیں پوری نہ کرے)

۶۸۵: حدثنا معاذ بن اسد قال انا الفضل بن موسیٰ قال انا سعید بن عبید ن الطآئی عن بشیر بن یسار الانصاری عن انس بن مالک انہ' قدم المدینۃ نقیل لہ' مآانکرت منا منذیوم عھدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما انکرت شیئاالاانکم لاتقیمون الصفوف وقال عقبۃ بن عبید عن بشیر بن یسار قدم علینا انس ن المدینۃ بھٰذا

ترجمہ ۶۸۵: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ جب وہ مدینہ میں آئے تو ان سے کہا گیا کہ آپ نے ہم میں کون سی بات اس کے خلاف پائی، جو آپ نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں دیکھی تھی؟ تو انھوں نے کہا کہ میں نے بجز اس کے کوئی چیز خلاف نہیں پائی کہ تم صفیں درست نہیں کرتے ہو، اور عقبہ بن عبید نے بشیر بن یسار سے اس کو یوں روایت کیا، کہ ہم لوگوں کے پاس جب حضرت انسؓ مدینہ آئے الخ

تشریح: حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے حاشیہ لامع ص۶۷۹/۱ میں لکھا:"تسویہ صف ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالک وشافعی کے نزدیک نماز کی سنتوں میں سے ہے، اور شرط صحت صلوٰۃ نہیں ہے اگر اعتراض کیا جائے کہ امر تو وجوب کے لئے ہے، خصوصاً جبکہ ترک پر وعید بھی وارد ہو، تو جواب یہ ہے کہ وعید بطور تغلیظ وتشدید کے ہے، تاکیداً او تحریضاً علی فعلھا قالہ الکرمانی، اور علامہ عینیؒ نے اس پر تعقب کیا ہے اور کہا کہ امر مقرون بالوعید وجوب پر دلالت کرتا ہے۔لہٰذا یہ کہنا چاہئے کہ تسویہ واجب تو ہے مگر واجبات صلوٰۃ سے نہیں ہے کہ اس کے ترک سے فساد صلوٰۃ کا حکم ہو، البتہ اس کے ترک سے گناہ لازم آئے گا، اس لئے حافظ نے بھی کہا کہ وجوب مانتے ہوئے بھی

نماز اس کے ترک پر بھی صحیح ہو جائے گی اور ابن حزم کا دعوائے بطلان صلوٰۃ اور عدم وجوب پر اجماع کو چیلنج کرنا ان کا حد سے بڑھنا ہے۔اور حضرت عمرؓ کے اور بلال کے تشدد و تعزیر سے بھی ان کا استدلال درست نہیں کیونکہ ممکن ہے وہ ترک سنت پر تعزیر کو جائز سمجھتے ہوں''

علامہ عینیؒ نے حافظ ابن حجر کے اس جواب پر نقد کیا کہ ان کے کلام میں تناقض ہے، کیونکہ انھوں نے گناہ کو صرف ترک واجب پر مانا تھا، لہٰذا ترک سنت پر گناہ نہ ہوگا اور وہ تعزیر کا مستحق بھی نہ ہوگا۔اس لئے بہتر یہی ہے کہ حضرت عمر و بلالؓ کی تعزیر کو ترک امر پر ہی محمول کریں جس کا ظاہر وجوب ہے اور اس طرح ترک پر وعید کا استحقاق بھی درست ہو جائے گا (عمدہ ص۷۹۳/۲)

اس تفصیل سے یہ بھی واضح ہوا کہ علامہ عینیؒ اتمام صف اور تسویہ صف کو نہ صرف سنت مؤکدہ بلکہ قریب واجب کے قرار دیتے ہیں اور حافظ ابن حجر صرف سنت کے درجہ میں رکھتے ہیں۔حالانکہ اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ کا مسلک متحد ہے۔واللہ اعلم

افسوس ہے کہ اس موقع پر بعض امالی بخاری کی عبارت متن و حاشیہ میں مطلب خبط ہو گیا ہے اس لئے ہم اس کو منقح کرتے ہیں۔

حضرت انسؓ سے نماز کے بارے میں مختلف اوقات میں تین مرتبہ تنبیہ نقل ہوئی ہے، جن کا ذکر بخاری میں ہے، (۱) ص۷۸ باب وقت العصر میں اس طرح ہے کہ حضرت ابوامامہؓ نے بیان کیا ہم نے ظہر کی نماز حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ساتھ پڑھی، پھر حضرت انسؓ کی خدمت میں گئے تو دیکھا کہ آپ عصر کی نماز پڑھ رہے تھے، میں نے عرض کیا آپ نے یہ کون سی نماز پڑھی، فرمایا عصر کی اور ایسے ہی وقت پر ہم نے حضور علیہ السلام کے ساتھ بھی نماز پڑھا کرتے تھے؟ گویا تاخیر ظہر پر نکیر کی کہ ایسے وقت پر نہ پڑھی جائے کہ عصر کا وقت آجائے (حضرت عمر بن عبدالعزیز اس وقت امیر مدینہ تھے)

(۲) ص۱۰۰ باب اثم من لم یتم الصفوف میں ہے کہ حضرت انسؓ بصرہ سے مدینہ طیبہ آئے تو ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے حضور علیہ السلام کے زمانہ کے لحاظ سے اس زمانہ میں کون سی بات اوپری دیکھی ہے؟ فرمایا اور تو کوئی خاص بات نہیں البتہ یہ کہ تم لوگ صفوں کو سیدھا نہیں کرتے۔

(۳) ص۷۶ باب فی تضییع الصلوٰۃ عن وقتہا میں ہے کہ زہری بیان کرتے ہیں میں حضرت انسؓ کی خدمت میں دمشق حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ رو رہے ہیں، میں نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا جو باتیں میں نے حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں دیکھی تھیں، اب ان میں سے بظاہر نماز رہ گئی ہے لیکن وہ بھی ضائع کر دی گئی (یعنی ناوقت پڑھی جانے کے سبب سے)

اسی باب کی پہلی حدیث میں اس طرح ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ مجھے تو اب کوئی بات حضور علیہ السلام کے عہد مبارک کی باقی نہیں معلوم ہوتی، عرض کیا گیا کہ نماز تو ہے اس پر فرمایا کہ نماز میں بھی تم نے کیا کچھ گڑبڑ نہیں کر دی ہے؟!

علامہ عینیؒ نے لکھا کہ ضائع کرنے کا مطلب مہلب نے تو وقت مستحب سے مؤخر کرنا بتلایا ہے اور کچھ دوسرے حضرات نے بھی ان کے اتباع میں یہی مطلب لیا ہے، لیکن میرے نزدیک زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ وقت شرعی سے نکال کر مؤخر کرنا مراد ہے۔کیونکہ حضرت انسؓ نے یہ بات اس وقت فرمائی تھی جب ان کو معلوم ہوا تھا کہ حجاج اور ولید بن عبدالملک وغیرہ نماز کو وقت سے مؤخر کر کے پڑھتے تھے، پھر علامہ عینیؒ نے اس بارے میں تاریخی واقعات استدلال میں ذکر کئے ہیں اور لکھا کہ حضرت ابن مسعودؓ سے آیت **فخلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلوٰۃ** کی تفسیر میں وارد ہے کہ ان لوگوں نے نمازوں کو ان کے مقررہ اوقات سے مؤخر کر دیا تھا اور نمازیں غیر وقت میں پڑھتے تھے۔

علامہ عینیؒ نے یہ بھی لکھا کہ حضرت انسؓ نے دمشق کا سفر اس لئے کیا تھا کہ وہ والی عراق حجاج کی شکایت خلیفہ وقت ولید بن عبدالملک سے کریں۔ (عمدہ ص۵۲۱/۲، ۵۲۲/۲)

ترتیب زمانہ کے لحاظ سے اور نمازوں میں جو بگاڑ رفتہ رفتہ آتا رہا اور بڑھتا گیا، اس کی رعایت سے بھی ہم نے اوپر نمبر قائم کر دیئے ہیں اگرچہ بخاری میں ابواب و تراجم کے تحت تینوں امور مقدم و مؤخر ہو کر درج ہوئے ہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم

(نوٹ) واضح ہو کہ یہ پوری تفصیل فتح الباری اور عمدۃ القاری کو سامنے رکھ کر کی گئی ہے۔اور ان کے مطالعہ پر ہی واضح ہوا کہ امالی

میں غلطی ہوگئی ہے، اگر تالیف کے وقت ان کا مطالعہ کرلیا جاتا تو نہ غلطی ہوتی، اور نہ استدراک کی ضرورت پیش آتی۔ کما لایخفی.

انوارالباری کا مقصد یہی ہے کہ اکابرامت اور حضرت شاہ صاحب کے افادات عالیہ منقح ہوکر سامنے آجائیں اور حضرتؒ کے امالی میں جو بکثرت اغلاط، قلتِ حفظ وضبط یا عدمِ مراجعت اصول کے سبب سے حضرتؒ یا دوسرے اکابر کی طرف منسوب ہوگئی ہیں ان کی تصحیح ہو جائے۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

باب الزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم فی الصف وقال النعمان بن بشیر رایت الرجل منایلزق کعبہ' بکعب صاحبہ

(صف کے اندر شانہ کا شانہ سے'اور قدم کا قدم سے ملانے کا بیان'اور نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ہرشخص ہم میں سے اپنا ٹخنہ اپنے پاس والے آدمی کے ٹخنے سے ملادیتا ہے)

۶۸۶: حدثنا عمرو بن خالد قال نازھیر عن حمید عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اقیموا اصفوفکم فانیٓ راکم من ورآء ظھری وکان احدنا یلزق منکبہ' بمنکب صاحبہ وقدمہ' بقدمہ

ترجمہ: حضرت انسؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔ اپنی صفوں کو درست کرلیا کرو، کیونکہ میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے (بھی) دیکھتا ہوں، اور ہم میں سے ہرشخص اپنا شانہ اپنے پاس والے کے شانے سے اور اپنا قدم اس کے قدم سے ملادیتا تھا۔

تشریح: یہ الزاق المنکب کا عنوان جو بخاری میں ہے، ترمذی وغیرہ میں نہیں ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ فقہائے اربعہ اور جمہور کے یہاں الزاق سے مراد یہ ہے کہ درمیان میں فرجہ نہ ہو، اور اس کو صرف غیر مقلدوں نے حقیقت پر محمول کیا ہے، اور وہ نماز جماعت میں اس کا بڑا اہتمام کرتے ہیں، اور اس طرح تکلف کر کے اپنے دونوں پیروں کے درمیان اتنا فاصلہ کر کے کھڑے ہوتے ہیں کہ دوسرے قریبی نمازی کے قدموں سے مل جائیں، اس طرح وہ تکلف وتصنع کر کے اوضاع طبیعیہ اور ہیئت وصورت مناسبہ محمودہ کو بگاڑ دیتے ہیں۔ جو نماز کے ظاہری حسن وحالت خشوع کے بھی خلاف ہوتا ہے، اس کو وہ لوگ تمسک بالسنہ کا نام دیتے ہیں، جبکہ اصحاب مذاہب اربعہ اور متقدمین کے یہاں اس طرح کا معمول نہیں تھا اور تعامل سلف وتوارث بہت بڑی حجت ہے۔ اور وہ الزاق کا مطلب صرف ٹخنوں اور مونڈھوں کی برابری اور قرب کو سمجھتے تھے تاکہ صف سیدھی ہو اور دو نمازیوں کے درمیان خالی جگہ نہ رہے۔

رہا یہ کہ خود نمازی اپنے دو قدموں کے درمیان کتنا فاصلہ کرے، یہ نمازی کے حالت پر ہے کہ وہ سہولت کے ساتھ بلا تصنع وتکلف کے اس طرح کھڑا ہو جس سے خشوع وتذلل ظاہر ہو، نسائی باب الصف بین قدمیہ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز میں دونوں قدم ملاکر کھڑا ہے، فرمایا اس نے سنت کو چھوڑ دیا، اگر یہ مراوحہ کرتا تو مجھے اچھا لگتا کہ دونوں پیروں میں کچھ فاصلہ کر کے آرام و اطمینان کے ساتھ کھڑا ہوتا، لہٰذا سنت یہ معلوم ہوئی کہ نہ دونوں پاؤں کو ملاکر کھڑا ہو اور نہ بہت چوڑا کر کھڑا ہو۔

حافظ نے فتح الباری ص۱۴۴/۲ میں لکھا کہ حدیث الباب میں الزاق سے مقصود تعدیل صف وسد الخلل کے لئے مبالغہ ہے۔ چنانچہ دوسری احادیث میں ہے کہ صفوں کو سیدھا کرو اور مونڈھوں کو ایک سیدھ میں رکھو۔ درمیان میں جگہ نہ چھوڑو کہ شیطان دراندازی کریں! عمدہ ص۹۴/۱۷ (طبع استنبول) میں بھی یہی مضمون ہے۔ غرض دوسری سب احادیث میں چونکہ حکم نبوی صرف تعدیل صف اور سد الخلل ہی کا ہے اس لئے شارحین حدیث نے الزاق کو راوی مبالغہ پر محمول کیا ہے، چونکہ خود حضور علیہ السلام نے الزاق کا حکم نہیں فرمایا، اس لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے معتدل طریقہ نماز میں کھڑے ہونے کا متعین فرمادیا جو منفرد ومقتدی دونوں کے لئے یکساں ہے۔

فائدہ فقہیہ: ہماری کتب فقہ حنفیہ کبیری وشامی وغیرہ میں دو قدموں کے درمیان فاصلہ چار انگشت کا لکھا ہے کہ اس طرح کھڑے ہونے میں کوئی تکلف وتصنع نہ ہونے کی وجہ سے خشوع ودل جمعی حاصل ہوگی، اور بحر وشامی میں یہ بھی ہے کہ اگلی صف میں جگہ خالی ہو تو اس کو پر کرے خواہ پچھلی صف کے نمازی کے آگے سے گذرنا پڑے یا تخطی رقاب کرنی پڑے کہ اس صورت میں دونوں کا جواز ہے۔ کیونکہ خود ان لوگوں نے ہی اگلی صف پوری نہ کر کے اس مرور وتخطی کا موقع دے کر اپنی نمازوں کا احترام ساقط کر دیا ہے۔ (معارف السنن للبنوری ص ۳۰۰/۲)

افادۂ انور: اس موقع پر حضرتؒ نے فرمایا کہ محدثین ہر جگہ اسناد سے بحث کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کس نے کس سے اور تعامل کو بالکل نہیں دیکھتے، یہی بخاری کو پیش آیا کہ اہل کوفہ کا ترک رفع یدین تواتر کو پہنچا مگر اسنادیں وافر نہ ہونے کی وجہ سے نا قابل عمل ٹھیرا دیا۔ اس لئے جہاں اسناد میں نفع ہے، نقصان بھی ہے، جہاں تعامل وغیرہ موجود ہو اور اس سے فیصلہ ہو سکے تو وہاں اسناد بے ضرورت ہے۔

اسی لئے میں کہتا ہوں کہ کعب کو کعب سے ملانا اور وضع یدین علے الصدر ہر دو چیزیں بے اصل ہیں، کیونکہ تعامل سے رد ہیں، ۲۰ سال پہلے یہ حکم لگا چکا تھا کہ نماز میں وضع یدین علے الصدر بدعت ہے۔ اب کتاب المسائل لابی داؤد میں بھی دیکھا کہ ابو داؤد نے امام احمد سے دریافت کیا کہ وضع الیدین علے الصدر کیا ہے؟ تو فرمایا کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے، اس کتاب میں امام ابو داؤد نے جو امام احمدؒ سے مسائل فقہیہ میں سوالات کئے ہیں وہ اور ان کے جوابات درج ہیں، اتنا لکھنے کے بعد خیال ہوا کہ اس موقع پر سینہ پر ہاتھ باندھنے کے مسئلہ کی بحث بھی دیکھ لی جائے، کیونکہ ہمارے زمانے کے غیر مقلدین کو جہاں پاؤں چوڑا کر ـــــ نماز میں کھڑے ہونے کے مسنون ہونے پر غیر معمولی کدو اصرار ہے اور اس کو انھوں نے اپنا امتیاز وصف بنالیا ہے، وہیں وہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کو سب سے زیادہ صحیح واحق خیال کرتے ہیں، چنانچہ تحفۃ الاحوذی اور مرعاۃ میں یہ مضمون پڑھا، اور ان کے بلند بانگ دعوے بھی پڑھے کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کے دلائل ہی سب سے زیادہ قوی ہیں، کئی ورق میں لمبی بحث کی ہے (ملاحظہ ہو تحفہ ص ۲۱۳/۱ تا ص ۲۱۷/۱) حالانکہ امام ترمذی نے صرف اتنا لکھا تھا کہ اہل علم صحابہ وتابعین اور ان کے بعد کے حضرات ومراعاۃ ص ۵۵۶/۱ تا ص ۵۵۸/۱) میں سے بعض ناف کے اوپر ہاتھ باندھتے تھے اور بعض نیچے، ان دو مسلکوں کے علاوہ اور کوئی مذہب ہی نہ تھا لیکن انھیں کیا خبر تھی کہ صدیاں گذرنے کے بعد ایک طبقہ ایسا بھی پیدا ہوگا جو تیسری شکل نکالے گا اور اپنے زعم میں اسی کو حق واحق ثابت کر کے رہے گا، پھر امام ترمذی نے یہ بھی لکھا تھا کہ یہ کوئی اہم، خلاف واختلاف نہیں ہے، ہر صورت کی گنجائش سب کے نزدیک ہے۔

زیادہ بحث وتحقیق تو اپنے مقام پر آئے گی، ایک ضروری بات یہاں بھی عرض کرنی ہے، جو فائدہ سے خالی نہیں کہ نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث صحیح ابن خزیمہ میں ہے، جس کے دو راوی ضعیف ہیں، اس لئے صاحب تحفہ ومرعاۃ دونوں نے اس کو صحیح وقوی ثابت کرنے کی پوری سعی کی ہے۔ صحیح ابن خزیمہ خدا کا شکر ہے اب مکہ معظمہ سے شائع ہو رہی ہے حیرت ہے کہ سعودی دور حکمت میں مکہ معظمہ سے شائع ہونے والی کتاب میں اس ضعیف حدیث کی نہ صرف صحت بلکہ حاشیہ میں قوت بھی بتلائی گئی ہے جبکہ امام احمدؒ اس کو بے اصل فرما چکے ہیں اور محدث ابن المنذر نے بھی کہا کہ اس بارے میں نبی اکرم ﷺ سے کوئی چیز ثابت نہیں ہے۔ (انوار المحمود ص ۲۶۸/۱) اور علامۂ محدث ابو الطیب مدنی نے شرح ترمذی میں فرمایا کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی نے بھی سینے پر ہاتھ باندھنے کو اختیار نہیں کیا ہے (معارف ص ۴۳۶/۲) اسکا مطلب یہ ہوا کہ دور متقدمین کے لحاظ سے اب ساری قدریں ہی بدل گئیں اور تحقیق کے زاویے بھی نت نئے سانچوں میں ڈھل گئے ہیں، ہر نیا مسلک اپنی برتری واحقیت ثابت کرنے کے لئے کسی بھی صحیح وقوی حدیث کو ضعیف و بے اصل اور بے اصل کو قوی باور کرا سکتا ہے۔

واضح ہو کہ امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری، اسحٰق بن راہویہ اور ابو اسحٰق مروزی شافعی تحت السرہ ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں، امام شافعی فوق السرہ، تحت الصدر کے قائل ہیں، ابن ہبیرہ نے مشہور روایت امام احمدؒ سے بھی امام ابو حنیفہ کے موافق نقل کی ہے، اور دوسرے دلائل کے علاوہ حنفیہ کے لئے مصنف ابن ابی شیبہ کے آثار بھی ہیں۔ اس میں یہ جھگڑا پڑ گیا کہ کسی قلمی نسخہ میں وہ تھے کسی میں نہیں۔ اس لئے اہل حدیث

حضرات کوموقع ملا اورانھوں نے بعض حنفی علماء کے اقوال بھی پیش کر دیئے کہ انھوں نے بھی قلمی نسخہ میں نہیں پائے۔اس سلسلے میں ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے ارشادفرمایا کہ ابوالطیب سندی نے شیخ عبدالقادر کے مکتبہ کے نسخہ میں اس کوموجود پایااورعلامہ قاسم بن قطاء بغاء نے بھی جومسلم جلیل القدر حافظ حدیث ہیں بتلایا کہ یہ آثار مصنف کے قلمی نسخہ میں موجود ہیں، لہٰذاان سے انکارنہیں کیا جا سکتا ہے(العرف ص۱۶۳)راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ قلمی نسخوں میں حذف والحاق اور کاتبوں و ناقلوں کی اغلاط ومسامحات بہ کثرت رہی ہیں اوراب خدا کا شکر ہے مصنف ابن ابی شیبہ صحیح قلمی نسخوں سے مقابلہ کے بعد پوری صحت کے ساتھ حیدرآباد سے شائع ہورہی ہے اوراس میں ص۳۹۰/ا و ص۳۹۱/امیں تین جگہ تحت السرہ کی تصریح موجود ہے جن میں ایک قول حضرت علیؓ کا بھی ہے جو بحکم مرفوع ہے۔

باب اذا قام الرجل عن يسار الامام وحوله الامام خلفه الیٰ يمينه تمت صلوته

(اگرکوئی شخص امام کے بائیں طرف کھڑاہوااورامام اس کواپنے پیچھے سے اپنے دائیں طرف سے آئے تواس کی نماز صحیح ہوجائے گی)

۶۸۷: حدثنا قتيبة بن سعيدؒ قال نادادٗد عن عمرو بن دينار عن كريب مولي ابن عباس عن ابن عباس قال صليت مع النبي صلے الله عليه وسلم ذات ليلة فقمت عن يساره فاخذ رسول الله صلے الله عليه وسلم براسي من ورآئي فجعلني عن يمينه فصلي ورقد فجآء ه المؤذن فقام يصلي ولم يتوضأ

ترجمہ۶۸۷: حضرت کریب(ابن عباسؓ کے آزادکردہ غلام)حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک شب نبی کریم ﷺ کے ہمراہ نماز(تہجد)پڑھی،تو میں(ناواقفیت کی وجہ سے)آپ کے بائیں جانب کھڑاہوگیا،رسول خدا ﷺ نے میراسرمیرے پیچھے سے پکڑ کر مجھے (اپنی دائنی جانب کرلیااورآپ نے نماز پڑھی اورسورہے پھرآپ کے پاس موذن آیاتو آپ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوگئے اوروضونہیں کیا۔

تشریح: حضرت ابن عباسؓ کی یہ حدیث ص۹۷ میں بھی کچھ فرق کے ساتھ آچکی ہے،حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ وہاں امام ومقتدی کا اصل مقام بتلانا مقصود تھااورتحویل کا مسئلہ ضمناً آیا تھا،یہاں یہی مقصود ہے،یاوہاں مقصود عمل قلیل وکثیر کا بیان تھا،اور یہاں یہ کہ نماز پوری ہوگئی،اگرچہ کچھ حصہ نماز کا خلاف ترتیب موضع مقتدی بھی ہوا،امام بخاریؒ تھوڑی تھوڑی باریکیوں کا خیال فرما کرتراجم وعنوانات بدل کراحادیث بکثرت لاتے ہیں۔

باب المراة وحدها تكون صفاً

تنہاعورت(بھی)ایک صف(کی طرح)ہے

۶۸۸: حدثنا عبدالله بن محمد قال ثنا سفين عن اسحاق عن انس بن مالک قال صليت انا ويتيم في بيتنا خلف النبي صلے الله عليه وسلم و امي خلفنا ام سليم

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے،اورایک یتیم بچے نے اپنے گھر میں رسول خدا ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی،تو میری ماں ام سلیمؓ ہم سب کے پیچھے تھیں۔

تشریح: فقہ میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر نابالغ لڑکا ایک ہوتو وہ بالغوں کے ساتھ صف میں کھڑا ہو،زیادہ ہوں تو بالغوں کی صف کے پیچھے کھڑے ہوں ان کی صف میں کھڑے ہوں گے تو کراہت ہوگی،لیکن عورت کی جگہ خواہ وہ ایک ہو یا زیادہ مردوں کی صف کے پیچھے ہی ہے اوراسی لئے ہمارے امام اعظمؒ نے کہا کہ عورت کا مرد کے برابر کھڑے ہوکر نماز پڑھنا مفسد صلوٰۃ ہے،کیونکہ اس کے لئے مردوں کے برابر کھڑے ہونے کی کوئی مشروع صورت نہیں ہے،حضرتؒ نے فرمایا کہ ایسی چیزوں کا فیصلہ شریعت مطہرہ کا مزاج پہچاننے والے ہی کرسکتے ہیں،ومن لم يذق لم يدر خودامام بخاریؒ نے بھی آخرکتاب الاذان(ص۱۲۰)میں باب صلوٰة النساء خلف الرجال قائم کیا ہے اور یہاں سے

بھی معلوم ہوا کہ عورت کا مقام نماز جماعت میں کیا ہے، اسی سے ترتیب سمجھ کر حنفیہ نے اوپر کے مسائل نکالے ہیں۔

یہ تحقیق غالباً حضرت تھانویؒ کے افادات میں کہیں دیکھی ہے۔ لہٰذا مزید تحقیق و توثیق کر دی جائے تو بہتر ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ نزول رحمت بھی اسی ثواب والی ترتیب کے موافق ہو۔ یہ نہ ہو کہ وہ پہلے سارے داہنی طرف والوں کے لئے ہو اور پھر سب بائیں جانب والوں کے لئے۔ کیونکہ قرب امام والی فضیلت بظاہر اس میں بھی مرعی ہوگی۔

غرض رحمت و ثواب ہر دو انعامات کی تقسیم مطابق وحی نبوی ہونی چاہیے۔ و الله تعالی اعلم و علمه اتم

باب ميمنة المسجد و الامام

(مسجد اور امام کی داہنی جانب کی رعایت)

۶۸۹: حدثنا موسىٰ قال نا ثابت بن يزيد نا عاصم عن الشعبي عن ابن عباسؓ قال قمت ليلة اصلي عن يسار النبي صلى الله عليه وسلم فاخذ بيدي او بعضدي حتىٰ اقامني عن يمينه وقال بيده من ورآئ

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شب نماز (تہجد) پڑھنے کے لئے میں نبی کریم ﷺ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا، تو آپ نے میرا ہاتھ یا میرا شانہ پکڑ کر مجھے اپنی داہنی جانب کھڑا کر لیا۔ اور اپنے ہاتھ سے میرے پیچھے سے اشارہ کیا۔

تشریح: امام بخاریؒ نے مسجد کی داہنی جانب بھی امام کے اعتبار سے متعین کی ہے، یعنی دونوں کا میمنہ ایک قرار دیا، حضرتؒ نے فرمایا: اس مسئلہ کی طرف فقہاء نے تعرض نہیں کیا کیونکہ اس کی ضرورت نہ تھی البتہ حدیث والوں کو اس کی ضرورت ہے، کیونکہ حدیث میں وارد ہوا رحمت خداوندی نماز کے وقت اولاً امام پر اترتی ہے، پھر ان لوگوں پر جو اس کے دائیں جانب نماز میں ہوتے ہیں، پھر اس کے بعد بائیں جانب کے نمازیوں پر اترتی ہے۔

یہ تو نزول رحمت کی کیفیت ہوئی، اور ثواب کی زیادتی و کمی کا انحصار امام کے قریب کے ساتھ دائیں بائیں کی رعایت سے ہوتا ہے، مثلاً سب سے زیادہ ثواب اقرب الی الامام ہونے کی وجہ سے امام کے پیچھے والے مقتدی کے لئے ہوگا۔ پھر اس کے لئے جو اس پیچھے والے کی دائیں جانب ہوگا، کیونکہ دوسرے نمبر پر وہ قریب بھی ہے اور دائیں جانب بھی، تیسرے نمبر پر ثواب اس کے لئے ہوگا جو پیچھے والے کی بائیں جانب ہو گا کیونکہ وہ بہ نسبت ص ۲ کے یمین والے کے اقرب الی الامام ہے۔ پھر چوتھے نمبر پر زیادہ ثواب داہنی جانب والے دوسرے مقتدی کے لئے اور پانچویں نمبر پر بائیں طرف کے دوسرے کے لئے۔ اور پھر اسی طرح دائیں بائیں والے مقتدیوں کو کم و بیش ہو کر ملے گا= واللہ تعالیٰ اعلم

باب اذا كان بين الامام و بين القوم حائط او سترة وقال الحسن لاباس ان تصلي و بينك و بينه نهر وقال ابو مجلز تاتم بالامام وان كان بينهما طريق او جدار اذا سمع تكبير الامام

اگر امام اور لوگوں کے درمیان کوئی دیوار یا سترہ ہو؟ اور حسن بصری کا قول ہے کہ اگر تمہارے اور امام کے درمیان نہر حائل ہو تو بھی اقتدا کرو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور ابو مجلز کہتے ہیں کہ امام کی اقتدا کر لے اگر چہ دونوں کے درمیان میں کوئی راستہ یا دیوار ہو، بشرطیکہ امام کی تکبیر سن لے۔

۶۹۰: حدثنا محمد بن سلام قال نا عبدة عن يحيىٰ بن سعيدن رالانصاري عن عمرة عن عآئشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي من الليل في حجرته و جدار الحجرة قصير فراى الناس شخص النبي صلى الله عليه وسلم فقام اناس يصلون بصلوته فاصبحوا فتحدثوا بذلك فقام الليلة الثانية

فقام معه' اناس یصلون بصلوته ضعوا ذلک لیلتین او ثلثا حتیٰ اذا کان بعد ذلک جلس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فلم یخرج فلما اصبح ذکر ذٰلک الناس فقال انی خشیت ان تکتب علیکم صلوٰة اللیل

ترجمہ: حضرت عائشہؓ روایت کرتی کہیں کہ رسول خدا ﷺ نماز شب اپنے حجرے میں پڑھا کرتے تھے اور حجرے کی دیوار چھوٹی تھی تو لوگوں نے نبی کریم ﷺ کا جسم دیکھ لیا، اور کچھ لوگ آپ کی نماز کی اقتدا کرنے کھڑے ہو گئے، جب صبح ہوئی، تو انھوں نے اس کا چرچا کیا، پھر دوسری رات کو آپ کھڑے ہو گئے دو رات، یا تین رات لوگوں نے یہی کیا، یہاں تک کہ جب اس کے بعد رات ہوئی تو رسول خدا ﷺ بیٹھ رہے، اور نہیں نکلے، صبح کو لوگوں نے اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا مجھے یہ خوف ہو گیا کہ (اس التزام کی وجہ سے کہیں) نماز شب تم پر فرض کر دی جائے۔

تشریح: امام بخاری حدیث الباب سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر امام ومقتدیوں کے درمیان دیوار یا راستہ حائل ہو تب بھی اقتدا درست رہے گی (یہی مالکیہ کا مذہب بھی ہے) اور اس کی تائید آثار وحدیث الباب سے پیش کی حنفیہ کا مسلک اس میں یہ ہے کہ مسجد ساری ایک مکان کے حکم میں ہے، اگر مسجد کے اندر ایسی صورت پیش آجائے کہ امام اور مقتدیوں کے درمیان دیواریں حائل ہوں تو ایک قول تو یہ ہے کہ منفذ شرط ہے کہ اس میں امام کے انتقالات کو دیکھ کر اقتدا کریں۔ دوسرا یہ ہے کہ منفذ شرط نہیں بلکہ صرف انتقالات امام کا علم ہو سکے اتنا کافی ہے مثلاً اس کی یا مکبر کی آواز سن لیں، اسی قول پر فتویٰ بھی ہے۔ اور صحراء میں جماعت ہو تو امام یا اس سے ملحقہ صف سے جدا شدہ صفوف کا بعد تین صف کی مقدار سے کم ہو، اگر اتنا ہو یا زیادہ تو اقتداء درست نہ ہو گی۔ اسی طرح اگر جدا صفوں کے درمیان عام راستہ یا نہر حائل ہو جس پر کشتیاں چلتی ہوں تو اس کو الگ مکان سمجھا جائے گا اور اقتدا صحیح نہ ہو گی۔ امام اوزاعی لیث اور اشہب کا بھی یہی قول ہے، اور اس کے لئے ان کا مستدل حضرت عمرؓ کا اثر ہے کہ جب امام ومقتدی کے درمیان راستہ ہو یا نہر یا دیوار تو اقتدا نہ ہو گی (عمدہ ص ۲/۷۹۸)

قولہ وجدارا لحجرة قصیر، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بعض شارحین نے اس کو مسجد نبوی کا واقعہ قرار دیا ہے اور کہا کہ جدار سے مراد معتکف کی دیوار ہے جو بوریوں کی دیوار تھی، ان کے پاس بھی روایتیں ہیں، (اگلے باب میں ۲-۳ حدیث بعد بخاری میں بھی ہے) میرے نزدیک یہ بہت بڑا مجاز ہے کہ جدار سے مراد بوریوں کی دیوار ہو، اور میری رائے یہ ہے کہ دو واقعے الگ الگ ہوئے ہیں۔

باب صلوٰة اللیل
(نماز شب کا بیان)

۶۹۱: حدثنا ابراھیم بن المنذر قال نا ابن ابی فدیک قال نا ابن ابی ذئب عن المقبری عن ابی سلمة بن عبدالرحمٰن عن عائشة ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم کان له' حصیر یبسطه' بالنهار و یحتجره باللیل فثاب الیه ناس فصفوا وراءه

۶۹۲: حدثنا عبدالاعلےٰ بن حماد قال ناوھیب قال ناموسی بن عقبة عن سالم ابی النضر عن بسر بن سعید عن زید بن ثابت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتخذ حجرة قال حسبت انه' قال من حصیر فی رمضان فصلیٰ فیها لیالی فصلیٰ بصلوته ناس من اصحابه فلما علم بهم جعل یقعد فخرج الیهم فقال قد عرفت الذی رایت من صنیعکم فصلوا ایها الناس فی بیوتکم فان افضل الصلوٰة صلوٰة المرء فی بیته الا المکتوبة وقال عفان نا وھیب قال نا موسیٰ قال سمعت ابا النضر عن بسر عن زید عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم

ترجمہ ۶۹۱: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک چٹائی تھی، جس کو آپ دن میں بچھا لیتے تھے اور رات کو اسی کا پردہ ڈال لیتے تھے، تو کچھ لوگ آپ کے پاس جمع ہونے لگے۔ اور انھوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھنا شروع کر دی۔

ترجمہ۶۹۲: حضرت زید بن ثابتؓ روایت کرتے ہیں رسول خدا ﷺ نے رمضان میں ایک حجرہ بنایا تھا (سعید کہتے ہیں مجھے خیال آتا ہے کہ زید بن ثابت نے یہ کہا تھا کہ وہ چٹائی کا تھا) اور اس میں چند شب آپ نے نماز پڑھی اس کا علم آپ کے اصحاب کو ہوگیا اس لئے انھوں نے، آپ کی نماز کی اقتدا کی، مگر جب آپ کو ان کا علم ہوا، تو آپ بیٹھ رہے، پھر (صبح کو) ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے تمہارا فعل دیکھا، اسے سمجھ لیا (یعنی تم کو عبادت کا شوق ہے) تو اے لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھو، کیونکہ فرض نماز کے علاوہ آدمی کی نمازوں میں افضل نماز وہ ہے جو اس کے گھر میں ہو۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہاں پر امام بخاری کا اس باب کو درمیان میں لے آنا عجیب سا ہے کیونکہ ابھی تو صفت صلوٰۃ کے ابواب آئے بھی نہیں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ بخاری کا انجاز ہے، گذشتہ باب میں چونکہ صلوٰۃ اللیل کا ذکر آگیا تھا، اس لئے یہاں کا مستقل ترجمہ ہی قبل از وقت رکھ دیا کہ ان کی عادت ہے اس طرح ضمنی تراجم وابواب لانے کی۔ اور ممکن ہے گذشتہ باب کی حدیث کے قصہ کی تعیین مقصود ہو کہ یہاں حضور علیہ السلام کے لئے حصیر ہونے کا ذکر ہے، اور شاید بعض شارحین نے اسی سے سمجھا ہو کہ اس واقعہ میں آپ کا حجرہ حصیر (بوریے) کا تھا۔

قولہ فان افضل صلوٰۃ المرء فی بیتہ. فرمایا: شریعت نوافل کو مساجد میں اور فرائض کو گھروں میں پسند نہیں کرتی۔ امام طحاوی کا مختار یہ ہے کہ ایک شخص اگر حافظ ہو تو اس کے لئے افضل یہ ہے کہ تراویح گھر پر پڑھے، ورنہ مسجد میں، حضور علیہ السلام عام طور سے سنتیں بھی گھر پر پڑھتے تھے اور صبح کی سنتیں تو مسجد میں ثابت ہی نہیں، حافظ زین عراقی (شیخ ابن حجر) اور حافظ عینی نے ایک روایت ذکر کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گھر اور مسجد کے ثواب میں وہی نسبت ہے جو جماعت اور تنہا نماز کے ثواب میں ہے، اس حدیث کی اسناد جید ہے۔ علامہ عینی نے کچھ اور احادیث بھی یہاں ذکر کی ہیں، جو بہ نظر افادہ لکھی جاتی ہیں:۔

فضل صلوٰۃ الرجل فی بیتہ علی صلوٰتہ حیث یراہ الناس کفضل المکتوبۃ علی النافلۃ (معجمہ کبیر طبرانی) عمدہ ص ۲/۸۰۳

صلوٰۃ المرء فی بیتہ افضل من صلوٰتہ فی مسجدی ھذا الا المکتوبۃ و اسنادھا صحیح (ابو داؤد)

فعلی ھذا لو صلی نافلۃ فی مسجد المدینۃ کانت بالف صلوٰۃ علی القول بدخول النوافل فی عموم الحدیث و اذا صلاھا فی بیتہ کانت افضل من الف صلوٰۃ. وھکذا حکم مسجد مکۃ و بیت المقدس الخ (عمدہ ص ۲/۸۰۳)

آخر میں علامہ عینی نے لکھا کہ حدیث ابن عمرؓ صلوا فی بیوتکم کے سلسلہ میں جمہور کی رائے قاضی عیاض نے یہ نقل کی ہے کہ نفل نماز میں اخفاء محبوب ہے، پھر بعض کی رائے فرضوں کے لئے بھی یہی نقل کی کہ بعض فرائض بھی گھروں میں ادا کئے جائیں تاکہ جو گھر سے باہر نہیں نکلتے ان کے لئے نماز کی ترغیب ہو، جیسے عورتیں، غلام مریض وغیرہ۔

علامہ نووی کی رائے یہی ہے کہ حدیث ابن عمر میں مراد صرف نوافل ہیں۔ فرائض نہیں۔ گھر میں نوافل کا فائدہ علاوہ اخفا کے یہ بھی ہے کہ اس میں ریا سے دوری ہے اور نماز کا ثواب کم کرنے والی بہت سی چیزوں سے حفاظت ہوگی، گھر میں برکت و رحمت اور فرشتوں کا نزول ہوگا اور شیطان اس گھر سے مایوس و نفور ہوگا۔ (عمدہ ص ۲/۸۰۴)

باب ایجاب التکبیر والافتتاح الصلٰوۃ

(تکبیر تحریمہ کے واجب ہونے اور نماز شروع کرنے کا بیان)

۶۹۳: حدثنا ابو الیمان قال انا شعیب عن الزھری قال اخبرنی انس بن مالک ن الانصاری ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رکب فرساً فجحش شقه الایمن وقال انس فصلی لنا یومئذ صلوٰۃ من الصلوٰۃ وھو قاعد فصلینا ورآءہ قعوداً ثم قال لما سلم انما جعل الامام لیؤتم به فاذا صلے قآئماًفصلوا قیاماً واذا رکع فارکعوا واذارفع فارفعوا واذاسجدفاسجدوا واذاقال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنا ولک الحمد

۶۹۴: حدثنا قتیبة بن سعید قال نا اللیث عن ابن شھاب عن انس بن مالک انه قال خر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عن فرس فجحش فصلی لنا قاعداً فصلینا معه قعوداً ثم انصرت فقال انما الامام لیؤتم به فاذا کبرفکبروا واذا رکع فارکعوا واذارفع فارفعوا واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنا ولک الحمد واذاسجد فاسجدوا

۶۹۵: حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعیب قال حدثنی ابو الزناد عن الاعرج عن ابی ھریرۃ قال قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم انما جعل الامام لیؤتم به فاذا کبرفکبروا واذارکع فارکعوا واذاقال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنا ولک الحمد واذاسجدفاسجدوا واذاصلے جالساً اجلوساً اجمعون

ترجمہ ۶۹۳: حضرت انس بن مالک انصاریؓ روایت کرتے ہیں، کہ رسول خدا ﷺ (ایک مرتبہ) گھوڑے پر سوار ہوئے (اور گر پڑے) تو آپ کی بائیں جانب کچھ زخمی ہوگئی، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اس دن آپ نے کوئی سی نماز ہمیں بیٹھ کر پڑھائی۔ تو ہم نے بھی آپ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی، پھر جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا کہ امام اسی لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، لہٰذا جب وہ کھڑے ہو کر پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر پڑھو، اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، اور جب وہ (سر) اٹھائے تو تم بھی اٹھاؤ، اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو، اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے، تو تم ربنا ولک الحمد کہو۔

ترجمہ ۶۹۴: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں ایک مرتبہ رسول خدا ﷺ گھوڑے سے گر پڑے تو (کچھ بدن آپ کا) چھل گیا، اس وجہ سے آپ نے ہمیں بیٹھ کر نماز پڑھائی تو ہم نے بھی آپ کے ہمراہ بیٹھ کر نماز پڑھی، جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا کہ امام اسی لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، جب وہ (سر) اٹھائے تو تم بھی اٹھاؤ، اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا ولک الحمد کہو۔ اور جب وہ سجدہ کرے، تو تم بھی سجدہ کرو۔

ترجمہ ۶۹۵: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ امام اسی لئے بنایا گیا ہے، کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ لہٰذا جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے، تو تم ربنا ولک الحمد کہو، اور جب وہ سجدہ کرے، تو تم بھی سجدہ کرو۔ اور جب وہ بیٹھ کر پڑھے، تو تم سب بیٹھ کر پڑھو۔

تشریح: محقق عینیؒ نے فرمایا:۔ امام بخاریؒ احکام جماعت واوقات وتسویۂ صفوف کی ۱۲۲۔ احادیث اور ۱۷۔ آثار صحابہ وتابعین کا ذکر کرنے کے بعد اب نماز کی صفت وکیفیت مع جمیع متعلقات کا بیان یہاں سے شروع کر رہے ہیں۔

یہ پہلا باب تکبیر تحریمہ کا ہے۔ جس کے ساتھ نماز شروع ہوگئی ہے۔ اس تکبیر تحریمہ کو امام ابوحنیفہؒ نے شرط صحت صلوۃ قرار دیا ہے، امام مالک،

شافعی واحمدؒ اس کو رکن صلوٰۃ مانتے ہیں، بعض حضرات اس طرف بھی گئے ہیں کہ نماز محض نیت کرنے سے اور بغیر تکبیر تحریمہ کے بھی صحیح ہوجاتی ہے۔

دوسرا اختلاف اس بارے میں یہ ہے کہ کیا تکبیر تحریمہ کا اطلاق صرف ''اللہ اکبر'' پر ہوگا جو امام ابو یوسف، امام مالک، شافعی واحمدؒ فرماتے ہیں۔ یا اس کی جگہ تسبیح تہلیل وغیرہ کلمات تعظیم بھی کافی ہیں، امام ابوحنیفہ وامام محمدؒ کے نزدیک ہر کلمہ تعظیم کے ساتھ نماز صحیح ہوجائے گی، ان حضرات کا استدلال ان احادیث سے ہے، جن میں ہے کہ حضور علیہ السلام نماز کو تکبیر کے ساتھ شروع کرتے تھے، اور ایک حدیث میں اللہ اکبر کہنے کا بھی ذکر ہے، علامہ عینی نے فرمایا کہ تکبیر تو بمعنی تعظیم ہے، جیسے آیت **فلما رأینه اکبرنه** اور **وربک فکبر** وغیرہ میں ہے، لہٰذا جس کلمہ سے حق تعالیٰ کی تعظیم ہوگی، اس سے نماز شروع کرسکتے ہیں، صرف اللہ اکبر کے ساتھ تخصیص کیوں کی جائے، پھر نص قرآنی بھی ہے **و ذکر اسم ربه فصلی**، اس سے بھی معلوم ہوا کہ خدا کے کسی نام سے بھی نماز شروع کرسکتے ہیں لہٰذا **الرحمن اعظم** بھی اللہ اکبر کی طرح جائز ہونا چاہیئے۔ دوسری آیت میں ہے **وللہ الاسماء الحسنی فادعوہ بھا** اور حدیث میں ہے، **امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الٰہ الا اللہ، یا لا الٰہ الا الرحمان** وغیرہ سے ایمان ثابت ہوجاتا ہے جو اسلام کی اصل ہے تو ان سب سے فروع اسلام نماز وغیرہ کیوں صحیح نہ ہوں گی۔ اور سنن ابن ابی شیبہ میں ہے کہ ابوالعالیہ سے سوال کیا گیا کہ انبیاء علیہم السلام کس چیز کے ساتھ نماز کو شروع کرتے تھے؟ تو فرمایا کہ توحید سے اور تسبیح وتہلیل سے، علامہ شعبی ونخعی نے فرمایا کہ خدا کے جس نام سے بھی نماز شروع کی جائے صحیح ہوجائے گی۔ (عمدہ ص ۲/۳)

غرض دوسرے ائمہ کا استدلال اخبار آحاد سے ہے اور امام اعظمؒ کا استدلال نصوص قرآنی ہے، اسی طرح آیت **وربک فکبر** سے بھی مطلق تعظیم ہی نکلتی ہے، اس سلسلہ میں جو دوسرے امور ضمنا بحث طلب ہیں وہ معارف السنن ص ۵۴/۱ تا ص ۷/۴۷ا میں قابل مطالعہ ہیں۔

امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں وجوب تکبیر کا ذکر کیا ہے، اس تکبیر کو بھی بمعنی لغوی تعظیم لے سکتے ہیں، تو حنفیہ کے خلاف نہ ہوگا۔ پھر پہلی حدیث الباب میں تو تکبیر کا بھی ذکر نہیں ہے، تاویل سے ہی مطابقت ترجمہ ہوگی، دوسری وتیسری حدیث میں تکبیر کا حکم ہے، جس سے خاص اللہ اکبر کی فرضیت نہیں نکلے گی۔ البتہ ایجاب وفرضیت سے امام صاحب کے خلاف ہوگا کہ وہ فرض نہیں، شرط کے درجہ میں مانتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ یہاں بھی الفاظ حدیث **انما جعل الامام لیؤتم به** الخ سے اقتداء قائم خلف القاعد کا مسئلہ آئے گا۔ جو دوسری جگہ بھی آیا ہے اور اس مسئلہ میں شافعیہ اور جمہور حنفیہ کے ساتھ ہیں کہ مقتدی تندرست ہوں تو وہ معذور کے پیچھے (جو بیٹھ کر نماز پڑھائے گا) کھڑے ہوکر نماز پڑھیں گے۔ اور ان کے لئے اس امام کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہوگا۔ اس مسئلہ میں امام احمد یہ کہتے ہیں کہ تندرست مقتدیوں کو بھی امام کے اتباع میں نماز بیٹھ کر پڑھنی ضروری وواجب ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ قاعد امام کے پیچھے اقتدا جائز ہی نہیں نہ کھڑے ہوکر نہ بیٹھ کر۔

حضرتؒ نے درمیان کے حالات پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ وہ سب پہلے کے وقتی احکام تھے، اور مصالح پر مبنی تھے، آخر میں مرض وفات میں جو آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور پیچھے مقتدی سب کھڑے تھے، یہی حضور علیہ السلام کا آخری فیصلہ ہے اور اسی کو امام بخاریؒ اور جمہور وحنفیہ سب نے ناسخ مان کر معمول بہ قرار دیا ہے پوری تفصیل فیض الباری ص ۲/۲۴۳ تا ص ۲/۲۵۱ میں دیکھی جائے۔

باب رفع الیدین فی التکبیرۃ الاولیٰ مع الافتتاح سوآءً

(پہلی تکبیر میں نماز شروع کرنے کے ساتھ دونوں ہاتھوں کے اٹھانے کا بیان)

۶۹۶: حدثنا عبداللہ بن مسلمۃ عن مالک عن ابن شھاب عن سالم ابن عبداللہ عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ حذو منکبیہ اذا افتتح الصلوٰۃ واذاکبر للرکوع واذا رفع راسہ من الرکوع رفعھما کذلک ایضاً وقال سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد وکان لا یفعل ذٰلک فی السجود

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھ شانوں کے برابر اٹھاتے، اور جب رکوع کے لئے تکبیر کہتے، اور جب اپنا سر رکوع سے اٹھاتے تب بھی دونوں ہاتھ اسی طرح اٹھاتے، اور سمع اللہ لمن حمدہ ربنا ولک الحمد (دونوں) کہتے (لیکن) سجدے میں یہ (عمل) نہ کرتے تھے۔

تشریح: امام بخاریؒ نے یہاں چار باب قائم کئے ہیں، اور ان کے ماتحت پانچ حدیثیں لائے ہیں، جن میں رفع یدین کا ذکر ہے، اور تین میں ہاتھوں کو پہلی تکبیر پر مونڈھوں تک اٹھانے کا بھی ذکر ہے، پہلے باب میں یہ بھی ثابت کیا کہ تکبیر تحریمہ اور رفع یدین ایک ساتھ ہوں۔

یہاں اگرچہ امام بخاریؒ زیادہ قوت کے ساتھ رفع یدین کا مسئلہ پیش کرنا چاہتے ہیں، اور ضمناً دوسری باتیں بھی آ گئی ہیں، اس لئے ہم پہلے ان ذیلی امور پر روشنی ڈالیں گے، اور آخر رفع یدین پوری بحث لائیں گے۔ ان شاء اللہ

تکبیر تحریمہ اور رفع یدین کا ساتھ

شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک دونوں کی مقارنت اور ایک ساتھ ہونا ہی ہے، حنفیہ تکبیر تحریمہ کی تقدیم کے قائل ہیں اور محدث ابن تیمیہ نے "منتقی" میں شیخین اور ابوداؤد وغیرہ کی طرف، یہ الفاظ منسوب کئے گئے ہیں کہ جب حضور علیہ السلام نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو مونڈھوں تک دونوں ہاتھ اٹھاتے اور پھر تکبیر کہتے تھے، اس سے حنفیہ کی ہی تائید ہوتی ہے، اور روایات کے الفاظ مختلف آئے ہیں، یہاں جو حدیث الباب امام بخاریؒ لائے ہیں، وہ مقارنت وغیرہ سے ساکت ہے، (اوجز ص ۱/۲۰۲) تاہم حافظ اور عینیؒ نے ظاہر حدیث الباب سے اس کو ثابت مان کر مطابقت تسلیم کرلی ہے۔ حافظ و عینی نے حدیث مسلم کا بھی حوالہ دیا ہے، جس میں "رفع یدیہ ثم کبر" وارد ہے وہ تقدیم رفع یدین کے لئے صریح ہے۔ جو حنفیہ کا مختار ہے۔

باب رفع الیدین اذا کبروا اذا رکع واذا رفع

دونوں ہاتھوں کے اٹھانے کا بیان جب تکبیر تحریمہ کئے اور جب رکوع کرے اور جب رکوع سے سر اٹھائے

۶۹۷: حدثنا محمد بن مقاتل قال اخبرنا عبداللہ بن المبارک قال اخبرنا یونس عن الزھری قال اخبرنی سالم بن عبداللہ عن عبداللہ ابن عمر قال رایت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا قام فی الصلوٰۃ رفع یدیہ حتیٰ تکونا حذو منکبیہ وکان یفعل ذٰلک حین یکبر للرکوع ویفعل ذٰلک اذا رفع راسہ من الرکوع ویقول سمع اللہ لمن حمدہ ولا یفعل ذٰلک فی السجود

۶۹۸: حدثنا اسحاق الواسطی قال حدثنا خالد بن عبداللہ عن خالد عن ابی قلابۃ انہ رای مالک بن الحویرث اذا صلے کبر ورفع یدیہ واذا اراد ان یرکع رفع یدیہ واذا رفع راسہ من الرکوع رفع یدیہ وحدث ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صنع ھٰکذا

ترجمہ ۶۹۷: حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ نماز میں اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں شانوں کے برابر تک اٹھاتے، اور جب آپ رکوع کے لئے تکبیر کہتے یہی (اس وقت بھی) کرتے، اور یہی جب آپ (رکوع سے) اپنا سر اٹھاتے (اس وقت بھی) کرتے، اور سمع اللہ لمن حمدہ کہتے (لیکن) سجدہ میں آپ یہ (عمل) نہ کرتے تھے:۔

ترجمہ ۶۹۸: حضرت ابوقلابہ روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے مالک بن حویرث کو دیکھا کہ جب وہ نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے وقت اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع کرنا چاہتے، تو بھی اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے، اور جب رکوع سے اپنا سر اٹھاتے، تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے، اور مالک بن حویرثؓ نے یہ بیان کیا کہ رسول خدا ﷺ نے اسی طرح کیا تھا۔

تشریح: یہاں امام بخاریؒ نے کھل کر ''رفع یدین'' کا باب باندھا ہے، جس کے اثبات اور احقیت کے لئے یہاں سے بھی زیادہ الگ مستقل رسالہ تالیف کر کے پورا زور صرف کیا ہے، اور اس کا نہایت مکمل و مدلل جواب ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی مستقل تالیف میں دیا ہے۔ جس طرح امام بخاریؒ نے ''فاتحہ خلف الامام'' کے مسئلہ پر بھی مستقل رسالہ تالیف کیا اور اس کا بھی نہایت محققانہ و محدثانہ جواب حضرت شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے۔ حضرتؒ کے دونوں رسائل ''نیل الفرقدین فی مسئلۃ رفع الیدین'' اور فصل الخطاب فی مسئلۃ ام الکتاب'' علماء امت کے لئے نہایت گراں قدر علمی ذخیرہ ہیں۔

حضرتؒ نے امام بخاریؒ کا پورا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہوئے ہر جزو کی تحقیق و جواب دہی کی ہے، جو اساتذۂ حدیث کے لئے لائق مطالعہ ہے۔ امام بخاریؒ نے اس باب کی پہلی حدیث میں یہ بھی روایت کی کہ حضور علیہ السلام سجود کے ساتھ رفع یدین نہیں کرتے تھے، حالانکہ نسائی میں مالک بن الحویرث سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے سجدہ کو جاتے ہوئے اور سجدہ سے سر اٹھاتے ہوئے بھی رفع یدین کیا ہے۔ حافظ نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے اور ابو یعلی نے حضرت انسؓ سے حدیث روایت کی کہ حضور علیہ السلام رکوع و سجود دونوں میں رفع یدین کرتے تھے، محدث ہیثمی نے کہا کہ اس کے رجال، رجال صحیح ہیں وغیرہ (اوجز ص ۱/۲۰۴)

امام بخاریؒ اگلے باب کی حدیث میں بھی یہی روایت کریں گے کہ حضور علیہ السلام سجدہ سے پہلے اور اس کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ گویا جس طرح امام شافعیؒ نے دو جگہ (رکوع سے قبل و بعد) کے رفع یدین کو معمول بہ بتایا ہے، وہی رائے امام بخاریؒ کی بھی ہے، دونوں نے مذکورہ بالا دوسری احادیث صحیحہ پر عمل ترک کیا ہے البتہ یہ فرق ہے کہ امام بخاری آگے ایک مستقل باب رکعتین سے اٹھتے ہوئے بھی رفع یدین کرنے کا قائم کریں گے اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے دو کے علاوہ اس تیسرے رفع کے بھی قائل ہیں۔ اور امام بخاری کی یہ عادت تو پہلے سے معلوم ہے کہ وہ صرف اپنی رائے کے موافق حدیثیں ذکر کرتے ہیں اور اس کے مخالف کو ذکر بھی نہیں کرتے۔ برخلاف دوسرے محدثین مسلم، ترمذی، ابو داؤد و نسائی و مصنف ابن ابی شیبہ و مسند احمد وغیرہ وغیرہ کے کہ وہ سب حضرات اپنے مسلک کے موافق و مخالف ساری ہی احادیث صحیحہ ذکر فرماتے ہیں۔

اس باب کی حدیث الباب میں علاوہ رفع یدین کے یہ امر بھی مذکور ہے کہ حضور علیہ السلام دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھاتے تھے، پھر اگلا باب صرف اسی امر کے لئے قائم کریں گے کہ ہاتھ کہاں تک اوپر اٹھائے جائیں،

ہم یہاں اور اگلے باب میں بھی دوسرے فوائد ذکر کریں گے، اور اصل معرکۃ الآراء و بحث رفع یدین کو مفصل طور سے آخری باب کے تحت لائیں گے۔ ان شاء اللہ

رفع یدین کی حکمتیں

اس بارے میں اکابر ملت کی مختلف آراء ہیں، جو درج ذیل ہیں

(۱) ہاتھ اٹھانا، علاوہ خدا کے نفی کبریا ہے اوراس کے بعد تکبیر اثبات وحدۃ للہ تعالیٰ کی طرف اشارہ ہے، اس کو صاحب ہدایہ نے بھی اختیار کیا اور کہا کہ اسی لئے رفع یدین کو تکبیر پر مقدم کرنا چاہئے۔

(۲) نماز شروع کرنے والے کو جب دوسرا دیکھے گا خواہ وہ بہرا بھی ہو کہ تکبیر نہ سن سکے، یا دور ہو تو وہ بھی نماز شروع کر سکے گا۔

(۳) دنیا کو چھوڑ کر بالکلیہ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جانے کہ علامت ہے۔

(۴) پوری طرح حق تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری اختیار کرنے کا اشارہ ہے۔

(۵) نماز کی کمال عظمت کا اقرار کرتا ہے جس کو وہ اب شروع کرنے والا ہے۔

(۶) اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ عابد ومعبود اور ساجد ومسجود یا مولی اور بندہ کے درمیانی حجابات نماز میں اٹھ جاتے ہیں۔

(۷) سارے بدن کے ساتھ حق تعالے کی جانب متوجہ ہونے کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔

(۸) قیام للہ تعالیٰ کی تکمیل اس سے ہوتی ہے، قالہ الزرقانی

(۹) حق تعالیٰ کی غایۃ تعظیم کے ظاہر کرنے کے لئے ایسا کرتا ہے۔

(۱۰) ابن رسلان نے کہا کہ کفار قریش اور دوسرے مشرک لوگ اپنی نمازوں میں بھی جو حضور علیہ السلام کے ساتھ پڑھتے تھے، اپنے بتوں کو بغلوں میں دبائے رکھتے تھے۔ اسلئے حکم ہوا کہ نماز شروع کرنے کے وقت رفع یدین کیا جائے تا کہ وہ بت گر جائیں۔

(۱۱) بعض صوفیہ نے یہ کہا کہ دنیا کو پس پشت پھینک دینے کی طرف اشارہ ہے۔ (اوجز ص۲۰۲/۱)

باب الی این یرفع یدیه وقال ابو حمید فی اصحابه رفع النبی صلی الله علیه وسلم حذو منکبیه

(تکبیر تحریمہ میں ہاتھوں کو کہاں تک اٹھائے، اور ابوحمید نے اپنے ساتھیوں میں بیٹھ کر یہ بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھ شانوں کے مقابل تک اٹھاتے تھے)

۶۹۹: حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعیب عن الزهری قال اخبرنی سالم بن عبدالله بن عمر ان عبدالله بن عمر قال رایت النبی صلی الله علیه وسلم افتتح التکبیر فی الصلوٰة فرفع یدیه حین یکبر حتیٰ یجعلهما حذو منکبیه واذا کبر للرکوع فعل مثله' واذا قال سمع الله لمن حمده' فعل مثله' وقال ربنا ولک الحمد ولا یفعل ذٰلک حین یسجد ولا حین یرفع راسه' من السجود

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے نماز میں تکبیر شروع کی تو تکبیر کہتے وقت آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اتنے اٹھائے، کہ ان کو اپنے دونوں شانوں کے برابر کر لیا اور جب آپ نے رکوع کے لئے تکبیر کہی، تب بھی اسی طرح

کیا، اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہا، تب بھی اسی طرح کیا اور ربنا ولک الحمد (بھی) کہا اور یہ (بات) آپ سجدہ کرتے وقت نہ کرتے تھے، اور نہ اس وقت جب سجدے سے اپنا سر اٹھاتے:۔

تشریح: ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں؟ امام بخاری نے مونڈھوں تک کی روایت پیش کی ہے اور یہی مذہب امام مالک وشافعی کا ہے، امام احمد سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ میں بھی مونڈھوں تک کے لئے کہتا ہوں، لیکن جو کانوں تک ہاتھ اٹھانے کو کہتے ہیں، وہ بھی میرے نزدیک اچھا ہے۔ حنفیہ مسلم شریف کی حدیث مالک بن الحویرث کے مطابق عمل کرتے ہیں جس میں ہے کہ کانوں تک ہاتھ اٹھائے جائیں۔ قالہ الزرقانی۔ اور مختصر عبدالرحمٰن میں احرام کے وقت رفع یدین کو بھی کانوں تک لکھا ہے، علامہ باجی مالکی نے کہا کہ ہم ہاتھوں کی ہتھیلیاں مونڈھوں تک کے مقابل اور انگلیوں کے سروں کو کانوں کے مقابل کرنے کو اختیار کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ امام مالکؒ حنفیہ کے موافق ہیں، ملا علی قاریؒ نے یہ بھی نقل کیا کہ امام شافعی مصر گئے اور ان سے کیفیت رفع کا سوال ہوا تو فرمایا کہ اس طرح اٹھائے کہ ہاتھ کی ہتھیلیاں مونڈھوں کے مقابل ہو جائیں انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہوں اور انگلیوں کے سرے کانوں کے اوپری حصوں کے سامنے ہو جائیں۔ اس طرح منکبین، اذنین اور فروع الاذنین والی تینوں روایات جمع ہو جاتی ہیں اور مذاہب کا فرق بھی ختم ہو جاتا ہے، تاہم اتنا ضرور ہے کہ حنفیہ ہاتھ اوپر اٹھانے میں دوسروں سے کچھ زیادہ مبالغہ کے قائل ہیں اور ان کے یہاں مرد وعورت کے عمل میں فرق بھی ہے، کیونکہ عورت کے لئے وہ صرف سینہ اور ثدیین تک ہی ہاتھ اٹھانے کو کہتے ہیں۔ ابن رسلان نے کہا کہ یہ تفریق صرف حنفیہ کے یہاں ہے، مگر امام احمد سے بھی دو روایت ہیں ایک یہ کہ ہاتھوں کو تھوڑا اٹھائے، یعنی مردوں سے کم، دوسری روایت یہ ہے کہ عورت کے لئے ہاتھ اٹھانا مشروع ہی نہیں ہے۔

علامہ سیوطیؒ نے التوشیح میں طبرانی سے وائل بن حجر کی حدیث پیش کی ہے کہ مرد کانوں تک ہاتھ اٹھائیں اور عورت ثدیین تک۔ لہٰذا علامہ شوکانی کا یہ کہنا کہ حنفیہ کے پاس تفریق کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ بڑی غلطی ہے، جس سے ان کی قلت نظر معلوم مطالعہ ہوتی ہے۔ (اوجزص ۲۰۲/۱)

باب رفع الیدین اذاقام من الرکعتین

دونوں ہاتھوں کے اٹھانے کا بیان، جب دو رکعتیں پڑھ کر اٹھے

۷۰۰: حدثنا عیاش بن الولید قال حدثنا عبدالاعلیٰ قال حدثنا عبداللہ عن نافع ان ابن عمر کان اذا دخل فی الصلوٰۃ کبر ورفع یدیہ واذا رکع رفع یدیہ واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ رفع یدیہ واذا قام من الرکعتین رفع یدیہ ورفع ذٰلک ابن عمر الی النبی صلے اللہ علیہ وسلم.

ترجمہ: حضرت نافع روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ جب نماز شروع کرتے وقت تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے، اور جب رکوع کرتے (تب بھی اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے، اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے (تب بھی) اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب دونوں رکعت سے اٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اور اس بات کو ابن عمرؓ نے نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے۔

تشریح:۔ ترجمہ وحدیث الباب سے امام بخاری نے ثابت کیا کہ دو رکعت پوری کر کے تشہد کے بعد جب کھڑا ہو تب بھی رفع یدین کرے، اور بتلایا کہ حضرت ابن عمرؓ نے نہ صرف اس کو خود کیا بلکہ اس امر کو حضور علیہ السلام کی طرف بھی مرفوع کیا کہ وہ بھی ایسا کیا کرتے تھے، حالانکہ امام بخاریؒ نے اسی صفحہ پر حضرت ابن عمرؓ سے ہی تین حدیث اوپر روایت کی ہیں اور ایک روایت مالک، بن الحویرث کی بھی ذکر کی ہے اور چاروں میں سے کسی میں بھی دو رکعت سے کھڑے ہونے پر رفع یدین نہیں ہے۔ اور اسی لئے بعض محققین کو یہ تصریح کرنی پڑی کہ گو حدیث ابن عمر کی تخریج بخاری ومسلم دونوں میں کی گئی ہے، مگر وہ مواضع رفع کے بارے میں مضطرب ہے، اور شاید اسی وجہ سے امام مالکؒ نے اپنے

مشہور قول و مذہب میں اس کو معمول بہ نہیں بنایا اور اسی وجہ سے مدونہ میں امام مالکؒ کا یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ ''میں تکبیرات صلوٰۃ میں سے اٹھتے بیٹھتے کسی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کو نہیں جانتا بجز تکبیر احرام کے جو شروع نماز میں ہوتی ہے'' اور اسی لئے ابن القاسمؒ کا یہ قول بھی نقل ہوا کہ ''بجز تکبیر احرام کے دوسری جگہوں کے لئے رفع یدین امام مالکؒ کے نزدیک ضعیف تھا''۔ اور علامہ نوویؒ نے تصریح کی کہ یہی امام مالکؒ سے مرویہ روایات میں سے سب سے زیادہ مشہور و معروف ہے، (اوجز ص ۲۰۳)

اس موقع پر موطأ امام مالکؒ کی روایت ابن عمر میں و اذا رفع راسہ من الرکوع رفعھما کذلک پر اوجز میں جو اضطراب و اختلاف روایات نقل کیا گیا ہے کہ کسی روایت میں رفعھما دون ذلک ہے، کسی میں رفع عند الرکوع نہیں ہے وہ بھی قابل مطالعہ ہے۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ائمہ اربعہ تکبیر احرام کے وقت رفع یدین پر متفق ہیں، اور اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ تین جگہوں کے علاوہ کسی اور جگہ پر رفع یدین مستحب نہیں ہے، یعنی امام شافعی و امام احمد بھی جو رکوع سے قبل و بعد رفع یدین کو ضروری خیال کرتے ہیں، وہ بھی نہ دو رکعت سے اٹھنے کے وقت رفع یدین کو ضروری مانتے ہیں، نہ مابین السجدتین نہ ہر خفض و رفع کے وقت، حالانکہ ان کے لئے بھی صحیح روایات موجود ہیں۔ جیسے کہ دو رکعت سے اٹھنے پر یہاں امام بخاری ہی حدیث صحیح لائے ہیں۔ ممکن ہے یہ خود امام بخاریؒ کا مسلک و مختار ہو اور ایک قول امام شافعی کا بھی اس کے استحباب کا نقل ہوا ہے۔

تفصیل مذاہب: بدایۃ المجتہد ص ۱/۱۱۴ میں ہے کہ اہل کوفہ امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوری اور ان کے سارے فقہاء صرف تکبیر احرام کے وقت رفع یدین کے قائل ہیں اور صاحب مدونہ ابن القاسمؒ نے امام مالکؒ کا بھی یہی مذہب نقل کیا ہے۔ کیونکہ امام مالکؒ نے بھی (حنفیہ کی طرح) حدیث عبداللہ بن مسعود و حدیث براء بن عازبؓ کی وجہ سے اور موافقت عمل اہل مدینہ کے سبب سے اسی کو ترجیح دی ہے۔ امام شافعی، امام احمد، ابوعبید، ابوثور، اور جمہور اہل حدیث و اہل الظاہر رفع یدین علاوہ تکبیر احرام کے رکوع میں جاتے اور اس سے اٹھتے ہوئے بھی مانتے ہیں، اور ایک روایت امام مالک سے بھی ایسی ہے مگر اس قول میں بھی یہ فرق ہے کہ وہ لوگ اس کو ضروری قرار دیتے ہیں، امام مالک صرف سنت مانتے ہیں، دوسرے بعض اہل الحدیث سجدہ کو جاتے اور اس سے اٹھتے ہوئے بھی رفع یدین کے قائل ہیں۔ اس کے بعد علامہ ابن رشد نے لکھا کہ اختلاف کا سبب اس بارے میں آثار مرویہ کا اختلاف ہے اور یہ بھی خود مدینہ طیبہ میں بعض آثار مرویہ کے خلاف عمل ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ بعض احادیث مثلاً عبداللہ بن مسعود اور حدیث براء میں تو یہ ہے کہ حضور علیہ السلام صرف تحریمہ کے وقت ایک مرتبہ رفع یدین کرتے تھے، اس سے زیادہ نہ کرتے تھے، دوسری طرف حدیث ابن عمرؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام علاوہ تکبیر تحریمہ کے رکوع کی تکبیر کے وقت اور رکوع سے اٹھتے ہوئے بھی رفع یدین کرتے تھے، یہ حدیث صحیح متفق علیہ ہے، اور ان لوگوں کا گمان ہے کہ اس کو ۱۳ اصحابہ نے روایت کیا ہے۔ تیسری حدیث وائل بن حجر کی ہے، جس میں روایت ابن عمر سے بھی یہ امر زائد ہے کہ سجدہ کے وقت بھی رفع کرتے تھے، پس بعض حضرات نے تو حدیث عبداللہ بن مسعود و حدیث براء کو ترجیح دے کر رفع یدین کو صرف تحریمہ کے لئے خاص کر دیا اور یہی مذہب امام مالک کا ہے کیونکہ تعامل (اہل مدینہ) اس کے موافق پایا، اور دوسرے حضرات نے حدیث عبداللہ بن عمرؓ کو ترجیح دے کر رکوع سے قبل و بعد میں بھی رفع یدین کو ضروری سمجھا، اور افتتاح کے وقت کے لئے اس کی شہرت کی وجہ سب کا اتفاق رہا۔

علامہ بنوریؒ: نے معارف السنن ص ۲/۴۵۳ میں لکھا: تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین پر سب کا اتفاق ہے، جس طرح جمہور مواضع ثلاثہ مابین السجدتین بعد الرکعتین اور ہر خفض و رفع میں یدین کے عدم استحباب پر متفق ہیں۔ اگرچہ ان کے لئے بھی روایات موجود ہیں۔ البتہ رکوع

---

[1] امام مالکؒ کے مذہب کے سب سے زیادہ معتمد ناقل یہی ہیں، اسی لئے یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ امام مالکؒ کا صحیح و راجح مسلک وہی ہے جو ابن القاسم نے نقل کیا ہے اگرچہ وہ روایات موطاء کے موافق نہ ہو اوجز ص ۱/۲۰۹ میں امام مالک کے روایۃ الباب ترک کرنے کے وجوہ بھی تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ اور یہ بہت سے محدثین کا طریقہ رہا ہے کہ بطور سرد روایات متعدد احادیث بیان کر دیتے ہیں۔ خواہ ان میں سے بعض معمول بہا نہ بھی ہوں بوجہ اضطراب و شذوذ وغیرہ واللہ تعالیٰ اعلم (مؤلف)

کے وقت اور بعد الرکوع رفع یدین میں اختلاف ہے، اور اسی کی وجہ سے رفع یدین کے مسئلہ نے مشہور اختلافی شکل اختیار کر لی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب ترک رفع کے قائل ہیں یہی روایت ابن القاسم نے امام مالک سے بھی نقل کی ہے، اور اکابر مالکیہ نے اس کو اختیار کیا ہے۔ امام شافعی و احمد رفع کے قائل ہیں۔ علامہ ابن عبدالبر مالکی نے ابن القاسم سے امام مالک کا معمول غیر احرام میں عدم رفع کا ذکر کیا ہے۔ جو سفیان ثوری، نخعی، شعبی و علقمہ وغیرہ سب کوفیوں کا بھی مذہب ہے۔ اور ابومصعب، ابن وہب، اشہب وغیرہ نے امام مالک سے رفع نقل کیا ہے۔

محمد بن عبدالحکم شافعی نے یہ بھی کہا کہ امام مالک سے ترک رفع صرف ابن القاسم نے نقل کیا ہے، اور ہم حدیث ابن عمر کی وجہ سے رفع کو اختیار کرتے ہیں"۔ علامہ اصیلی نے کہا کہ "امام مالک نے رفع یدین کو اس لئے اختیار نہیں کیا کہ نافع نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت رفع کو موقوفا روایت کیا ہے۔ اور یہ ان چار مواضع میں سے ہے، جن میں سالم و نافع کا اختلاف ہوا ہے۔ پھر علامہ اصیلی نے ان چاروں کو ذکر کر کے فرمادیا کہ" ان سب کو سالم نے مرفوعا اور نافع نے موقوفا روایت کیا ہے"۔ اس کے بعد علامہ زرقانی نے حافظ ابن حجر کے ایک بے جا اعتراض کا رد کیا ہے۔

حافظ ابن حجر کا مالکیہ پر اعتراض اور زرقانی[1] کا جواب

اس سے حافظ ابن حجر کا بے جا جملہ اور غلط اعتراض بھی بے نقاب ہو جاتا ہے کہ" مجھے مالکیہ کے لئے ترک رفع کی کوئی دلیل اور حجت نہیں ملی، بجز قول ابن القاسم کے"۔ کیونکہ جب سالم و نافع کا رفع و وقف میں اختلاف موجود تھا تو اسی کی وجہ سے امام مالک نے اپنے مشہور قول میں رفع کو مستحب قرار نہیں دیا کہ نماز جیسی سکون و خشوع چاہنے والی عبادت کے لئے یہی زیادہ مناسب ہے کہ اس کو دوسری حرکات و افعال سے بچایا جائے (زرقانی ص ۱/۱۵۸)

حضرتؒ نے بسط الیدین ص ۶۰ میں استذکار ابن عبدالبر سے یہ بھی نقل کیا:۔ ان کی موافقت ایک مرتبہ کے سوا عدم رفع یدین میں ثوری، حسن بن حی اور دوسرے سب فقہاء کوفہ نے کی ہے اور یہی قول ابن مسعود اور آپ کے اصحاب کا بھی ہے"۔ امام مالک نے ترک رفع کو اس لئے بھی ترجیح دی ہے کہ اہل مدینہ کا تعامل عدم رفع کے موافق تھا۔ کما صرح بہ ابن رشد فی کتابہ بدایۃ المجتہد۔ اور علامہ ماردینی نے الجواہر النقی ص ۱/۱۳۶ میں علامہ ابن عبدالبر مالکی کے یہ الفاظ ان کی "التمہید" سے نقل کئے کہ" میں بھی افتتاح کے سوا رفع نہیں کرتا، روایت ابن القاسم کی وجہ سے" لہٰذا ماردینی نے ابن عبدالبر کو بھی ان حضرات میں شمار کیا جنھوں نے ترک رفع کو اختیار کیا ہے۔ اور شرح مسلم للقرطبی سے نقل کیا کہ یہی عدم رفع مشہور مذہب امام مالک کا ہے، اور" قواعد ابن رشد" میں ہے کہ یہی عدم رفع امام مالک کا مذہب ہے کیونکہ عمل اہل مدینہ کا اس کے موافق ہے۔

حافظ کی دوسری غلطی اور حضرت شاہ صاحبؒ کا انتباہ

حضرت شاہ صاحبؒ نے دارالعلوم دیوبند کے زمانہ درس ترمذی شریف میں حافظ کی ایک غلطی کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔ جو العرف الشذی ص ۱۶۴ میں تردد کے ساتھ نقل ہوا تھا، اور کچھ امالی لکھنے والے طالب علم نے بھی مطلب پوری طرح واضح نہ کر کے گنجلک پیدا کر دی تھی، جس کا ذکر علامہ بنوری مرحوم نے ص ۲/۴۵۴ میں کیا ہے۔ پھر اسی بات کو حضرتؒ نے نیل الفرقدین کے حاشیہ بسط الیدین میں خوب واضح اور مدلل فرمادیا ہے۔

اصل صورت حال یہ تھی کہ علامہ ابن عبدالبر نے محمد بن عبداللہ بن الحکم کی یہ بات نقل کی تھی کہ امام مالکؒ سے ترک رفع صرف ابن القاسم نے روایت کیا ہے اور ہم رفع کو حدیث ابن عمرؓ کی وجہ سے اختیار کرتے ہیں الخ۔ شرح الزرقانی ص ۱/۱۵۷ میں یہ بات واضح طور سے درج ہے مگر حافظ کو مغالطہ ہوا کہ یہ بات خود ابن عبدالبر نے کہی ہے چنانچہ انھوں نے فتح الباری ص ۲/۱۴۹ میں بجائے محمد بن الحکم کے ابن عبد

---

[1] معارف السنن ص ۲/۴۵۳ میں اس موقع پر سطر ۲۱ "ثم قال الشیخ" ناقل کی غلطی سے درج ہوگیا ہے۔ کیونکہ حافظ کا رد علامہ زرقانی نے کیا ہے۔ شاہ صاحب نے نہیں کیا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حافظ کے بے جا جملوں پر صرف حنفیہ نے ہی نہیں بلکہ مالکیہ نے بھی تعقب کیا ہے، اور یہ بھی کہ مالکیہ کا مسلک عدم رفع ہی مشہور و معروف رہا ہے، اسی لئے شافعیہ کے اعتراضات پر مالکیہ نے جوابدہی کی ہے۔ یہ بھی واضح ہو کہ معارف السنن کے ص ۲/۴۵۳ میں سطر ۲ فیما حکاہ ابن عبدالبر کے بعد سے ص ۲/۴۵۴ سطر اول تک ساری عبارت زرقانی ص ۱/۱۵۷ سے نقل ہے۔

البرہی کی طرف اس کومنسوب کردیا۔ حالانکہ کسی نے بھی ان کو رفع یدین کرنے والوں میں شمار نہیں کیا ہے، بلکہ تمہید میں خود انھوں نے یہ تصریح بھی کردی ہے کہ میں روایت ابن القاسم عن مالک کی وجہ سے رفع یدین صرف افتتاح کے وقت کرتا ہوں، اور اسی لئے علامہ ماردینی حنفیؒ نے الجواہر النقی ص ۱۳۶/۱ میں ابن عبدالبر کو ترک رفع اختیار کرنے والوں میں ذکر کیا ہے۔

افادۂ مزید: حضرتؒ نے اس کے بعد یہ بھی فرمایا کہ یہ محمد بن عبداللہ الحکم اگرچہ اصحاب امام شافعی میں سے تھے۔ لیکن انھوں نے امام شافعیؒ کے انتقاد علی مالکؒ کے جواب میں مستقل رسالہ لکھا ہے، امام شافعی کا نقد و اعتراض یہ تھا کہ امام مالکؒ نے تعامل اہل مدینہ کی وجہ سے آثار کو ترک کردیا ہے۔ اور ترک رفع کو بھی اسی میں شامل کیا ہوگا۔ (غالباً ابن الحکم نے ہر مسئلہ کے لئے تعامل کے ساتھ آثار بھی پیش کئے ہوں گے)

ابن الحکم کی غلطی: حضرتؒ نے نیل الفرقدین ص ۲۷ میں لکھا کہ امام شافعیؒ نے بھی امام مالک کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ ''معانی الاخبار شرح معانی الآثار'' للعینیؒ میں ہے، لہٰذا امام مالک سے ترک رفع کی روایت کرنے والے صرف ابن القاسم نہیں ہیں، بلکہ ان کے متابع امام شافعی ایسے جلیل القدر محدث ہیں۔

مالکیہ کا ترک رفع کے لئے تشدد

کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص ۱۷۰/۱ میں ہے کہ مالکیہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے وقت مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانا مندوب و مستحب ہے، اور اس کے سوا میں مکروہ ہے۔ اس کے برخلاف حنفیہ کے یہاں اتنی شدت نہیں ہے، نہ وہ رفع یدین کو مکروہ بتلاتے ہیں، البتہ وہ ہمارے یہاں غیر معمول بہ اور غیر مندوب ضرور ہے، اور فقہاء حنفیہ میں سے جس نے مکروہ لکھا یا اس کی وجہ سے فساد صلوٰۃ کو کہا یا ایسی کوئی بات امام اعظم کی طرف منسوب کی تو وہ اس کی غلطی ہے کیونکہ کتب معتبرہ حنفیہ مثلاً ''الذخیرہ'' ''الوالجیہ'' وغیرہ میں تصریح کردی گئی ہے کہ اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی، مزید تفصیل ''فوائد بہیہ'' میں ضمن ترجمہ مکحول نسفی ملاحظہ ہو۔ علامہ ابوبکر رازی جصاصؒ نے بھی ''احکام القرآن'' میں عدم کراہت کی صراحت کردی ہے جو اس باب میں بہت موثق ہے اور اس کا مرتبہ علماء مذاہب میں محتاج بیان نہیں ہے۔ اس کے بعد ہم معارف السنن کے افادات پیش کرتے ہیں:۔

افادۂ انور: ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ رفع و ترک دونوں متواتر ہیں، کسی ایک کا انکار نہیں کیا جاسکتا، البتہ ترک کا تواتر تواتر عمل ہے تواتر اسناد نہیں ہے، رہا یہ کہ امام طحاوی نے نسخ کہا ہے، جس کا مفاد کراہت تحریمی ہوسکتا ہے، تو وہ نسخ بمعنی متعارف نہیں ہے، جس سے عمل بالرفع کو ناجائز کہا جائے۔ لہٰذا رفع و ترک دونوں کے متواتر ہونے کی وجہ سے تین صورتیں بن گئیں۔ رفع کو ترجیح ہو، ترک کو ترجیح ہو، یا دونوں کے لئے اختیار ہو اور ہر ایک کی طرف کچھ نہ کچھ حضرات مائل ہوگئے۔

پھر بعض احادیث میں رفع کی تصریح ہے، بعض سے ترک ثابت ہوتا ہے اور بعض ساکت ہیں۔ اگر ہم صریح ترک والی روایات پر نظر کریں تو ہماری احادیث کی تعداد کم ہے۔ اور احادیث رفع کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن اگر ہم ان احادیث کو بھی ساتھ ملالیں جن میں صفت صلوٰۃ بیان ہوئی ہے اور پھر بھی ان میں رفع کا ذکر نہیں ہے تو ترک رفع کی تعداد بڑھ جاتی ہے کیونکہ ضرورت بیان کے وقت سکوت کرنے کو ترک کی دلیل کہا جائے گا۔

ظاہر ہے جن احادیث صفۃ صلوٰۃ میں سارے افعال صلوٰۃ کا ذکر ہے، ارکان، واجبات، سنن و آداب سب ذکر ہوئے اور صرف رفع یدین کا ذکر ان میں نہیں ہوا اور ہوا تو صرف تکبیر تحریمہ والے رفع کا، رکوع سے قبل و بعد والے کا کوئی ذکر نہیں تو ایسی صورت میں وہ احادیث حنفیہ و مالکیہ کی موافقت میں ہی شمار ہوسکتی ہیں۔ اور اس طرح ان کی احادیث تصریح ترک والی احادیث کے ساتھ مل کے رفع یدین والی احادیث سے کہیں زیادہ ہوجائیں گی۔

غرض یوں بھی یہ اختلاف صرف افضلیت کا ہے یا اس کو اختلاف مباح کہہ لو۔ اور اسی حقیقت کو حافظ ابو عمر (ابن عبد البر) نے مالکیہ میں سے اور حافظ ابن تیمیہ وابن قیم نے حنابلہ میں سے تسلیم کیا ہے۔

ترک کا تعامل تواتر کے ساتھ رہا ہے، اہل کوفہ تو تقریباً سارے ہی اس پر عامل تھے، بہ کثرت تارکین مدینہ طیبہ میں حضرت امام مالکؒ کے زمانہ میں تھے، جن کی وجہ سے امام مالک نے ترک کو اختیار کیا، اور اسی طرح دوسری بلاد اسلامیہ میں بھی رافعین کے ساتھ تارکین بھی رہے ہوں گے۔

البتہ ہر جگہ کے بڑوں کا اثر ضرور پڑا ہے، مثلاً مکہ معظمہ میں حضرت ابن الزبیر تھے جو رفع کرتے تھے تو وہاں پر زیادہ رفع کرنے والے ہوئے، اور اسی پر امام شافعیؒ نے بھی رفع کو اختیار کیا، اہل کوفہ نے حضرت ابن مسعود اور حضرت علیؓ کا اثر لیا اس لئے وہاں تقریباً سب ہی تارکین رفع ہوئے، حضرت عمرؓ کے پاس جو آتے جاتے تھے، وہ بھی آپ کے ترک کو دیکھ کر تارک ہو گئے۔

حضرت صدیق اکبر، عمرؓ اور حضرت علی وابن مسعودؓ کے زمانہ میں رفع وترک کی کوئی بحث نہ تھی نہ یہ بات قابل نزاع تھی۔ رافعین بھی تھے اور تارکین بھی، کوئی کسی کو برا بھی نہیں کہتا تھا، (ان کے بعد اس مسئلہ کو نزاعی وجدالی بنالیا گیا، اور آگے امام بخاری کے رسالہ رفع یدین کا ذکر تفصیل سے آئے گا، اس سے اندازہ ہوگا کہ انھوں نے تو حدود اعتدال سے بھی بہت آگے قدم بڑھا دیئے اور شاید ان ہی کی تقلید میں بعد کے سلفی حضرات اور آج کل کے غیر مقلدین نے خوب میدان گرم کیا۔ (یاللاسف)

سلف میں تارکین رفع یدین

حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعود، اور ان دونوں کے اصحاب، حضرت جابر بن سمرةؓ، حضرت براء بن عازبؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت علقمہ بن قیس، اسود بن یزید، مغیرہ، سفیان ثوری، ابراہیم نخعی، ابن ابی لیلی، عامر الشعبی، ابواسحق سبیعی، خیثمہ، وکیع، عاصم بن کلیب، امام زفر، وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین۔ امام اعظمؒ، امام ابو یوسف، امام محمد اور دوسرے سب حنفیہ۔ امام مالکؒ اور آپ کے اصحاب کا معمول بھی ترک رفع ہے، محدث علامہ باجی مالکیؒ نے کہا کہ مدونہ میں امام مالک سے روایت کی گئی کہ بجز افتتاح کے رفع یدین ضعیف تھا، امام بخاری کے استاذ حدیث ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں حضرت عمر وعلی اور آپ کے اصحاب سے غیر افتتاح میں ترک رفع روایت کیا ہے۔ حرب بن شداد نے کہا کہ ہمارے اصحاب کے یہاں احرام کے علاوہ کہیں رفع یدین نہیں ہے کذا فی ابن رسلان۔ (اوجز ص ۱/۲۰۳)

معارف السنن ص ۲/۴۶۴ میں کعب بن عجرہ کا اضافہ کیا، اور جماہیر اہل کوفہ کے ساتھ کثیر من اہل المدینہ فی عہد مالک پھر لکھا یا اکثریت اہل مدینہ کی بلکہ سارے ہی اہل مدینہ کا تعامل ترک رفع پر تھا جیسا کہ مالکیہ نے نقل کیا ہے اور ابن قیم نے اس کا اعتراف کیا ہے، اگرچہ اس کو حجت نہیں بنایا اور ایسے ہی سارے شہروں میں تھے اگرچہ ان کے نام نہیں معلوم ہوئے، جیسا کہ عام تعامل وتوارث کے لئے عام طور سے سندی سلسلہ نہیں ہوتا، یہ بات بعد کے لوگوں نے پیدا کی کہ وہ سندیں طلب کرنے لگے، اور جب سند نہ ملی تو تواتر عملی کا بھی انکار کر دیا۔ چنانچہ ابن حزم کا بھی "محلی میں یہی طریقہ ہے کہ وہ واقعات وحقائق تاریخیہ کا انکار کر دیتے ہیں گویا ان کے نزدیک جب تک کسی واقعہ کی سند مسلسل نہ بیان کی جائے تو گویا وہ واقعہ دنیا میں ہوا ہی نہیں، اسی طرح وہ اجماعیات منقولہ کا بھی اخبار آحاد کے مقابلہ میں بہ کثرت انکار کر دیتے ہیں، اور تعمیر سے زیادہ تخریب کرتے ہیں، حالانکہ اگر قرآن مجید کی بھی ہر ہر آیت کا تواتر اسنادی طلب کیا جائے تو وہ نہ ملے گا، اور صرف تواتر طبقہ بعد طبقہ ہی سے اس کا ثبوت ہم تک پہنچا ہے۔ اور یہی روش علامہ ابن القیم کی بھی ہے اعلام الموقعین میں الخ۔

امام بخاری کا رفع کے لئے تشدد

مسئلہ رفع یدین میں حنفیہ و مالکیہ کے مقابل شافعیہ نے سب سے زیادہ زور صرف کیا ہے، اور طرفین کے دلائل اکثر کتابوں میں مل جاتے ہیں، لیکن اس مسئلہ میں ایک بڑے معرکہ کی بحث وتحقیق وتدقیق امام بخاری نے بھی کی ہے، اور پوری قوت وشوکت اور شدت وحدت کا مظاہرہ مستقل رسالہ لکھ کر کیا ہے۔ مگر یہ بات عجیب تر ہے کہ انھوں نے جہاں جہاں بھی اپنا لہجہ نہایت تلخ اور بقول حضرت شاہ صاحبؒ دراز لسانی کی حدتک گرم گفتاری اختیار کی ہے اس کا نشانہ صرف امام اعظمؒ بنے ہیں، یہاں تک کہ ان کو جاہل اور غوی اور بھٹکنے والا وغیرہ وغیرہ سب ہی کچھ لکھ دیا ہے حالانکہ اس مسئلہ میں وہ منفرد نہیں ہیں، اور اسی لئے ہم نے اوپر ان کے شریک مسلک بہت سے اکابر امت سلف ہی میں سے گنوادیئے ہیں، اور سلف کے ہزارہا اکابر کا ذکر اس لئے چھوڑ دیا کہ وہ امام بخاریؒ کے بعد آئے ہیں اور امام کو کیا خبر تھی کہ بناء ملت حنفی کے جس پتھر کو انھوں نے حقیر و بیکار سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا وہی سب سے زیادہ قیمتی وکارآمد پتھر ثابت ہوگا۔

ذکر امام بخاریؒ کے رسالہ کا

رفع یدین کی تائید اور ترک رفع کی تردید میں امام بخاریؒ کا رسالہ بہت مشہور ہے، اور اس میں اور اپنے رسالہ قراءۃ خلف الامام میں بھی انھوں نے امام اعظمؒ کے خلاف بہت ہی سخت زبان استعال کی ہے اور شاید اسی لئے ہندوستان کے غیر مقلدین نے ان رسالوں کو بار بار اہتمام کر کے شائع کیا ہے، اور رسالہ رفع یدین کا ایک ایڈیشن تو اردو ترجمہ کے ساتھ بھی شائع کیا ہے اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اصل حقیقت حال کو واشگاف کرنے کے لئے ہم اس کے مندرجات کو ذرا تفصیل سے پیش کر دیں۔ پہلے امام بخاری کے ابتدائی کلمات خطبہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

"امام بخاریؒ نے فرمایا کہ یہ رسالہ اس شخص کے رد میں ہے جس نے رکوع کے لئے جھکتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے ہاتھ اٹھانے کا انکار کیا ہے، اور عجم کے رہنے والوں کو اس سنت رسول ﷺ سے بے خبر رکھا، اور اپنی لایعنی بات کو خواہ مخواہ ثابت کرنے کے لئے، صحابہ کرام کے ذریعہ ثابت شدہ رسول اکرم ﷺ کے فعل کو اور آپ کے اصحاب وتابعین کے تعامل کو نظر انداز کیا اور اس ضمن میں صحیح روایات کی بھی جو سلف سے ذریعہ ثقات خلف کو پہنچی تھیں، پرواہ نہیں کی کیونکہ اس کے سینہ میں کینہ وبغض بھرا ہوا تھا اور دل میں تنگی تھی۔ اور اس کو نبی اکرم ﷺ کی سنتوں سے نفرت تھی، اور حاملین سنت سے سخت عداوت تھی، بوجہ اس کے کہ اس کے گوشت پوست اور ہڈیوں ومغز میں بدعت سرایت کر چکی تھی، اور یہ چیز ان کو عجمیوں کے ماحول میں محصور رہنے اور ان سے فریب کھانے کے سبب سے حاصل ہوئی تھی، "**وقال النبی علیہ السلام لا تزال طائفة من امتی الخ**"

اس کے بعد وہ احادیث وآیات ذکر کی ہیں، جن میں مخالفین ومعاندین اسلام کے لئے انذار وعید آئی ہے۔ اس کے بعد رفع یدین کی تائید کرنے والی احادیث ذکر کی ہیں۔ اور درمیان درمیان میں اہل علم کی مدح اور امام اعظمؒ کو لاعلمی کے طعنے دیئے ہیں، اور بتلایا کہ اپنے زمانہ کے اہل علم وہی تھے جو رفع یدین کو مانتے اور کرتے تھے، اور ہر زمانہ کے بے علم وجاہل ان کے خلاف تھے۔

ایک جگہ حدیث ام الدرداء (ص ۲۲) نقل کر کے لکھا کہ ان تارکین رفع سے تو بعض صحابہ کی بیویاں ہی زیادہ علم والی تھیں کہ وہ نماز میں رفع یدین کیا کرتی تھیں اور جہاں تارکین کی کوئی دلیل نقل کرتے ہیں تو اس عنوان سے کہ بعض بے علم لوگوں نے اس طرح استدلال کیا یا اس طرح ہمارے استدلال پر نقد کیا وغیرہ۔ اور اس کے مقابلہ میں قائلین رفع کے لئے اہل علم واہل نظر کے القاب اختیار کرتے ہیں۔

حدیث ص ۳۲ کے تحت لکھا:۔ ابن المبارک رفع یدین کرتے تھے جو اپنے زمانہ کے سب سے بڑے علم والے تھے، اور جن کے پاس سلف کا علم نہیں تھا۔ وہ بجائے اس کے کہ انھوں نے بے علم لوگوں کی تقلید کی وہ اگر ابن المبارک کا اتباع کرتے تو اچھا تھا۔

حدیث ص ۳۴ کے تحت لکھا کہ بے علم لوگوں نے وائل بن حجر کے بارے میں طعن کیا ہے کہ وہ ابناء ملوک یمن میں سے تھے اور نبی اکرم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کا اکرام کیا اور ان کو زمین کا ایک قطعہ دیا اور ان کے ساتھ حضرت معاویہ کو بھیجا، اس جگہ سمجھ میں نہیں آیا کہ ان امور میں سے طعنے کی بات کیا تھی؟

حدیث ص ۳۶ کے تحت لکھا کہ ان بے علم لوگوں کا تو یہ حال ہے کہ اگر کوئی حدیث حضور اکرم علیہ السلام سے ثابت بھی ہو جاتی ہے تب بھی کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے بڑوں نے اس کو اختیار نہیں کیا یا یہ ہمارے یہاں معمول بہ نہیں ہے، کیونکہ یہ لوگ تو حدیث کو اپنی رائے کے مقابلہ میں لغو سمجھتے ہیں۔ اور لکھا کہ حضرت معمر کا ارشاد تو یہ تھا کہ اہل علم کے نزدیک پہلے لوگ زیادہ علم والے تھے، لیکن ان لوگوں نزدیک بعد کے لوگ زیادہ علم والے ہیں۔

حدیث ص ۳۷ کے تحت لکھا کہ عبداللہ بن مبارک نے امام صاحب کو لا جواب کر دیا تو وہ متحیر ہو کر چپ ہو گئے، وهـذا اشبـه مـن الـذيـن هـارون فـي غيبهـم اذا لم ينصروا. جو لوگ گمراہی میں حد سے آگے بڑھ جاتے ہیں اور ان کو مدد نہیں ملتی تو وہ اسی طرح حیران ولا جواب ہو جایا کرتے ہیں)

حدیث ص ۶۳ کے تحت لکھا کہ جس نے یہ دعوے کیا کہ رفع یدین بدعت ہے، اس نے صحابہ کرام، سلف اور بعد کے حضرات، اور اہل حجاز و اہل مدینہ و اہل مکہ اور کچھ اہل عراق و اہل شام و اہل یمن اور علماء اہل خراسان جن میں ابن المبارک بھی ہیں سب پر طعن کیا۔ الخ

دعوائے عدم ثبوت ترک رفع یدین: امام بخاریؒ نے دو جگہ اسی رسالہ میں یہ بھی دعویٰ کیا کہ ترک رفع یدین کا ثبوت حضور علیہ السلام یا کسی بھی صحابی سے نہیں ہوا۔ چنانچہ ص ۳۰ کے بعد لکھا کہ ہم نے جن اہل نظر علماء اہل حجاز و اہل عراق کو پایا جن میں عبداللہ بن الزبیر، علی بن عبداللہ بن جعفر، یحییٰ ابن معین، احمد بن حنبل و اسحٰق بن راہویہ ہیں، یہ سب لوگ اپنے زمانہ کے اہل علم تھے، اور ان میں سے کسی کو بھی حضور علیہ السلام سے ترک رفع یدین کا علم نہیں ہوا اور نہ کسی صحابی رسول سے بات پہنچی کہ وہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

حدیث ص ۶۳ کے تحت لکھا کہ ''کسی صحابی سے یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ وہ رفع یدین نہیں کرتے تھے اور نہ ترک رفع کی روایات رفع والی روایات سے زیادہ صحیح ہیں''۔

معذرت: جوابی معروضات سے پہلے یہ ظاہر کر دینا مناسب ہے کہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے ساتھ آپ کی عمر کے آخری دو سال میں رہنا ہوا، اور شب و روز میں جو کچھ سنا وہ قلم بند کیا، جو احوال آپ کے دیکھے وہ قلب و نظر کی امانت ہیں، درس بخاری میں فرمایا: ''امام بخاری کا ادب ہمیشہ مانع رہا، مگر اب صبر پر قدرت نہیں رہی، اس لئے کچھ کہہ دیتا ہوں، حنفیہ کے خلاف تعصب یا غلط فہمیوں کے تحت جو کچھ جس نے بھی کہا، اس سے ان کا دل نہایت آزردہ تھا، اس کو اس شعر میں ادا فرمایا تھا۔ ومن نفثات الصدر ما لا ابثه ومن فجعات الدهر ما قد تهجما

شاید کچھ ایسا ہی حال میرا بھی آخر وقت میں ہو گیا ہے، کسی کی بھی غلط بات برداشت نہیں ہوتی، اور پھر قلم کچھ نہ کچھ لکھ ہی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے بڑوں کی شان میں کچھ لکھنے سے پہلے دس بار سوچنا پڑتا ہے، اور پھر مجبور ہو کر لکھنا پڑتا ہے۔

جوابی معروضات: معارف السنن ص ۴۶۶/۲ میں لکھا:۔ امام بخاریؒ نے جو عدم صحت ترک رفع عن الصحابہ کا دعویٰ کیا ہے وہ ان کا حسب عادت مبالغہ ہے کہ ان کو جب کسی بات کا یقین و اطمینان نہیں ہوتا تو اسی طرح اس کے خلاف بھرپور دعوے کر دیا کرتے ہیں۔ اور اس کے رد کے لئے یہ کافی ہے کہ ان کے جلیل القدر تلمیذ حدیث امام ترمذیؒ نے جامع ترمذی میں اور ابونصر مروزی وغیرہ نے صراحت کر دی ہے کہ ترک رفع یدین کی حدیث ابن مسعود حدیث حسن ہے۔ اور ترک رفع کے قائل اہل علم اصحاب النبی علیہ السلام اور تابعین بھی تھے، اور یہی قول و مذہب سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا ہے۔ امام ترمذیؒ نے تو سارے اہل کوفہ کا ہی یہ مسلک بتلا دیا جبکہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ڈیڑھ ہزار صحابہ وہاں جا

کر آباد ہو گئے تھے اوران میں ۲۴ تو وہ تھے، جنھوں نے غزوہ بدر میں حضور علیہ السلام کے ساتھ شرکت کی تھی۔ اگر کسی بھی صحابی متوطن کوفہ پر ترک رفع کا اعتراض کسی نے کیا ہوتا تو کیا وہ نقل نہ ہوتا۔ اور اہل کوفہ کے نزدیک تو ترک رفع ہی حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت علقمہ، شعبی، نخعی اور بہت سے صحابہ وتابعین سے قوی الاسانید روایات کے ذریعہ ثابت ہے۔ اور جو کچھ اہل کوفہ کونسلا بعد نسل اور طبقۃ بعد طبقۃ بطور توارث وتعامل ترک رفع کی اجتماعی خصوصیت حاصل ہوئی وہ نا قابل انکار حقیقت ہے۔

پھر حضرت امام مالکؒ اور آپ کے متبعین مالکیہ نے بھی تو ترک رفع ہی کو اختیار کیا، اوران کے سامنے سب سے بڑی حجت اہل مدینہ کا تعامل تھا، جس پر امام شافعی نے امام مالک پر اعتراض بھی کیا کہ آثار کے مقابلہ میں تعامل اہل مدینہ کو حجت بنارہے ہیں، اوراس کا جواب اکابر مالکیہ کے علاوہ خود امام شافعیؒ کے جلیل القدر تلمیذ ومقلد محمد بن عبداللہ بن الحکم نے مستقل رسالہ لکھ کر دیا تھا اور امام مالکؒ کی طرف سے پورا دفاع کیا تھا۔ یہ کیا ہے، کیا امام اعظمؒ ترک رفع میں سب سے الگ تھلگ تھے، اوران کو اکیلا سمجھ کر ہر طرح ان کی تحقیر وتذلیل کوئی موزوں بات تھی؟ کیا عبدالرحمٰن بن مہدی کی طرح امام بخاری بھی اسی خیال پر تھے کہ مسائل شرعیہ کی وسیع وادی میں دوسرے سب ایک طرف ہیں اور صرف امام صاحب ایک گوشہ میں سب سے دوراور منفرد ایک گوشہ میں ہیں۔ حالانکہ معاملہ برعکس ہے امام صاحب کی فقہ بقول محققین شرقاً وغرباً براو بحراساری روئے زمین پر ہمیشہ چھائی رہی، اور ہر زمانہ میں امت محمدیہ کے دوتہائی یا تین چوتھائی افراد ان کے ہی فقہ پر عامل رہے ہیں، اور مجھے امام بخاریؒ کے ممدوح اعظم حضرت عبداللہ بن مبارک کا یہ مقولہ کبھی نہیں بھولتا کہ ''امام ابوحنیفہؒ کی رائے مت کہو، بلکہ جو کچھ انھوں نے کہا اور بتلایا وہ سب حدیث نبوی کی مراد اور منشا ہے'' یعنی وہ شارع علیہ السلام کے صحیح ترین ترجمان تھے۔ ان کے مختارات کو ان کی رائے کہہ کر استخفاف کرنا ارشادات نبویہ کے جاں نثاروں کی شان سے بہت بعید ہے۔

راقم الحروف نے یہ پہلے بھی اپنے بڑوں سے نقل کیا تھا کہ ائمہ اربعہ کے اندر حق دائر ہے، اور وہ سب حق پر ہیں اور وہ سب تقریباً تین چوتھائی مسائل شرعیہ میں باہم متفق ہیں، اور ایک چوتھائی میں بھی حلال وحرام یا وجوب وکراہت کا اختلاف بہت ہی تھوڑے مسائل میں ہے۔

پھر اس موقع کی رعایت سے یہ بھی عرض ہے کہ، جس طرح انبیاء واولیائے کرام ایک دوسرے کے ساتھ محبت شفقت اکرام وعظمت کا برتاؤ کرتے ہیں۔ ائمۂ مجتہدین بھی ایک دوسرے کی باوجود فروعی اختلاف کے نہایت قدر ومنزلت کرتے ہیں، اسی لئے امام مالک، امام شافعی و امام احمدؒ سب ہی امام اعظمؒ کے قدر شناس اور مدحت گذار ہیں، جیسا کہ ہونا چاہیئے اس لئے جہاں کہیں اس کے خلاف دوسری قسم کا برتاؤ سامنے آتا ہے تو دل کو سخت تکلیف ہوتی ہے، اور بادل نخواستہ اس کو نقل بھی کرنا پڑتا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کرے۔ فروعی اختلاف کی بات اس لئے کہی گئی کہ الحمدللہ اصول وعقائد میں کہیں بھی کسی مسئلہ میں ائمہ اربع کی کچھ اختلاف نہیں ہے اور وہ بقول حضرات اکابر ''کأسرۃ واحدۃ'' (ایک کنبہ قبیلہ کی طرح) ہیں۔ **رحمهم الله رحمة واسعة و جعلنا ممن يتبعونهم و يعظمونهم. آمين**

اس کے بعد امام بخاریؒ کی دوسری تعریضات وتشنیعات کے مختصر جوابات لکھ کر ہم حنفیہ ومالکیہ کے وہ دلائل (احادیث وآثار) ہی ذکر کریں گے جن کی وجہ سے انھوں نے تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسرے مواضع صلوٰۃ میں ترک رفع یدین کو ترجیح دی ہے، امام بخاری نے الزام لگایا کہ امام صاحب نے عجم کے رہنے والوں کو سنت نبوی سے بے خبر رکھا لخ حیرت ہے کہ اتنی بڑی بات امام صاحب کی طرف منسوب کردی گئی، جس کی جراءت امام بخاری کے سوا کسی نے نہیں کی، جس کو امام بخاری نے ایک وجہ بھی قائم کی ہے کہ وہ عجمیوں میں گھرے ہوئے تھے، گویا اول تو ان کا غلط اثر امام صاحب نے لیا اور پھر ان کو بھی بے راہ کرنا آسان ہوا کہ وہ مرکز شرع شریف حرمین شریفین وغیرہ سے دور تھے، کیا کسی بھی اہل علم کے دماغ میں امام صاحب کے لئے ایسی بات آسکتی ہے؟! اچھا اگر تھوڑی دیر کے لئے امام بخاری کی اس بات کو درست بھی مان لیں تو امام مالکؒ کون سے عجمی ماحول میں تھے، وہ تو مدینہ طیبہ کے ساکن تھے اور انھوں نے جو کچھ اثر لیا تھا وہ تو مدینہ کے ساکنوں سے لیا تھا، وہ ترک رفع

کے قائل و عامل کیوں ہو گئے تھے، پھر اس سے بھی زیادہ حیرت اس پر کیجئے کہ امام مالکؒ کا موطأ (جس کو صحیحین کی بھی اصل کہا گیا ہے) اس کا جو نسخہ مروج ہے (بروایت یحیٰ مصمودی) اس میں حضرت ابن عمرؓ کی وہ روایت بھی نہیں ہے، جس میں رکوع کو جاتے ہوئے رفع یدین کا ذکر ہے، بلکہ صرف تکبیر تحریمہ کے علاوہ صرف رکوع سے سر اٹھانے کے وقت کے رفع یدین کا ذکر ہے اور اسی طرح دوسرے راویان موطأ یحییٰ بن عبداللہ، قعنبی، امام شافعی، معن و یحییٰ نیشاپوری وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے، جو امام بخاری و شافعی کے مسلک کے موافق نہیں ہوتا، لیکن امام محمدؒ نے جو امام مالک سے روایت کر کے موطأ مرتب کیا ہے (جو آپ کی ترتیب و روایت اور کچھ اضافات کے باعث موطأ امام محمد کے نام سے مشہور ہوا) اس میں رکوع میں جاتے ہوئے بھی رفع یدین کا ذکر موجود ہے امام بخاریؒ ایسے واسع العلم محدث جلیل کے علم میں وہ امام محمد والی روایت والا نسخہ بھی ضرور آ چکا ہوگا، کیا یہ بات عقل میں آ سکتی ہے کہ جس سنتِ نبویہ کو امام اعظمؒ نے سنت سے دشمنی اور بدعت کی محبت میں یا عجمیوں کی نگاہوں سے اوجھل رکھنے کے لئے مبہم و پوشیدہ کرنے کی تدبیر کی تھی، اس کو ان کا ایک تلمیذ رشید اس طرح روایت کر کے واشگاف کر دیتا۔

امام بخاریؒ نے یہ بھی امام معمر کا قول حنفیہ پر تعریض کرنے کے لئے نقل کیا کہ ترجیح الاول فالاول کو ہونی چاہئے اور یہ لوگ الآخر فالآخر کو مقدم کرتے ہیں، کیا ہم اس موقع پر کہہ سکتے کہ امام بخاریؒ سے قبل ایک سو کے قریب احادیث و آثار کے مجموعے تیار ہو چکے تھے، ان کے لکھنے والے امام بخاریؒ، حمیدی، عبدالرحمٰن بن مہدی، اسحٰق بن راہویہ، نعیم بن حماد خزاعی و محمد بن عرعرہ وغیرہ سے مقدم اور الاول فالاول کے مصداق تھے یا نہیں، اور ان کے لحاظ سے بعد کے محدثین کو الآخرین فالآخر میں داخل کریں گے یا نہیں؟ پھر کیا وجہ ہے کہ امام بخاری وغیرہ کے اساتذہ حدیث میں کسی نے بھی رفع یدین کے مسئلہ میں امام صاحب پر امام بخاری کی طرح تشنیع نہیں کی، اور حافظ ابوبکر بن ابی شیبہؒ نے تو اپنی عظیم المرتبت کثیر المنفعت تالیف ''مصنف'' میں ۱۲۵ مواضع میں امام صاحب پر نقد کیا ہے کہ ان مسائل میں امام صاحب نے حدیث کے خلاف کیا ہے، لیکن ان مسائل میں رفع یدین کا مسئلہ شامل ہے نہ قراءۃ خلف الامام کا جبکہ امام بخاری نے دونوں پر مستقل رسالے لکھ کر امام صاحب کے خلاف مواد جمع کر کے سخت و کرخت لہجہ میں طعن و تشنیع کو روا رکھا ہے۔

حافظ ابن ابی شیبہ کے جوابات اکابر امت نے لکھے ہیں، مگر اس وقت ہمارے سامنے علامہ کوثریؒ کا رسالہ ''النکت الطریفہ فی التحدث عن ردود ابن ابی شیبۃ علی ابی حنیفہ'' شائع شدہ ہے، جو محدثانہ و محققانہ طرز پر کافی و شافی جواب ہے، مشتغلین علم حدیث کے لئے اس کا مطالعہ نہایت بصیرت افزا ہے۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ نعیم مذکور امام صاحب کے بارے میں جھوٹی روایات گھڑ کر برائیاں ان کی طرف منسوب کیا کرتے تھے، اور وہ بخاری کے راوی بھی ہیں، اگرچہ وہ معانی الآثار میں ترک رفع یدین کے راوی بھی ہیں۔ (افادہ الشیخ الانورؒ)

موطأ امام محمد وغیرہ میں امام محمدؒ وغیرہ کسی باب میں مختلف احادیث و آثار نقل کر کے یہ بھی لکھ دیتے ہیں کہ ان میں سے فلاں حدیث ہماری معمولی بہ ہے یا اس کو ہم لیتے ہیں، یہ تو کسی حنفی عالم نے نہیں لکھا کہ ہم فلاں حدیث واثر کو اپنے بڑوں کے خلاف ہونے کی وجہ سے نہیں لیتے یا اس کو معمول بہ نہیں بناتے، موطأ امام محمد، کتاب الحجج امام محمد، کتاب الآثار امام محمد، کتاب الاثار امام ابو یوسف، مسند امام اعظم، یا جامع المسانید امام اعظم کس میں امام بخاری کے الزام و اتہام کا ثبوت مل سکتا ہے؟ کلا ثم کلا

افسوس ہے کہ اسی قسم کی تہمت اب تک بھی حنفی مسلک کو بدنام کرنے کے لئے اہل حدیث و غیر مقلدین اپنی کتابوں میں لکھ کر شائع کرتے رہتے ہیں۔ مولانا آزاد نے تذکرہ ص ۲۷ میں بلا کسی سند و حوالے کے یہ عبارت نقل کی:۔ **الاصل ان کل آیۃ و خبر تخالف قول اصحابنا فانھا تحمل علی النسخ او علی الترجیح والاولی ان تحمل علی التاویل الخ** یعنی جو آیت و حدیث بھی ہمارے اصحاب کے اقوال کے خلاف ہو، اس کو نسخ یا ترجیح پر محمول کرنا چاہئے، اور اولی یہ ہے کہ اس کی تاویل کر لی جائے اور یہ بھی نقل کیا کہ ہر

صورت میں اصحاب مذہب کے اقوال کی تصحیح ضروری ہے اور اسی پر ہر حال میں عمل کرنا ضروری ہے۔

یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ ایک نیک نام مذہب کے خلاف بے سند باتیں شائع کر کے اس کو بدنام کیا جائے، پھر ہندوستان کا حال تو مولانا آزاد پر خوب روشن تھا کہ عبدالحق محدث دہلوی سے لے کر خاندان شاہ ولی اللہ اور اکابر دیوبند تے جو کتاب وسنت کی روشنی پھیلائی اور ہمیشہ قال اللہ وقال الرسول ہی کا بول بالا کیا۔ کیا وہ اسی قسم کے غلط پروپیگنڈے کے مستحق تھے؟ جس طرح امام شافعیؒ سے یہ منقول ہے کہ صحیح حدیث ہی میرا مذہب ہے، اسی طرح امام اعظمؒ سے بھی ماثور ہے کہ میرے قول ومسلک کے خلاف جب بھی کوئی حدیث واثر سامنے آ جائے تو اس کے مقابلہ میں میرے قول کو چھوڑ دیا جائے اور بدعت وشرک کی مخالفت میں بھی حنفی مسلک سب سے آگے ہے، یوں بدنام کرنے والے بے سند حوالے کے جو چاہیں کہیں۔

''تذکرہ'' میں اور بھی بہت کچھ مسلک حق اور صحیح تاریخی واقعات کے خلاف مواد موجود ہے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ وغیرہ کے خلاف بے سند واقعات بھی نقل کر دیئے گئے ہیں، اگر چہ ان کے غیر معتمد ہونے کا بھی اشارہ کر دیا ہے، بھلا ایسے دروغ وبے فروغ کے نقل کرنے کا ہی کیا فائدہ تھا۔ بجز اس کے کہ غیر مقلدوں کے ہاتھ مضبوط کئے جائیں۔ واللہ المستعان۔

اعلام الموقعین بھی مولانا آزاد کی تحریک پر اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کی گئی، جس میں حنفی مسلک کے خلاف بہ کثرت غیر مستند باتیں درج ہیں۔ اور راقم الحروف نے کسی جگہ لکھا تھا کہ دو بڑوں میں کتنا فرق ہے، علامہ ابن تیمیہ فقہ حنفی سے بڑی حد تک مطمئن نظر آتے ہیں اور اس کے بالکل برعکس ابن القیم اس سے سخت برگشتہ ہیں۔

مولانا آزاد اتنے بڑے سلفی تھے، مگر انھوں نے یہ نہ دیکھا کہ طلاق ثلاث کا مسئلہ سلف وخلف، متقدمین ومتاخرین میں اور ائمہ اربعہ کے یہاں اور آٹھ سو سال تک کس طرح تھا، اور علامہ ابن تیمیہ وابن قیم نے آ کر اس کو کس طرح بدل دیا، اور ان دونوں کی عقیدت میں ۸ سو سال کی ساری روایات بھلا کر اپنی تفسیر ''ترجمان القرآن'' ص ۳۱۴/۱ میں یہ لکھ دیا کہ ''طلاق دینے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ تین مرتبہ، تین مجلسوں میں، تین مہینوں میں اور ایک کے بعد ایک واقع ہوتی ہے، اور وہ حالت جو قطعی طور پر رشتہ نکاح قطع کر دیتی ہے، تیسری مجلس، تیسرے مہینے، اور تیسری طلاق کے بعد وجود میں آتی ہے، اس وقت تک جدائی کے ارادے سے باز آ جانے اور ملاپ کر لینے کا موقع باقی رہتا ہے''۔

علامہ مودودی نے بھی تفہیم القرآن ص ۱۷۴/۱ میں اس بات کو صاف طور سے نہیں بتلایا کہ اگر کوئی شخص خلاف طریقہ مسنونہ ومستحبہ بیک وقت اپنی بیوی کو تین طلاق دے دے تو وہ تینوں طلاق واقع ہوں گی یا نہیں یوں تو وہ ہر جگہ تفصیل مذاہب بھی کیا کرتے ہیں، مگر یہاں گول کر گئے، اور ائمہ اربعہ وسلف وجمہور امت کا فیصلہ نہیں بتلایا کہ تینوں واقع ہو جائیں گی اور یہ کہ حالت حیض میں بھی طلاق دینے سے وہ واقع ہو جاتی ہیں بخلاف ما قال بہ ابن تیمیہؒ۔ شاید وہ بھی مولانا آزاد کی طرح اس مسئلہ میں علامہ ابن تیمیہ وابن القیم سے متاثر ہو گئے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

واضح ہو کہ امام بخاری نے مستقل باب "اذا طلقت الحائض یعتد بذلک" قائم کیا ہے، اور امام مسلم نے بھی حیض کی حالت میں طلاق واقع ہونے کو حدیث کی وجہ سے تسلیم کیا ہے نیز امام بخاری نے بھی حدیث نبوی سے وہی بات سمجھی ہے جو ساری امت نے سمجھی ہے کہ ایک لفظ سے تین طلاق دینے پر وہ تینوں ہی واقع ہو جاتی ہیں کیونکہ امام بخاری نے "باب من اجاز طلاق الثلاث" باندھا ہے اور حدیث ملاعنہ، پھر حدیث عسیلہ اور حدیث عائشہؓ کو روایت کیا ہے، جو تین طلاق دینے کے بارے میں ہیں، پھر امام شافعی وابن حزم نے تو یہ بھی کہہ دیا کہ جواز ثلاث کے ساتھ کوئی گناہ بھی نہیں ہے، لیکن حنفیہ اور دوسرے اکثر حضرات کے نزدیک یہ وقوع ثلاث گناہ کے ساتھ ہوگا (کما بسطہ ابن عبدالبر فی الاستذکار) پھر بہ کثرت دوسری احادیث بھی مروی ہیں کہ جو ایک لفظ سے بھی تین یا زیادہ طلاق دے گا تو تین واقع ہو جائیں گی، باقی لغو ہوں گی، یہی بات صحابہ وتابعین اور بعد کے حضرات سے ماثور ہے کما فی الموطأ ومصنف ابن ابی شیبہ وسنن البیہقی وغیرہا،

امام ابوبکر رازی جصاص نے احکام القرآن میں آیات، احادیث و اقوال سلف نقل کر کے لکھا کہ کتاب و سنت اجماع سلف کے بموجب تین طلاق ایک لفظ سے دینے پر واقع ہو جاتی ہیں اگرچہ اس طرح طلاق دینا معصیت ہے۔

علامہ ابوالولید باجی مالکی نے المنتقی شرح الموطأ میں لکھا:۔ جو شخص ایک لفظ سے تین طلاق دے گا، وہ واقع ہو جائیں گی یہ جماعت فقہاء کا فیصلہ ہے اور اس کی دلیل اجماع صحابہ ہے کیونکہ حضرت ابن عمر، عمران بن حصین، عبداللہ بن مسعود، ابن عباس، ابو ہریرہ اور حضرت عائشہؓ سے یہی مروی ہے اور ان کی مخالفت کسی نے نہیں کی ہے۔ علامہ ابن عبدالبر نے تمہید واستذکار میں سب سے زیادہ دلائل اس مسئلہ پر ذکر کئے ہیں اور اجماع کو بھی ثابت کیا ہے۔

حافظ ابن رجب حنبلی اپنی صغرسنی سے ہی علامہ ابن تیمیہ و ابن القیم کے بڑے معتقد و متبع تھے، پھر جب بہت سے مسائل میں ان کی غلطی محسوس کی تو عقیدت کم کر دی تھی اور مسئلہ طلاق ثلاث میں خاص طور سے ان دونوں کے رد میں رسالہ بھی لکھا "**بیان مشکل الاحادیث الواردة فی ان الطلاق الثلاث واحدة**" اس رسالہ میں آپ نے لکھا:۔ اس کو اچھی طرح جان لو کہ کسی صحابی یا تابعی یا ائمہ سلف سے (جن کا قول فتاویٰ حلال وحرام میں معتبر ہے، اس بات کی صراحت نہیں ملے گی کہ بعد دخول کے تین طلاق ایک شمار ہوں گی۔

ابوالوفا علامہ ابن عقیل حنبلی نے (جن کے علامہ ابن تیمیہ نہایت مداح و معتقد ہیں اور ان کے اقوال بڑے اہتمام سے نقل کیا کرتے ہیں) ''التذکر'' میں لکھا کہ اگر کوئی شخص "انت طالق ثلاثا الا طلقتین" کہے تو تینوں طلاق واقع ہو جائیں گی، کیونکہ اس نے اکثر کا استثناء کیا اور ایسا استثناء صحیح نہیں ہے۔''

علامہ ابن تیمیہ کے جد ابوالبرکات مجدالدین عبدالسلام بن تیمیہؒ مؤلف منتقی الاخبار نے اپنے کتاب ''المحرر'' میں لکھا کہ ایک کلمہ یا دو یا تین سے تین طلاق دے گا تو وہ سب واقع ہوں گی، اگرچہ اس طرح طلاق دینا بدعت ہے۔

علامہ ابن حزم بھی جو اکثر مسائل میں جمہور سے الگ ہو جایا کرتے ہیں، وہ بھی اس مسئلہ میں جمہور کے ساتھ ہیں کہ ایک لفظ سے تین طلاق واقع ہو جائیں گی۔ اس مسئلہ کی تفصیل و دلائل اپنے موقع پر آئیں گے، ان شاءاللہ، یہاں چونکہ استطراداً ترجمان القرآن کا ذکر آ گیا اور یہ معلوم ہوا کہ اس دور کے جاہل حنفی ان کی تفسیر کے اس مسئلہ سے غلط فہمی میں پڑتے ہیں، تین طلاق کو ایک خیال کر کے بغیر حلالہ کے اپنی بیویوں سے رشتہ نکاح کو باقی سمجھتے ہیں اور اس طرح حرام کے مرتکب ہوتے ہیں، اس لئے یہاں کچھ لکھنا پڑا، نیز ملک میں دوسرے بعض تیمی خیال حضرات بھی یہ چاہتے ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک تصور کرنے کے ابن تیمیہ والے مسلک کو عام کیا جائے، اس لئے پیش بندی کے خیال سے یہ سطور بڑھا دی گئیں۔ واللہ المسئول للہدایۃ، مسئلہ طلاق ثلاث کی بحث مکمل و مدلل "**الاشفاق علی احکام الطلاق**" للکوثریؒ میں شائع شدہ ہے، اردو میں علامہ مفتی مہدی حسنؒ (مفتی دارالعلوم دیوبند) کا رسالہ بھی جامع و مانع اور شائع شدہ ہے۔ اور ہمارے قریبی دوست مولانا عامر عثمانی مرحوم نے تو ''تجلی'' کے تین نمبروں میں اتنا کچھ مواد پیش کر دیا تھا کہ انصاف پسند اردو داں طبقہ کے لئے اس سے زیادہ مفید مؤثر و مدلل کافی وشافی لکھ دینا سہل ممتنع ہے۔ **جزاه الله عنا وعن سائر الامة خير الجزاء**

(نوٹ) افسوس ہے کہ عامر صاحب کو علامہ کوثری کا مذکور رسالہ باوجود تلاش بسیار کے بھی دیوبند وغیرہ میں نہ مل سکا تھا، پھر بھی انھوں نے مراجعت اصول کر کے اور بڑی محنت و کاوش برداشت کر کے جتنا کچھ لکھ دیا وہ ان ہی کا حصہ و حوصلہ تھا، کیونکہ انھوں نے بہت سے جماعت اسلامی کے اپنے خصوصی احباب کے دیرینہ تعلقات کی بھی رعایت کلمہ حق کہنے کے مقابلہ میں نہیں کی تھی۔ اب ایسے دل گردے کے انسان کہاں ہیں؟! احقر کا احساس یہ ہے کہ آخر میں انھوں نے یہ مضمون اور قادیانیت کے خلاف جو کچھ لکھا، وہ ان کی آخرت کے لئے عظیم القدر ذخیرہ بنا ہوگا۔ **وما ذلک علی الله بعزيز**

رفع یدین کو بدعت کس حنفی نے لکھا؟ ہمارے سب اکابر متقدمین اور اب حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی یہی ثابت کیا کہ رفع یدین بھی سنت نبویہ ہے اور ترک رفع بھی سنت نبویہ وسنت صحابہ وتابعین ہے، اختلاف صرف اولی وافضل کا ہے، مکروہ وغیر مکروہ کا بھی نہیں، ہمارے حضرات میں سے آخری دور میں مولانا اسماعیل شہیدؒ نے رفع یدین شروع کیا تھا، اور ایک رسالہ بھی اس بارے میں لکھا تھا، ان کو خیال ہوگیا تھا کہ یہ سنت مردہ ہوگئی ہے، اس کو زندہ کرنے میں سو شہیدوں کا ثواب ملے گا، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کو معلوم ہوا تو انھوں نے حضرت شاہ عبدالقادرؒ سے فرمایا:۔ ان کو سمجھا دیں کہ رفع وترک دونوں ہی سنت ہیں، اور دونوں ہی امت میں معمول بہا ہیں، ان میں سے کسی کو مردہ سنت خیال کر کے اس کو جاری کرنا غلط ہے، تو اس کے بعد مولانا اسماعیل صاحبؒ نے اپنی رائے سے رجوع کرلیا تھا اور رفع یدین کرنا چھوڑ دیا تھا۔ مولانا کرامت علی جونپوری نے ''ذخیرۂ کرامت'' ص۲۲۴/۲ میں اس طرح نقل کیا ہے کہ مولانا شہیدؒ نے اپنے مرشد حضرت سید احمد صاحب قدس سرہٗ کے سمجھانے پر رجوع کیا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (برہان جولائی ۸۷ء)

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ شاہ ولی اللہؒ پر ایک زمانہ تک عدم تقلید کی طرف بھی رجحان رہا ہے اور انھوں نے رفع یدین کو بھی ترجیح دی تھی مگر آخر میں وہ حنفیت کی طرف زیادہ مائل ہوگئے تھے اور شاہ عبدالعزیزؒ وغیرہ تو نہایت درجہ مسلک حنفی کے پابند تھے اس لئے میں نے لکھا تھا کہ ہمارے اکابر دیوبند کے فکری ومسلکی امام بکل معنی الکلمہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ تھے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ امام اعظمؒ کے نہ صرف تلمیذ اعظم بلکہ آپ کے عاشقین صادقین میں سے تھے اور شاید صرف معدودے چند مسائل میں ہی امام صاحبؒ سے الگ رائے اختیار کی ہوگی اور ان میں سے ہی یہ رفع یدین کا مسئلہ ہے، اور یہ اختلاف بھی بہت معمولی نوعیت کا صرف اولویت کا تھا، اور امام صاحبؒ کے ظرف عالی کی داد دینی چاہیئے تھی کہ اپنے شاگرد کی بات پر ذرہ بھر ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا، اس کے برعکس امام ہمام پر یہ ریمارک کیا موزوں تھا کہ وہ گمراہ تھے اور عالی گمراہوں کی طرح جواب ہی کے لئے مدونہ ملنے پر ساکت وحیران رہ گئے۔ والی اللہ المشتکی۔

امام اعظم پر بے علمی کا طعنہ

آخر میں ہمیں اس پر بھی کچھ لکھنا ہے، کیونکہ اتنی بڑی جسارت بھی امام ہمام کے بارے میں امام بخاریؒ کے سوا کسی نے ہمارے علم میں نہیں کی ہے۔ اور اس کو انھوں نے اپنے رسالہ میں بار بار دہرایا ہے کہنے اور لکھنے میں ہر ایک کو آزادی حاصل ہے، مگر کیا وہ مقتدر ہستی جس نے مسلسل تمیں بتیس سال تک درس وتدریس اور افتاء وقانون سازی کا وہ لافانی کام انجام دیا جو مذہب حنفی کی بنیاد ہے، اور جس نے چالیس علماء فحول کی مجلس تدوین فقہ قائم کر کے ساڑھے بارہ لاکھ قانونی مسائل کے جوابات مرتب کرائے، جو ان کی زندگی ہی میں الگ الگ عنوانات کے تحت مرتب ہو کر عباسی، السلجوقی، عثمانی اور مغل سلطنتوں کا قانون بن گئے تھے اور ان کے سات آٹھ سو تلامذۂ کبار دنیائے اسلام کے مختلف علاقوں میں پہنچ کر درس و افتاء کے مسند نشین اور ساری امت مسلمہ کی عقیدتوں کے مرکز بن گئے تھے، ان کے تقریباً پچاس تلامذۂ قانون اسلامی ایسے حاذق وماہر نکلے کہ جو سلطنت عباسیہ کے قاضی اور جج مقرر ہوئے، اور ہر دور میں امت محمدیہ کے دو تہائی یا تین چوتھائی افراد علماء وعوام ان کے فقہ کی پیروی کرتے رہے ہیں، کیا ایسی عظیم وجلیل شخصیت کے لئے بے علمی کا طعنہ زیب دیتا ہے اور وہ بھی امام بخاری ایسے عظیم المرتبت قابل صد احترام کی جانب سے؟!

ــــہ بسخت جان زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

یہاں امام اعظمؒ کی شاندار علمی زندگی اور ان کے زندۂ جاوید علمی کارناموں کا تذکرہ موجب طوالت ہوگا، مقدمۂ انوار الباری میں اور پھر ضمناً بھی کچھ نہ کچھ لکھا ہی گیا ہے، اور آئندہ بھی حسب ضرورت لکھیں گے ان شاء اللہ، قریبی دور میں علامہ کوثریؒ اور شیخ ابوزہرہ مصریؒ نے بھی نئے طرز میں کافی تحقیق سے لکھ دیا ہے۔

''خلافت وملوکیت'' میں علامہ مودودی نے بھی باب ہفتم وہشتم میں جو قیمتی ذخیرہ امام اعظمؒ کے بارے میں یکجا کر دیا ہے وہ بھی قابل مطالعہ ہے، یوں ہمیں علامہ کے بہت سے نظریات سے اختلاف بھی ہے مذکورہ بالا کتاب میں بھی ہمارے نزدیک متعدد مقامات مخدوش ہیں، ان کے لئے مولانا محمد تقی عثمانی عم فیضہم کی کتاب ''حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق شائع کردہ الجمعیۃ بکڈپو دہلی کا مطالعہ کیا جائے۔ اوران کی تفسیر پر بھی ہمارے تقریباً ایک سوایرادات ہیں، مگرانصاف یہ ہے کہ کسی کی بہتر خدمت وسعی کی داد نہ دینا بھی غیر موزوں بات ہے۔ واللہ المسئول للحق والصواب۔

ترجیح ترک رفع یدین کی احادیث

(۱) سب سے پہلی دلیل وحجت تو حدیث عبداللہ بن مسعودؓ ہے، جس کو خود امام اعظمؒ نے بھی امام اوزاعی سے مناظرہ کے وقت پیش کیا تھا، جبکہ امام اوزاعی نے یہی بخاری والی حدیث زہری عن سالم عن ابن عمر پیش کی تھی، اور فرمایا تھا کہ اے امام! آپ کی بات ترک رفع کی کیسے صحیح ہوسکتی ہے جبکہ ایسی عالی سند کے ساتھ ہم رفع کی حدیث پیش کر رہے ہیں؟ اس پر امام اعظمؒ نے جواب دیا تھا کہ ہم سے حماد نے عن ابراہیم عن علقمۃ والاسود عن ابن مسعودؓ روایت کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ صرف افتتاح صلوٰۃ کے وقت رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے، امام اوزاعی نے کہا کہ میں تو آپ کے سامنے ایسی عالی سند کے ساتھ زہری عن سالم عن ابیہ والی روایت پیش کر رہا ہوں اور آپ حماد الخ کو مقابلہ میں لارہے ہیں جبکہ اس کی سند اتنی عالی نہیں ہے، اس پر امام صاحب نے فرمایا کہ آپ نے صرف سند کا علو دیکھا اور یہ خیال نہ فرمایا کہ ہماری روایت کے ایک راوی حماد ہیں جو زہری سے افقہ ہیں، دوسرے ابراہیم ہیں جو سالم سے افقہ ہیں، تیسرے علقمہ ہیں جو فقہ میں ابن عمر سے کم نہیں ہیں۔ اور اگر حضرت ابن عمر کے فضل صحبت پر نظر کی جائے تو علقمہ کے ساتھ اسود بھی ہیں جن کے لئے فضل کثیر ثابت ہے، پھر آگے روایت کرنے والے حضور اکرم ﷺ سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں ان کی بڑائی عظمت وفضل کا تو ذکر ہی کیا؟ یہ سن کر حضرت امام اوزاعیؒ خاموش ہوگئے۔

اس مناظرہ کا حال ہمارے شیخ ابن الہمام صاحب فتح القدیر نے لکھ کر فرمایا کہ امام اوزاعی نے تو حدیث رفع یدین کی تائید علو سند سے کی تھی، ہمارے امام صاحب نے حدیث ترک کی تائید فقہ رواۃ سے کی، اور یہی بات زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے (اور شاید اسی لئے امام اوزاعی نے سکوت اختیار فرمایا)

علامہ ملا علی قاریؒ (شارح مشکوۃ شریف) نے لکھا کہ بعض لوگوں نے یہ بات بھی چلتی ہوئی کہدی ہے کہ امام صاحب اور آپ کے اصحاب کو بخاری والی روایت نہ پہنچی ہوگی، حالانکہ یہی بخاری والی روایت تو مناظرہ کے وقت پیش کی جارہی تھی جو بہت بعد کو امام بخاری کو پہنچی، اور اس کو انھوں نے صحیح بخاری میں درج کر دیا ہے اور چونکہ وہ اپنے اختیار کردہ مسلک کے خلاف والی حدیث کی روایت کرتے ہی نہیں، اس لئے عبداللہ بن مسعود کی روایت کو بخاری میں نہیں لیا ہے، علامہ قاری نے اس موقع پر یہ بھی لکھا کہ احادیث نبویہ صحیحہ **نصر اللہ امرا سمع منا شیئا** الخ اور رب حامل فقہ غیر فقیہ ورب حامل فقہ الی من ہو افقہ منہ سے بھی امام صاحب ہی کے اصول کی تائید ہوتی ہے کہ راوی غیر فقیہ سے فقیہ وافقہ راوی کی روایت زیادہ قوی ومحکم ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام اعظم کے شرعی فیصلے اپنی رائے سے نہیں بلکہ احادیث نبویہ ہی کی روشنی میں ہوتے تھے، اور حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی یہ بات بالکل صحیح تھی کہ ابو حنیفہؒ کی رائے مت کہو کیونکہ وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ سب حدیث نبوی ہی کے مطالب ومعانی ہوتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو ترک رفع کی ترجیح کے لئے یہ روداد مناظرہ ہی کافی ووافی ہے کیونکہ یہ مناظرہ امام صاحب کا کسی معمولی شخص سے نہیں

۱؎ اسود اخص تلامذہ حضرت ابن مسعودؓ تھے، حضرت عائشہؓ سے مہمات امور شرعیہ میں بہ کثرت سوالات کیا کرتے تھے، برادر علقمہ کے بیٹے تھے کوئی سال نہیں ترک کیا جس میں حج نہ کیا ہو، حضرت عائشہؓ کی خدمت میں ہدایا بھیجا کرتے تھے، رواۃ کوفہ میں سے ہیں اور ان کا مذہب ترک رفع یدین تھا، اس سے ان کی جلالت قدر، اپنے اکابر اساتذہ سے علمی استفادات کے بعد ان کے مختارات کی قیمت پہچانی جائے (افادۂ انور)

ہوا تھا، امام اوزاعی بڑے فقیہ، مجتہد و محدث و متکلم تھے، اسی لئے ایک عرصہ تک باقاعدہ ان کا مذہب بھی امت کے اندر جاری رہا تھا۔ اس لئے بعد کے حضرات، سے ان کا کیا مقابلہ جو دوسری صدی میں آئے، اور ان کے مذہب و مسلک کا چلن چند روز کے لئے بھی نہ ہو سکا، اور یہی وجہ ہے کہ وہ امام صاحب کی دلیل سن کر خاموش ہو گئے، جس طرح امام صاحب اپنے تلمیذ ابن مبارک کی بات طیران والی سن کر خاموش ہو گئے تھے، اس کو امام بخاری نے امام صاحب کی غوایت (گمراہی بتلائی) حالانکہ حق بات سن کر خاموش رہنا یا تسلیم ہی صحیح طریقہ ہے امام صاحب جانتے تھے کہ رفع و ترک دونوں ہی سنت ہیں اگر شاگرد نے دوسری سنت کو اختیار کر لیا اور اپنی ذہانت سے اس کے لئے ایک توجیہ بھی نکالی تو اس میں کیا مضائقہ ہے، پھر وہ اس لئے بھی خاموش ہوئے ہوں گے کہ عبداللہ بن مبارک کی اس توجیہ کے بعد کوئی یہ نہ کہہ دے کہ حضور علیہ السلام نے تشہد کے بعد سلام پھیرنے کے وقت جو نکیر فرمائی کہ یہ کیا شریر و شوخ گھوڑوں کی طرح ہاتھ اٹھا اٹھا کر اشارے کر رہے ہو۔

نماز میں سکون کو لازم پکڑو یہ حدیث صحیح مسلم شریف وغیرہ کی ہے، جب حضور علیہ السلام نے ختم نماز پر بھی سکون کی تاکید فرمائی، تو کیا نماز کے اندر بار بار ہاتھ اٹھانے کو پسند فرماتے، ہاں حسب تحقیق حضرت استاذ الاساتذہ شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہ صحیح صورت حال یہ معلوم ہوتی ہے کہ ابتدائی دور رسالت میں توسع تھا، ہر تکبیر پر بھی رفع یدین ہوا ہے، جس کے بارے میں امام اوزاعی نے بھی فرمایا تھا کہ یہ پہلی بات تھی، پھر پانچ چھ بار ہاتھ اٹھانے کی بات باقی رہی کہ امام بخاری نے علاوہ قبل الرکوع و بعد الرکوع کے دوسرے رفع بھی حدیث سے ثابت کئے ہیں اور غالباً ان کا مسلک بھی امام شافعی وغیرہ سے زیادہ بار ہی نماز میں رفع یدین کا ہے اس کے بعد یہ دو بار کا باقی رہا، جس کے امام احمد و امام شافعی قائل ہوئے، اور ابن عمر کی مذکورہ بالا روایت سے ثابت ہیں، پھر آخر میں دائرہ اور بھی تنگ کر دیا گیا کہ صرف ابتداء صلوٰۃ میں رفع یدین باقی رہا، اور سب مرجوح ہو گئے اور اسی آخری سنت نبویہ پر اہل مدینہ عامل تھے اور سارے اہل کوفہ بھی جہاں پر سینکڑوں صحابہ جا کر آباد ہوئے تھے۔ اسی لئے حضرت امام مالکؒ و امام ابو حنیفہؒ اور دونوں کے اصحاب و متبعین نے ترک رفع کو ترجیح دی، لیکن بدعت رفع یدین کو بھی نہیں کہا، اور امام مالک سے تو ایک قول کراہتِ رفع یدین کا ہے بھی، امام اعظم سے ایسا بھی نہیں ہے، نہ کبارِ حنفیہ میں سے کسی نے اس طرح طعن و تشنیع رافعین پر کی، جس طرح دوسروں نے حنفیہ و مالکیہ پر کی ہے،

حضرت شاہ صاحبؒ نے درسِ بخاری میں فرمایا تھا کہ یہ حدیث جو بخاری لائے ہیں مالک بن حویرثؓ کی ہے جو بصرہ میں تھے اور حدیث ابن عمرؓ کی لائے ہیں جو مدینہ میں تھے، پھر فرمایا کہ مکہ معظمہ کے لوگوں میں رفع یدین کے نقل کرنے والے سب کم عمر کے ہیں، اور اہل کوفہ تو سب ہی ترکِ رفع کی روایت کرتے ہیں، پھر صحابۂ کرام میں سے حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت براء بن عازبؓ (بڑی عمر کے صحابہ) سب ترکِ رفع کرتے تھے (کمارواہ ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ ص ۲۳۶؍۱) ان بڑوں کے مقابلہ میں حضرت ابن عمر وغیرہ کی روایت کو کیسے ترجیح دی جا سکتی ہے۔

امام بخاری نے جزءِ رفع یدین میں اس بات پر بھی خفگی کا اظہار کیا ہے کہ ابن عمر کو لوگ کم عمر کا بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں صغیر تھے، اور جوابی طور سے امام بخاری نے لکھا کہ حضور علیہ السلام نے ان کو رجل صالح کہا ہے، کوئی بتلائے کہ وصفِ صلاح کی وجہ سے ان کے صغیر السن ہونے کی نفی کیسے ہو گئی، اور کیا صلاح کی وجہ سے وہ کبارِ صحابہ کی صف میں شامل ہو گئے؟ اس سے بھی بڑی مشکل یہ ہے کہ امام بخاریؒ کے استاذِ حدیث محدثِ شہیر ابن ابی شیبہؒ نے (جو امام اعظم کے بڑے مخالفین میں بھی ہیں اگرچہ امام بخاری سے کم ہیں) ایک روایت اپنے مصنف ص ۲۳۷؍۱ میں ابوبکر بن عیاش عن حصین عن مجاہد یہ بھی روایت کر دی کہ میں نے حضرت ابن عمر کو نہیں دیکھا کہ وہ بجز افتتاحِ صلوٰۃ کے نماز میں کسی جگہ رفعِ یدین کرتے ہوں،

اس سے معلوم ہوا کہ خود راویِ حدیثِ بخاری ابن عمرؓ نے بھی عملاً ترکِ رفع کر دیا تھا۔ اور یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ جو راوی خود اپنی روایت

کے خلاف عمل کرے وہ اس کی روایت کے مرجوح ومتروک العمل ہونے کی علامت ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس کے بعد ملاحظہ کیجئے کہ امام ترمذی نے بھی اس حدیثِ عبداللہ بن مسعود کی روایت کی اور تحسین بھی کی۔ بلکہ ایک نسخۂ ترمذی کے مطابق ان کی حدیث پر ترک رفع یدین کا باب بھی باندھا، جو متداول مطبوعہ نسخوں میں نہیں ہے۔

امام ابوداؤد نے مستقل باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع قائم کر کے حدیث ابن مسعود کو ذکر کیا، پھر دوسری حدیث حسن بن علی سے نقل کی کہ نماز میں ایک ہی بار شروع میں رفع یدین کیا ہے، پھر حضرت براء سے حدیث روایت کی کہ رسول اللہ علیہ شروع نماز پر رفع یدین کرتے تھے، پھر نہیں کرتے تھے، اور آخر میں حضرت ابو ہریرہ سے بھی حدیث روایت کی کہ رسول اللہ علیہ جب نماز میں داخل ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھ دراز کر کے اٹھاتے تھے۔ بذل المجہود میں رفع وترک کی بحث پوری تفصیل ودلائل کے ساتھ قابلِ مطالعہ واستفادہ ہے)

امام نسائی نے باب رفع الیدین حذو المنکبین عند الرفع من الرکوع قائم کر کے حدیثِ ابن عمرؓ روایت کی۔ پھر آگے دوسرا باب الرخصة فی ترک ذلک لائے، جس میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ذکر کی کہ رسول اللہ علیہ کی نماز میں صرف ایک بار رفع یدین تھا۔

اسی طرح محدث ابن ابی شیبہ نے ایک باب "من کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوٰة" قائم کر کے رفعِ یدین کی روایات جمع کیں تو دوسرا باب "من کان یرفع یدیه فی اول تکبیرة ثم لا یعود" قائم کیا، جس میں ترک رفع کی احادیث ذکر کیں۔ (ص۲۳۴\۱ تا ص۲۳۷\۱) ابن حزم نے محلی میں حدیث ابن مسعودؓ روایت کر کے اس کی تصحیح بھی کی۔ مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے جو مع تصحیح کے درج ہے۔ دار قطنی نے بھی اس کو مع تصحیح کے روایت کیا۔ ابن القطان ودار قطنی وامام احمد نے تصحیح کے ساتھ لفظ ثم لم یعد کو منکر بتلایا اور یہ اس لئے کہ محدثین کی عادت ہے کہ وہ ایک ایک لفظ پر ڈیرے ڈال کر چھان بین کرتے ہیں، اور جب کسی لفظ میں شبہ ہو تو منکر کہہ دیتے ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ حدیثِ صحیح کا سارا مضمون ہی مشتبہ یا منکر ہو گیا بلکہ صرف اس لفظ کے بارے میں منکر ہونے کا حکم ہوتا ہے، اگرچہ اسی لفظ کے ہم معنی دوسرے الفاظ دوسری احادیث صحیحہ کے معروف اور غیر منکر ہوں، چنانچہ دوسری احادیث میں جو یہ آیا ہے کہ صرف ایک مرتبہ شروع میں رفع یدین ہوا، یا افتتاح صلوٰۃ کے علاوہ نہیں ہوا، وہ الفاظ زیر بحث نہیں آئے ہیں۔

اس کے علاوہ امام محمدؒ نے اپنے موطأ میں، امام طحاوی نے اپنی شرح معانی الآثار میں، امام بیہقی نے سنن میں، سب ہی نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت کو ذکر کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک کا قول جو امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کے بارے میں ذکر کیا وہ بھی اس روایت کے مرفوع ہونے کے بارے میں ہے خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فعل ترکِ رفع کے وہ بھی منکر نہیں ہیں، چنانچہ خود ان کی اپنی روایت نسائی میں موجود ہے۔ جو امام نسائی نے ترکِ رفع کے باب میں نقل کی ہے۔ اور جس طرح محدثین نے ایک ایک لفظ پر بحث کی ہے، رفع ووقف کے بارے میں بحث وتحقیق سب نے کی ہے اور جس کو بھی مثلاً رفع کے بارے میں اطمینان نہ ہوا اس نے اس کا انکار کر دیا اور جس کو اطمینان ہوا اس نے مرفوع ہونے کی صراحت کر دی۔ پھر جبکہ اس امر کو سارے ہی محدثین کبار نے تسلیم کر لیا کہ خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ہمیشہ ترک رفع کیا، اور آپ کے اصحاب نے بھی، جن میں بہ کثرت صحابہ بھی تھے، اور سارے اہل کوفہ تارکینِ رفع تھے۔ مدینہ طیبہ کے ساکنین حضرت امام مالک کے زمانہ میں تارکینِ رفع تھے، اور دوسرے بلادِ اسلامیہ میں بھی ضرور حضرت ابن مسعودؓ، حضرت علیؓ وغیرہ کبارِ صحابہؓ کے عمل کو دیکھ کر ترکِ رفع ہی پر عامل ہوں گے، اور بقول حضرت علامہ کشمیریؒ مدینہ میں بھی تعامل ترکِ رفع کی وجہ سے ہی حضرت ابن عمر کو یہ خیال آتا ہوگا کہ کہیں رفع یدین کی سنت بالکل متروک ومنکر ہی نہ بن جائے، اور اسی لئے وہ کچھ لوگوں کو کنکری بھی مار کر توجہ دلاتے ہوں گے۔ اس سے کیا ہوا جبکہ سنت تو رفع وترک دونوں ہی تھیں، حضرت ابن عمر اپنے اس جذبہ میں سب سے ممتاز تھے ہی کہ حضور علیہ السلام کی کوئی سنت

متروک نہ ہونے پائے، اور وہ ہر ہر سنتِ نبویہ پر بڑی سختی سے عمل کرنے کے عادی تھے۔ اس سے بعد کے حضرات نے حنفی مسلک کو گرانے کے منصوبہ کے تحت سندوں کو آڑ بنا کر وہ سب کیا، جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے اور اب تک بھی معاندین حنفیہ ایسے ہی طریقوں کو اپنا کر خلاف پروپیگنڈے کرتے رہتے ہیں۔ والی اللہ المشتکی۔

امام بخاری کا غیر معمولی تشدد

ان شاء اللہ العزیز اس مسئلہ کی پوری بحث پڑھ کر ناظرین فیصلہ کرلیں گے کہ کیا واقعی امام صاحب احادیث وآثار وسنن نبویہ سے نفرت کرنے والے تھے اور بدعت ان کے لحم ودم میں سرایت کر گئی تھی، جیسا کہ امام بخاری جیسے عالی مرتبت نے ان پر الزام لگایا، اور بخاری میں بھی کتاب الاکراہ ص ۱۰۲۷ وص ۱۰۲۸ میں دوجگہ قال بعض الناس کہہ کر امام صاحب کو مطعون کیا ہے، اسی موقع پر حضرت شاہ صاحبؒ نے درسِ بخاری میں فرمایا تھا کہ امام بخاری نے یہاں امام اعظمؒ پر تشنیع کی ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں فقہِ حنفیہ سے پوری واقفیت حاصل نہ تھی اگرچہ وہ کہتے یہی تھے کہ فقہِ حنفی کا مطالعہ کیا ہے لیکن ان کی کتاب سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انہیں اس کا تحقیقی علم نہ تھا اور کچھ باتیں بے تحقیق بھی سنی تھیں اور ان کا یقین کرلیا تھا، پھر ان پر اعتراضات کرتے رہے جو ان کی شان وجلالتِ قدر کے لئے موزوں نہ تھے، وہ اگر صحیح طور سے جانتے کہ فقہِ حنفی میں اکراہ کی حقیقت کیا ہے تو اعتراض نہ کرتے۔ ان مسائل کی تحقیق اپنے موقع پر آئے گی۔ ان شاء اللہ

حضرتؒ نے پھر کتاب الحیل میں بھی فرمایا کہ اس کتاب میں ۱۹ جگہ امام صاحب پر حملے کئے ہیں، اور یہاں تک کہہ دیا کہ امام صاحب نے مسلمانوں میں فداع وفریب کو رائج کر دیا، ایک جگہ کہہ دیا کہ امام صاحب نے ہبہ کے بارے میں رسولِ اکرم ﷺ کی مخالفت کی ہے اور زکوٰۃ ساقط کردی ہے۔ (بخاری ص ۱۰۲۹ تا ص ۱۰۳۲)

حضرتؒ نے فرمایا کہ امام بخاری نے جوازِ حیلہ اور نفاذِ حیلہ میں فرق نہیں کیا، اس لئے جتنے اعتراض قول بالجواز پر ہو سکتے تھے وہ سب قول بالنفاذ پر کر گئے۔ حالانکہ دونوں میں واضح فرق ہے کیونکہ ایک چیز کا ارتکاب شرعاً ممنوع وناجائز ہوتا ہے تاہم اس کو کوئی کر گذرے تو اسکو واقع تو ماننا ہی پڑے گا، جس طرح کوئی زمانۂ حیض میں طلاق دے جو شرعاً محظور وممنوع ہے، تو اس کو واقع ونافذ تو ماننا ہی پڑے گا۔ الخ حضرت شاہ صاحبؒ نے ہر بعض الناس پر پوری تفصیل کر کے مدلل وشافی جوابات دیئے ہیں جو ان شاء اللہ اپنے موقع پر ذکر کئے جائیں گے۔ (یہاں یہ بات ضمناً یاد آگئی، اس لئے اشارہ کر دیا گیا)۔

حدیثِ ابن مسعودؓ کی بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ بیشتر اکابر محدثین نے اس کو تسلیم کیا ہے اور اس سے تو کسی نے بھی انکار نہیں کیا کہ خود ان کا عمل ترکِ رفع ہی تھا اور ہمیشہ رہا، حتیٰ کہ ابن مبارک بھی اس سے منکر نہیں ہوئے، اس پر بھی امام بخاری کے اس دعوے کو کیا کہیں گے کہ کسی صحابی سے ترکِ رفع ثابت نہیں ہوا۔ کیا ابن مسعودؓ صحابی نہیں تھے؟ اور صحابی بھی ایسے کہ برسول حضور علیہ السلام کے ساتھ سایہ کی طرح بطور خادمِ خاص رہے، اور ایسے کمالات کے صحابی کہ حضرت عمرؓ ایسے جلیل القدر صحابی اور دوسرے حضرات نے ان کے علم وفضل کی تعریف بے حد وغایت کی ہے، اس کے باوجود اگر ان سے ساری عمر میں کوئی لغزش ہوگئی ہے یا نسیان کہ وہ معصوم تو بہر حال نہ تھے تو ان کی ترکِ رفع کو بات کو گرانے کے لئے اتنی باتیں نکالی گئیں کہ حد وبس ہے، کیا یہی انصاف کا تقاضہ تھا؟ کیا امام بخاری کا یہ دعویٰ سارے محدثین کی تصریحات اور تاریخی حقیقت کے خلاف نہ تھا؟ اس پر اگر ہم کچھ عرض کریں تو سارے اہلِ حدیث بھائیوں کو شکوہ کہ امام بخاری کا ادب نہیں کیا۔ ''کوئی بتلائے کہ اب ہم کیا کریں؟'' کوئی یہ نہ سمجھے کہ انہیں امام بخاری کا بڑا ادب ملحوظ ہے، ورنہ سب ہی بڑے ان کی نظر میں ایک ہوتے ان کا مقصدِ وحید تو صرف اپنی مزعومہ سلفیت کی تائید اور ائمۂ مجتہدین کے خلاف اپنے الگ مسلک کی ترویج ہے، چونکہ حسب تصریح

صاحب دراسات اللبیب وغیرہ امام بخاری بھی ''اصحاب الظواہر'' میں سے تھے، اور ان کے فقہی مسلک اور روایات سے ان کو فائدہ پہنچتا ہے، پھر ان کی مخالفتِ حنفیہ سے بھی ان کا دل خوش ہوتا ہے، اس لئے ان کے ادب کی آڑ لے کر ہمیں مطعون کرنا چاہتے ہیں۔ والعلم عند اللہ

۱۲، حدیث براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو رسول اکرم ﷺ جب افتتاحِ صلوٰۃ کی تکبیر کہتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھ اس طرح اٹھاتے کہ ان کے انگوٹھے دونوں کانوں کی لو تک پہنچ جاتے تھے، پھر نہیں اٹھاتے تھے (ابن ابی شیبہ ابوداؤد وطحاوی) ابوداؤد نے اس کے طرقِ روایت میں کلام بھی کیا ہے، جس کا مفصل رد وجواب تنسیق النظام میں دیکھا جائے (معارف واوجز)

نیز معارف السنن ص ۲/۴۸۹ میں لکھا کہ سفیان ثوری، ابن ابی لیلیٰ، ہشیم، شریک، اسماعیل بن زکریا، اسرائیل بن یونس اور حمزہ زیات سب ہی یزید بن ابی زیاد سے بہ لفظ ''ثم لا یعود'' روایت کرتے ہیں اور شعبہ نے بھی اس کے مرادف وہم معنی لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے، پھر بھی کیا انصاف کا تقاضہ اس روایت کو ساقط کرنے ہی میں ہے؟ اور سارا جھگڑا اس لئے کھڑا کیا گیا ہے کہ یہ ان کے مسلک کے خلاف ہے، اور حق یہ ہے کہ اس روایت کو ساقط کر دینا کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے کلا ثم کلا. الخ۔

(۳) حدیثِ عباد بن الزبیرؓ مرسلاً کہ رسول اکرم ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو اولِ صلوٰۃ میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر ختم نماز تک کسی موقع پر نہ اٹھاتے تھے۔ (بیہقی فی الخلافیات کمافی نصب الرایہ ص ۱/۴۰۴) حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے اس کے رجالِ سند کی تحقیق کی تو حدیث کو صحیح پایا۔ بعض کتبِ حنفیہ میں غلطی سے اس حدیث کو عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، جس پر ابن جوزی نے تشنیع کی ہے مجمع الزوائد میں بھی غلطی ناسخین سے عبداللہ بن زبیر ہی درج ہوگیا ہے۔ باقی تفصیل نیل الفرقدین ص ۱۲۴ میں ہے (معارف ص ۲/۴۹۶ واوجز)

(۴) حدیثِ ابن عمرؓ مرفوعاً کہ نبی اکرم ﷺ افتتاحِ صلوٰۃ کے وقت رفع یدین کرتے تھے، پھر نہیں کرتے تھے، (بیہقی فی الخلافیات والزیلعی فی نصب الرایہ ص ۱/۴۰۴) حاکم نے اس کو باطل وموضوع کہا، مگر اس کی تخریج زیلعی کی سند صحیح ہے، اور حضرت ابن عمرؓ سے فعلاً ترکِ رفع روایتِ مجاہد سے ثابت ہے تو پھر اس روایتِ مرفوعہ کی صحت میں بھی استبعاد نہیں ہے، حاکم کا جواب نیل ص ۱۳۷ میں ہے۔ (معارف ۲/۴۹۷)

(۵) حدیث ابن عباسؓ (جو ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے) کہ حضور علیہ السلام نے سات جگہوں کے علاوہ رفع یدین سے منع فرمایا (طبرانی مرفوعاً، ابن ابی شیبہ موقوفاً، جزء رفع الیدین للبخاری تعلیقاً عن ابن عباس ومرفوعاً عن ابن عمر وبزار وبیہقی وحاکم موقوفاً ومرفوعاً عنہما کمافی الزیلعی (اوجز ص ۱/۲۰۶)

(۶) حدیثِ جابر بن سمرہؓ، مالی اراکم رافعی، ایدیکم کانھا اذ ناب خیل شمس، اسکنوا فی الصلوٰۃ (مسلم، ابوداؤد والنسائی) اس کو صرف سلام نماز کے وقت کے لئے قرار دینا غلط ہے کیونکہ الفاظ عام ہیں، دوسرے یہ کہ حدیثِ مذکور دو طریقوں سے مروی ہے، تمیم بن طرفہ کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام تشریف لائے اور آپ نے نماز کے درمیان لوگوں کو ایک کے بعد ایک کو ہاتھ اٹھاتے دیکھا اور منع کی اور نماز میں سکون اختیار کرنے کا بھی حکم فرمایا، دوسری روایتِ عبید اللہ القبطیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ نماز ہو رہی تھی، اور آپ نے سلام کے وقت لوگوں کو ہاتھ اٹھاتے دیکھ کر اس سے روکا اور سلام کا طریقہ سمجھایا۔ اس روایت میں اسکنوا فی الصلوٰۃ نہیں ہے۔ اس لئے کہ نماز سے نکلنے کے وقت کیا تھا۔ (اوجز ص ۱/۲۰۶ وفتح الملہم ص ۲/۱۴)

امام بخاری کا نقد اور تشدد

آپ نے جزء رفع الیدین میں لکھا:۔ بعض بے علم لوگوں نے حدیث جابر بن سمرہ سے بھی ترکِ رفع پر استدلال کیا ہے حالانکہ وہ تشہد میں ہے نہ کہ قیام میں۔ لوگ تشہد میں ایک دوسرے کو سلام کیا کرتے تھے، اس کو آپ نے منع فرمایا۔ اس کے بعد امام بخاری نے لکھا کہ اس حدیث سے استدلال وہ شخص نہیں کرے گا جس کو کچھ بھی علم کا حصہ ملا ہو۔ اور اگر اس کی بات صحیح ہوتی تو نماز کی تکبیر تحریمہ کے وقت اور نماز عید

کی تکبیرات کے وقت بھی رفع یدین ممنوع ہوتا۔ کیونکہ حدیث میں کوئی استثناء نہیں ہے۔

اس کے بعد امام بخاری نے جابر بن سمرہ کی دوسری حدیث بھی نقل کی اور لکھا کہ اس سے ڈرنا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف وہ بات منسوب کردی جائے جو آپ نے نہیں فرمائی، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ اس کے حکم کے خلاف کرتے ہیں ان کو اس سے ڈرنا چاہئے کہ وہ کسی آزمائش وفتنہ میں مبتلا نہ ہوجائیں یا خدا کی طرف سے ان پر عذاب الیم نازل نہ ہوجائے۔

اس کے بعد کم علم لوگوں کے جوابی معروضات ملاحظہ ہوں:۔ امام مسلم نے ''باب الامر بالسکون فی الصلوٰۃ'' میں پہلے تمیم بن طرفہ کی روایت سے جابر بن سمرۃ سے حدیث نقل کی کہ حضور علیہ السلام ہماری طرف نکل کر آئے اور فرمایا کہ یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں ہاتھ اٹھاتے اس طرح دیکھتا ہوں جیسے کہ گویا وہ بے چین ومضطرب گھوڑوں کی دم ہیں۔ نماز کے اندر سکون اختیار کرو۔ دوسری حدیث عبیداللہ بن القبطیہؒ کی روایت سے جابر بن سمرہ ہی سے اس طرح روایت کی کہ جب ہم لوگ حضور علیہ السلام کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، تو ہم ایک دوسرے کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا کرتے تھے، (راوی نے دائیں بائیں اشارہ کرکے بتلایا) تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:۔ گھوڑوں کی ہلتی ہوئی دموں کی طرح ہاتھوں سے اشارے کیوں کرتے ہو؟ بس اتنا کافی ہے کہ ہاتھ رانوں پر رکھے رہیں اور دائیں بائیں اپنے بھائی کو سلام کہو۔

مسلم میں تیسری حدیث بروایت عبیداللہ ہی جابر بن سمرہؓ سے اس طرح ہے کہ میں نے حضور علیہ السلام کے ساتھ نماز پڑھی پس جب ہم سلام پھیرتے تھے تو اپنے ہاتھوں کے اشارہ کے ساتھ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا کرتے تھے، رسول اکرم ﷺ نے ہماری طرف دیکھا تو فرمایا:۔ یہ کیا تم گھوڑوں کی ہلتی ہوئی دموں کی طرح ہاتھوں سے اشارے کیا کرتے ہو؟ سلام پھیرتے وقت اپنی بھائی کی طرف رخ کرنا کافی ہے، ہاتھ سے اشارہ نہ کرے۔

ہم نے تینوں حدیث نقل کردیں تاکہ بات صاف ہوجائے، اور ہر شخص سمجھ سکے کہ سب میں ایک ہی مضمون ہے یا الگ الگ موقع پر حضور علیہ السلام نے جدا جدا ہدایت دی ہے۔ ایک تو یہی فرق ہے کہ حضور نے باہر سے نماز کے اندر لوگوں کو ہاتھ اٹھاتے دیکھا، اور دوسرے موقع پر خود حضور علیہ السلام نے جماعت سے نماز پڑھائی اور سلام کے وقت ہاتھوں کے اشارے دیکھے، نماز کے اندر ہاتھ اٹھانا رفع یدین کی صورت بتاتا ہے اور سلام کے وقت ہاتھوں سے اشارہ دوسری طرح ہوتا ہے، اس میں رفع یدین نہیں ہوتا۔

جس موقع پر آپ نے باہر سے دیکھا اور رفعِ یدین کو روکا اس کے ساتھ نماز کے اندر سکون کا بھی حکم دیا، اور جب سلام کے وقت دیکھا تو نماز ختم ہورہی تھی، اس موقع پر اسکنوا فی الصلوٰۃ کا نہ موقع تھا اور نہ آپ نے فرمایا۔ نہ راوی نے اس کو ذکر کیا۔

بذل المجہود ص ۲۱۸ میں زیادہ بہتر طریقہ پر امام بخاری کے نقد کا جواب دیا گیا ہے۔ اس میں مسلم۔ ابوداؤد۔ نسائی ومسند احمد سب کی روایتوں کے حوالے نقل کئے ہیں اور نسائی میں راوی نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ حضور علیہ السلام ہماری طرف نکل آئے تو ہم نماز کے اندر تھے، اور ہم نے اپنے ہاتھ نماز کے اندر اٹھائے تھے، یہاں شوکانی نے بھی کچھ دخل دیا ہے، جس کا جواب ملا علی قاری اور زیلعی نے خوب دیا ہے۔ اور صاحب عون المعبود نے لکھا کہ طحاوی وعینی ایسا جواب دیتے تو تعجب نہ تھا۔ امام زیلعی ایسے محدثِ کبیر ومنصف کے جواب پر بہت تعجب ہے، اور کہا کہ جب راوی جابر بن سمرہ ایک ہے تو حدیث بھی ایک ہی ہونی چاہئے، اس کو نقل کرکے صاحبِ بذل نے لکھا کہ اگر صاحبِ عون المعبود کو علوم نبوۃ سے کچھ حصہ ملا ہوتا تو نہ وہ امام زیلعی کی تحقیق پر تعجب کا اظہار کرتے اور نہ دوسری بات کہتے کیونکہ آج تک کسی بھی اہلِ علم نے وحدتِ راوی سے وحدتِ مرویات پر استدلال نہیں کیا ہے، لیکن چونکہ وہ امام بخاری کے مقلد محض ہیں اور خود کے علم میں کمی ہے، اس لئے ایسی بات لکھ گئے اور امام بخاری کی تائید کردی۔ رہا امام بخاری کا تکبیر تحریمہ وتکبیراتِ عیدین والا اشکال تو اس کا جواب یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ

کے وقت کا رفع یدین حضور علیہ السلام سے بلاخلاف ثابت ہے (اور وہ نماز کے شروع کے لئے ہے، داخل صلوٰۃ بھی نہیں) اور اس کا ترک بھی حضور سے ثابت نہیں جس طرح رکوع کے وقت کا ترک احادیث و آثار سے ثابت ہے۔ اور عیدین کا رفع یدین حنفیہ کے یہاں اختلافی ہے، امام ابو یوسف نے اس کا انکار کیا ہے۔ لہٰذا الزام تام نہیں۔ (بذل المجہود ص ۲\۱۹)

(۷) حدیث سیدنا علیؓ کہ آپ نماز کی پہلی تکبیر پر رفع یدین کرتے تھے، پھر رفع نہیں کرتے تھے، یہ اثر صحیح ہے اور موقوفاً و مرفوعاً دونوں طرح مروی ہے، (طحاوی، ابن ابی شیبہ، بیہقی و کتاب الحجج والموطأ للامام محمد) حافظ ابن حجر نے بھی اس کے رجال کی توثیق کی، عینی نے اس کی سند کو شرط مسلم پر بتلایا۔ (اوجز ص ۱\۲۰۶)

رجال و رواۃ احادیث رفع یدین کی زیادہ بہتر، مفصل و مدلل بحث اعلاء السنن ص ۳\۳ وص ۳\۵۵ میں اور حضرت شاہ صاحبؒ کے رسائل نیل الفرقدین وغیرہ میں ہے،

ترجیح ترکِ رفع یدین کے آثار

(۱) اثر حضرت عمرؓ (طحاوی و بیہقی و ابن ابی شیبہ) سندہ علی شرط مسلم (اوجز ص ۱\۲۰۶) (۲) اصحاب علیؓ (ابن ابی شیبہ) (۳) اصحاب ابن مسعودؓ (ابن ابی شیبہ) (۴) حضرت ابو ہریرہؓ (کتاب الحجج من طریق مالک) (۵) حضرت ابن عمرؓ (موطأ امام محمدؒ، طحاوی، ابن ابی شیبۃ و بیہقی فی المعرفۃ وسندہ صحیح) (۶) ابوسعید خدری (بیہقی) (۷) ابوبکر بن عیاش نے (جو رجال بخاری میں سے ہیں اور ثوری، ابن مبارک و امام احمد وغیرہم کے مشائخ میں سے ہیں کہ) کہ میں نے کسی فقیہ کو نہیں دیکھا جو رفع یدین کرتا ہو بجز تکبیر تحریمہ کے۔ (طحاوی) (۸) شعبی (ابن ابی شیبہ) (۹) قیس (〃) (۱۰) ابن ابی لیلیٰ (〃) (۱۱) اسود (〃) علقمہ (〃) (۱۳) ابواسحٰق (〃) یہ سب صرف افتتاح صلوٰۃ کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔

نوٹ: ان میں سے حضرت علی و حضرت ابن عمر وغیرہ ایسے صحابی بھی ہیں جن سے مرفوعاً رفع یدین مروی ہے اور خود ان کے عمل سے ترک رفع عند الرکوع بھی مروی ہے، تاہم حضرت ابن مسعودؓ سے مرفوعاً بھی اور خود ان کے عمل سے بھی ایک ہی بات نقل ہوئی ہے کہ بجز تحریمہ کے رفع یدین نہیں ہے۔

اصولی اعتبار سے جن صحابۂ کرام سے باوجود روایت حدیث کے بھی خود اس کے خلاف عمل ثابت ہو تو وہ اس حدیث کے نسخ کی علامت قرار دیا گیا ہے، پھر حضرت علیؓ اور آپ کے اصحاب سے نیز حضرت ابن مسعودؓ و آپ کے اصحاب سے بھی ترک رفع عملاً ثابت ہوا تو اس سے یہی بات راجح ہوتی ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کا آخری عمل ترک ہی دیکھا ہوگا، مگر چونکہ یقینی بات نہیں ہے، اس لئے سنت رفع و ترک دونوں کو ہی مانا جائے گا، البتہ ترجیح ترک رفع یدین تعامل اہل مدینہ و اہل کوفہ اور آثار مرویہ کی وجہ سے ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

کوفہ کی مرکزیت: حرمین شریفین کے بعد سرزمین کوفہ کو ہی یہ شرف حاصل ہوا کہ ہزاراں ہزار صحابہ کا وہاں ورود ہوا اور ڈیڑھ ہزار صحابہ نے تو اس کو اپنا وطن بھی بنالیا تھا، کوفہ کی تعمیر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہوئی تھی، اور آپ نے اہل کوفہ کی دینی تعلیم و تربیت کے لئے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ و حضرت عمارؓ کو بھیجا تھا، ان کے وہاں پہنچتے ہی کوفہ کے گوشہ گوشہ میں علمی حلقے بن گئے، اور کتاب و سنت کے دروس جاری ہو گئے تھے، پھر جب حضرت علیؓ نے کوفہ کو دار الخلافہ بنایا تو حضرت ابن مسعود کے حق میں بڑی مسرت کے ساتھ فرمایا کہ اللہ ان پر رحم کرے، انہوں نے اس بستی کو علم کی دولت سے مالا مال کر دیا اور ان کے تلامذہ و اصحاب کو سراجہائے امت محمدیہ کے لقب سے نوازا، آپ کے تلامذۂ فقہ و حدیث کی تعداد چار ہزار بتلائی گئی ہے، ابن سیرین کا بیان ہے کہ میں جب کوفہ گیا تو بیک وقت چار ہزار طلباء کو حدیث کا علم حاصل کرتے ہوئے پایا۔ امام بخاری نے فرمایا کہ میں شمار نہیں کر سکتا کہ تحصیل علم کے لئے کتنی بار کوفہ و بغداد گیا ہوں، اس پر ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ امام بخاری و حمیدی نے کوفہ و بغداد کے لوگوں سے بہ کثرت امام اعظم کے مناقب و فضائل بھی ضرور سنے ہوں گے، مگر بجز

ان کی برائیوں کے کبھی کوئی منقبت ذکر نہیں کی۔ بات بڑے تعجب وافسوس کی ہے خصوصاً جبکہ امام بخاری کے مشائخ میں بھی اکابر حنفیہ ہیں۔
پھر بقول بعض محققین کے امام بخاری نے رواۃ کی جانچ میں تو بڑی سختی کی ہے، مگر جہاں وہ کسی علمی بحث کے اندر دوسرے واقعات بھی اپنی تائید کیلئے پیش کرتے ہیں کیا ان واقعات کی صحیح سند ضروری نہ تھی؟ نمبر ۳۷ میں بجائے حدیث کے امام بخاری نے استدلال میں صرف عبد اللہ بن مبارک کا ایک واقعہ پیش کیا ہے اور وہ بھی بلا کسی سند وحوالہ کے جس کے بعد امام اعظمؒ کو غوی وگمراہ لوگوں سے بھی تشبیہ دی ہے، کیا اتنے بڑے مقتدائے اعظم پر بلا سند وحوالہ کے اتنا بڑا ریمارک کر دینا درست تھا؟ نہ قال ابن المبارک کی کوئی سند ہے جبکہ ان کی وفات ۱۸۱ھ میں ہوئی ہے اور امام بخاری ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے، تو انہوں نے ابن مبارک کا قول کس سے سنا اس کا ذکر ضروری تھا، تاکہ سند منقطع نہ ہوتی اور اس کڑی کی جانچ ہو سکتی ممکن ہے نعیم خزاعی سے سنا ہو جو امام اعظمؒ کے بارے میں جھوٹی باتیں گھڑ کر پھیلایا کرتے تھے یا اپنے استاد حمیدی سے سنا ہو، وہ بھی امام صاحب کے بارے میں بے سند روایات بیان کیا کرتے تھے۔ اسی قصہ میں آگے امام بخاری نے قال وکیع کہا تو یہاں بھی ضروری تھا کہ بتلاتے کس سے سنا، کیونکہ امام وکیع کی وفات ۱۹۷ھ میں ہوگئی تھی، امام بخاری اس وقت تین سال کے تھے، جس واسطے سے وکیع کی بات سنی تھی، ان کا نام کیوں نہیں بتلایا؟ اول تو ایک حدیثی تحقیقی رسالہ کی شان سے ہی یہ بعید تھا کہ بجائے حدیث کے کسی کے قول یا واقعہ سے استدلال کیا جائے، اگر ہزار لاکھ بھی کسی بڑے سے بڑے کے اقوال وواقعات ہوں تو وہ حدیثِ رسول کی برابر نہیں ہو سکتے، اور پھر وہ اقوال و واقعات بھی بے سند وحوالہ کے ان کی کیا قیمت ہو سکتی ہے کہ ان کی بنا پر امام اعظم جیسی مقتدر ہستی کو گمراہوں سے مشابہ قرار دے دیا گیا۔

اس قسم کے استدراکات امام بخاری کے رسالہ رفع یدین ورسالہ قراءۃ خلف الامام اور تاریخ صغیر وکبیر پر بہت سے ہو سکتے ہیں، جو یہاں موجب طوالت ہوں گے، اگر ضرورت ہوئی اور عمر نے وفا کی تو اس کے لئے مستقل تالیف پیش ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ امام بخاری نے فرمایا کہ میں نے کبھی کسی کی غیبت نہیں کی، لیکن یہ تو غیبت سے بھی کہیں زیادہ ہے کہ امام اعظمؒ کی طرف کتنی ہی بے سند اور غلط سلط سنی ہوئی باتوں پر یقین کر کے ان کو اپنی تاریخ صغیر وکبیر اور اپنے حدیثی رسائل میں نقل کر دیا۔ ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ابن حزم کا طریقہ ہے کہ وہ بے سند باتوں کا طومار باندھ کر اور کہیں اجماع کا دعوے بے دلیل کر کے اور کہیں سخت کلامی اور زور بیان کے ذریعے اپنا مدعا ثابت کیا کرتے ہیں۔ مگر اس سے زیادہ کیا امام بخاریؒ نے امام اعظمؒ وحنفیہ کے خلاف قرآن مجید کی آیاتِ وعید واحادیث اور سخت کلامی وغیرہ کا استعمال نہیں کیا؟ حضرتؒ امام بخاری کیلئے بعض اوقات فرمادیا کرتے تھے کہ ان کا حال وہ ہے کہ زبردست مارے اور رونے نہ دے۔

یہ بات بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ سارے حنفی امام بخاری سے پٹتے رہے اور ادب لحاظ یا ڈروخوف کے سبب سے کسی نے رونے کی بھی جرأت نہیں کی، لوگ مطعون کریں گے امام بخاری ایسے عظیم المرتبت انسان کے خلاف لب کشائی کرتا ہے مگر یہ نہ دیکھا کہ امام بخاری نے اپنے بڑوں کے بڑوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا تھا۔ آخر میں حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ اب بوڑھا ہو گیا ہوں اس لئے صبر وضبط نہ رہا، اور امام بخاری کے بارے میں کچھ کہتا ہوں، ورنہ ساری عمر ان کا ادب مانع رہا ہے، راقم الحروف بھی اپنی عمر کے آخری مراحل میں ہے، شاید اسی لئے اپنے شیخ کی سنت پر عمل کر رہا ہے اور حق بات کہنے میں کسی کی رعایت ہونی بھی نہ چاہیے **نحن رجال و هم رجال و الله یرحمنا و ایاهم۔**

ترجیح ترک رفع یدین کے سلسلہ میں دوسرے دلائل کے علاوہ اہل مدینہ واہل کوفہ کا تعامل، اور اصحاب ابن مسعود واصحاب علیؓ کا ترک رفع بھی حنفیہ ومالکیہ کے پاس بہت بڑی حجت ہے۔ اس لئے صرف ترجیح کی وجہ سے ان کو ہدف طعن وتشنیع بنانا انصاف سے بہت بعید ہے۔ اسی لئے ہم نے امام بخاری کے رسالہ کو خاص طور سے سامنے رکھ کر اس مسئلہ کی بحث کو زیادہ تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ **و الله یحق الحق وهو خیر الفاصلین. و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین.**

افادات اکابر: بطور تکمیل بحث مناسب معلوم ہوا کہ اپنے اکابر اساتذہ کے بھی چند افادات علمیہ کا اضافہ کر دیا جائے، واللہ المصوب والمدد:۔

حضرت استاذ الاساتذہ مولانا محمود حسنؒ

فرمایا:۔ حدیثی روایات تو اس باب میں مختلف ومتنوع ہیں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ کبھی تو صاحب شرع نے بعض احکام میں تدریجی طور سے تضییق وتنگی کے بعد تسہیل ووسعت کو اختیار کیا ہے جیسا کہ کلاب واوانی خمر کے بارے میں کہ ابتداء میں کتوں کو مار ڈالنے کا حکم تھا اور شراب کے برتنوں کا استعمال بھی ممنوع تھا، پھر ان احکام کو نرم کر دیا گیا، اور بعض احکام میں اس کے برعکس ہوا ہے کہ پہلے توسع ہوا اور بعد کو پھر تنگی آئی، جیسے نماز میں ابتدائی دور کے اندر کچھ اقوال وحرکات مباح تھے، پھر ان کو ممنوع کر دیا گیا، اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رفع وترک کا زیر بحث مسئلہ بھی اس دوسری قسم سے ہے کہ شروع میں ہر رفع وخفض کی تکبیرات کے ساتھ رفع یدین بھی تھا **(کما فی روایۃ الطحاوی فی مشکل الاثار و اعترف الاوزاعی انہ کان فی الاول،** پھر ۶ جگہ رہا، اس کے بعد تین مواضع میں باقی رہ گیا، جس کو شافعیہ نے اختیار کیا، پھر تکبیر تحریمہ کے علاوہ باقی دو بھی (قبل الرکوع وبعد الرکوع) والے رفع متروک ہو گئے،

پس اوسع المسالک ان کا ہے جو ہر تکبیر پر رفع یدین کے قائل رہے جیسے ابن حزم ظاہری اور دوسرے بعض اہل الظاہر پھر اس سے کم مواضع میں رفع یدین کے قائل ابن المنذر (وامام بخاری) وغیرہ ہوئے جن کا درجہ ائمہ اربعہ سے اجتہاد میں نازل تھا، پھر امام احمد وشافعی کا مشہور مسلک ہے، اس کے بعد سب سے کم وسعت والا مسلک اس ذات والا صفات کا ہے جس کے بارے میں امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ساری امت کے فقہاء فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کے عیال ہیں کہ فقہائے امت محمدیہ کی سرپرستی امام صاحب نہ فرماتے تو وہ سب بے یارومددگار اور لاوارث وبے کس یتیم کی طرح ہوتے۔ اور اسی مسلک کو امام دار الہجرۃ امام مالکؒ اور آپ کے اصحاب وتلامذہ ومتبعین نے بھی اختیار کیا، اور اسی کی موافقت حضرات صحابہ کرام میں سے سیدنا حضرت عمرؓ وسیدنا علیؓ وسیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کے تعامل سے حاصل ہوئی، جو مجتہدین امت کے سردار اور فقہائے صحابہ کے قائد اعظم تھے امام مسلم نے تابعی جلیل القدر مسروق سے روایت کی کہ میں نے اصحاب الرسول ﷺ کے علوم وکمالات پر نظر کی تو دیکھا کہ ان سب کا علم چھ اصحاب کی طرف منتہی ہوتا ہے کہ وہ تفقہ میں سب سے آگے ہیں، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوالدرداء، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، کہتے ہیں، پھر میں نے مکرر نظر کی تو دیکھا کہ ان سب میں حضرت علی وعبداللہ بن مسعودؓ کا مرتبہ بلند تر ہے۔ پھر یہ سب بھی مثلاً حضرت ابن مسعودؓ حضرت عمرؓ کے اور حضرت عمر حضرت علی وابن مسعودؓ کے بڑے قدر دان اور ایک دوسرے کے مداح تھے۔ حضرت علی ابن مسعود کی مدح میں رطب اللسان رہتے تھے۔

شیخ ابن الہمام نے لکھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ شرائع اسلام اور حدود شریعت کے سب سے بڑے عالم تھے، اپنی زندگی میں ہمیشہ احوال نبویہ کا تفقد کرتے رہے، ہر وقت حضور کے ساتھ رہتے تھے اقامت میں بھی اور سفر میں بھی، اور حضور علیہ السلام کے ساتھ لاتعداد نمازیں پڑھی ہیں، لہٰذا تعارض روایات کی صورت میں بہ نسبت دوسروں کے ان ہی کے قول کو ترجیح ہونی چاہیے (فتح الملہم ص ۲/۱۶)

امام بخاری نے اپنے رسالہ میں پورا زور حضرت ابن عمرؓ کی روایات پر دیا اور حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کو کوئی اہمیت نہیں دی، بلکہ ایک طرح سے اس کو گرانے کی صورت نکالی، جس کے جوابات مطولات میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی دو جگہ بڑے طمطراق سے دعوئے کر دیا کہ کسی بھی صحابی سے ترک رفع ثابت نہیں ہے، جبکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ امام مالکؒ نے احادیث وآثار صحابہ وتابعین کے ساتھ تعامل اہل مدینہ پر نظر کر کے ہی ترک کا فیصلہ کیا تھا جو ان کا اور ان کے اصحاب وتابعین کا مشہور مذہب قرار پایا، اور سارے اہل کوفہ کا مذہب ترک رفع کو توسب ہی محدثین ومورخین اسلام نے تسلیم کیا ہے، مدینہ طیبہ اور کوفہ کے کتنے ہی صحابہ وتابعین کے تعامل کو یکسر نظر انداز کر دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ پھر اگر صرف ابن مسعود ہی کے ترک رفع کو لیا جائے تو کیا وہ صحابی نہ تھے، کہ امام بخاری نے فرما دیا کہ کسی صحابی سے بھی ترک ثابت نہیں

ہے۔یا وہ بجائے ترک رفع کے رفع یدین کیا کرتے تھے؟ جبکہ علماء امت میں کسی کا بھی قول اس کے لئے پیش نہیں کیا جا سکتا۔کیا امام بخاری نے یہ سمجھا تھا کہ دنیا میں صرف میری کتاب اور میری تاریخ اور میرے ہی رسائل کا چلن ہوگا اور جو فیصلہ بھی میں نے کر دیا اس کو چیلنج کرنے والا کوئی نہ ہوگا، افسوس ہے کہ اس طرح کی بات سواء قال اللہ وقال الرسول کے دنیا کے کسی بھی بڑے کی نہیں چل سکتی کہ اس کو چک نہ کیا جا سکے، ہم نے بطور نمونہ چند باتوں پر نقد کیا ہے اوران کی جواب دہی ضروری سمجھی تھی اس لئے ان کو درج کر دیا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ نے ایک دوسری بات بھی فرمائی کہ میرے نزدیک قوی رائے یہ ہے کہ یا تو قبول زیادۃ ثقات کے اصول سے اثبات رفع کو ہر خفض ورفع کے لئے مان لیا جائے اور یا بجز تحریمہ کے ہر رفع کے ترک کو راجح سمجھا جائے، کیونکہ وہ نماز کی اصل وبنیاد کے لئے سب سے زیادہ ضروری چیز ہے یعنی خشوع وسکون یا خشیت وانابت جیسا کہ وہ امام صاحب کا مذہب بھی ہے اور عمل بالبعض وترک بعض انصاف کے خلاف معلوم ہوتا ہے (فتح الملہم ص ۱۷/۲)

افادات علامہ کشمیری رحمہ اللہ

فرمایا:۔حضرت ابن عمرؓ نے جو اپنی روایات میں صرف دو جگہ کے رفع یدین پر زور دیا ہے وہ صرف اس لئے کہ انھوں نے اکثر لوگوں سے ترک رفع دیکھا اور زیادہ لوگ اس کے منکر ہوں گے، کیونکہ بغیر دوسری صفات نماز کے بیان کے صرف اسی طرف ان کی وجہ واصرار اسی لئے ہوا ہوگا کہ تارکین وجاحدین ومنازعین کی کثرت ہوگی، اور سلف سے اس بارے میں کوئی نزاع واختلاف اس لئے نقل نہیں ہوا کہ ان کے نزدیک دونوں جانب رفع وترک کی برابر تھیں، اس کے بعد جب نزاع واختلاف پیدا ہو گیا تو ضرورت محسوس کی گئی کہ صرف ایک سنت پر اکتفا کیوں ہو اور دوسری بھی کیوں نہ جاری رہے، اور اس طرح یہ بھی ممکن ہے کہ بعد کے زمانہ میں رافعین کی کثرت ہوگئی ہو۔اور تارکین کم ہو گئے ہوں، اس لئے میری رائے ہے کہ جن امور میں اختلاف ونزاع عہد رسالت میں نہ تھا اور بعد کو پیدا ہوا ہے ان میں فیصلہ صحابہ وتابعین کی قلت وکثرت سے بھی نہ ہونا چاہیئے، بلکہ صرف حضور علیہ السلام کے عمل کی قلت وکثرت پر فیصلہ کرنا چاہئے۔اور جن امور میں صحیح طور سے آپ کے متعلق عمل کی قلت وکثرت محقق نہ ہو سکے ان میں دونوں طرح کے عمل کو سنت قرار دینا چاہیئے، اور جس امر کو بھی ترجیح دے کر عمل کر لیا جائے وہ اتباع سنت ہی ہوگا۔کسی کے بھی عمل پر نکیر وتشنیع یا لعن وطعن کرنا جائز نہیں۔والامر الی اللہ

یہ میری آخری درجہ پر رائے ہے ورنہ جس طرح امام مالک نے تعامل اہل مدینہ کو دیکھ کر ترک رفع کو راجح قرار دیا اور امام صاحب نے اور آپ کے اصحاب نے اہل کوفہ واہل مدینہ دونوں کے تعامل کی وجہ سے بھی ترک کو راجح کیا۔اس سے یہ بات نکل سکتی ہے کہ حضور علیہ السلام کے کثرت ترک کو دیکھ کر ہی صحابہ اہل مدینہ اور صحابہ واہل کوفہ نے ترک کو اختیار کیا ہوگا۔وہ حضرات بدوں اس کے رفع کو ترک نہ کر سکتے تھے، مگر پھر بھی چونکہ یہ چیز یقینی نہیں ہے، اس لے ہم اس پر فیصلہ نہیں کر سکتے۔واللہ ولی الامور

فرمایا:۔میرے نزدیک شافعیہ نے جو یہ اختیار کیا کہ وہ رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کرتے ہیں اور انھوں نے اس کو کھڑے ہونے کے لئے سمجھا اس لئے اس سے پہلے کرتے ہیں وہ غلط ہے، وہ اس وقت ہونا چاہیئے کہ جب بالکل سیدھا کھڑا ہو جائے۔کتاب المسائل لابی داؤد میں امام احمدؒ سے بھی یہی منقول ہے، کیونکہ وہ سجدہ کے لئے جانے کے واسطے ہے۔ایسے ہی میری رائے یہ بھی ہے کہ شافعیہ جو مقتدی کے لئے تسمیع وتحمید جمع کرنے کو کہتے ہیں وہ بھی درست نہیں، کیونکہ تحمید مقتدی تسمیع امام کے جواب میں ہے، لہٰذا اس کو کھڑے ہو کر کہنا چاہیئے۔انتقالی حرکت کے دوران میں نہیں ہے۔شافعیہ کے طریقہ کے لئے نہ حدیث میں دلیل ہے اور نہ سلف میں کسی نے اس پر عمل کیا بجز ابن سیرین کے۔امام شافعی کے نزدیک چونکہ امام ومقتدی کا ربط ضعیف ہے، اس لئے ان کا اصول یہ ہوا کہ جو کچھ امام کرے وہ مقتدی بھی کرے، اور چونکہ امام تسمیع وتحمید دونوں کو ایک ساتھ جمع کرتا ہے، اس لئے مقتدی کے لئے وہی حکم سمجھا گیا، حالانکہ تحمید، تسمیع کے جواب میں ہے اور مقتدی کو اس کی ضرورت بھی نہیں ہے،

حضرتؒ نے محدثین کے مبالغات پر بھی اچھی روشنی ڈالی اور مشتغلینِ حدیث کے لئے بہت کام کی باتیں ذکر کیں، ان کا مطالعہ معارف السنن ص۴۶۳/۲ اور فیض الباری ص ۲/۲۵۸ میں کرلیا جائے۔ مختصر یہ کہ امام بخاری نے لکھا کہ سترہ صحابہ نے رفع کی احادیث روایت کی ہیں، علامہ ابن عبدالبر نے رواۃ رفع کی تعداد ۴۳ لکھی، بیہقی نے ۳۰ لکھی، عراقی نے پچاس تک عدد پہنچادیا۔ حالانکہ ان میں صرف تحریمہ والی بھی ہیں، جن میں مواضع ثلاثہ کا کچھ ذکر نہیں، پھر بیہقی نے خود اقرار کرلیا کہ ۳۰ میں سے ۱۵ کی اسناد صحیح ہیں، حالانکہ ان میں بھی متکلم فیہ حدیث ہیں، غرض عدد گھٹتے گھٹتے پانچ یا چھ کا رہ گیا، یہ محدثین کے مبالغات کا حال ہے۔ اور دوسری جانب بھی ترک رفع کی بھی چھ سات احادیث ہیں، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، ابوہریرہ، ابن عمر، براء اور کعب بن عجرہ کی اور اوپر ان کا ذکر آچکا ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر ان کے ساتھ وہ احادیث بھی شامل کرلیں کہ جن میں نماز کی ساری کیفیت بیان ہوئی ہے اور اول تکبیر تحریمہ پر رفع کا ذکر بھی ہے مگر ان میں رفع یدین عندالرکوع کا کوئی ذکر نہیں ہے، تو ہماری احادیث کی تعداد رفع والی احادیث سے زیادہ ہوجاتی ہے۔ مثلاً دارقطنی **باب ذکر الرکوع و السجود وما یجزی فیہما** ص۱/۳۴۵ (طبع السید عبداللہ ہاشم یمانی بالمدینۃ المنورۃ) میں حدیث انسؓ میں پوری نماز کی تفصیل اور صرف اول تکبیر پر رفع یدین ہے پھر نہیں ہے۔ اسی طرح التاج الجامع للاصول ص۱۶۹/ا باب الرکوع والتسبیح فیہ میں ابوحمید الساعدی سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

افادات شیخ الحدیث دامت برکاتہم

آپ نے اوجز ص ۱/۲۰۸ میں لکھا:۔ احادیث صحیحہ مرویہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ خود امام بخاری نے فرمایا کہ مجھے ایک لاکھ حدیث صحیح اور دولاکھ غیر صحیح یاد ہیں، اور فرمایا کہ میں نے اپنی صحیح میں صرف صحیح درج کی ہیں مگر جو بخوف طوالت ترک کردی ہیں وہ کہیں زیادہ ہیں اور وہ بھی صحیح ہیں۔ صحیح بخاری میں بحذف مکررات صرف چار ہزار حدیث ہیں، گویا ۲۵/۱ ذکر کی ہیں، امام احمدؒ نے فرمایا کہ صحیح حدیثوں کی تعداد سات لاکھ اور کچھ ہے، علامہ سیوطیؒ نے کہا:۔ اگر بہت تتبع وتلاش کروں تو موجودہ مسانید، جوامع وسنن واجزاء وغیرہ میں ایک لاکھ یا پچاس ہزار تک بھی تعداد غیر مکرر کی نہ ہوسکے گی۔ پھر رجال میں بھی کلام بہت زیادہ ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ ائمہ کبار کے عمل سے ان کی صحت پہچانی جائے، اور یہاں ترک رفع کی احادیث وآثار صحابہ وتابعین کو بھی ہم نے دیکھا کہ ان کو اکبر الائمہ امام اعظم، آپ کے صاحبین، اور جمیع علماء کوفہ، اور امام مالک وامیر المومنین فی الحدیث ثوریؒ نے معمول بہا بنایا ہے تو اس کے بعد مزید تصحیح وتوثیق کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟ علامہ شعرانی نے کشف الغمہ میں لکھا کہ میں نے اس کی احادیث کی تخریج اس لئے نہیں کی کہ یہ وہ احادیث ہیں جن کو ائمہ مجتہدین نے اپنے مذاہب کے لئے معمول بہا بنایا ہے۔ لہٰذا ان میں دوسرے محدثین کی جرح بے اثر ہے، اور ہمیں کسی حدیث واثر کی صحت کے لئے اس سے کسی مجتہد کا استدلال کافی ہے۔

حضرت دام ظلہم نے یہ بھی فرمایا کہ علاوہ احادیث وآثار مؤیدہ ترک رفع کے ہمارے پاس ایک وجہ وجیہ یہ بھی ہے کہ جب کبھی روایات میں اختلاف پیش آتا ہے تو حنفیہ کا طریقہ ہے کہ وہ اپنے عمل کے لئے وہ شکل اختیار کرتے ہیں جو اوفق بالقرآن ہوتی ہے، جس کی نظائر بہ کثرت ہیں مثلاً ادعیہ صلوٰۃ وقنوت وتر میں اوفق بالقرآن کو لیا، یا آیت **و اذا قریٔ القرآن فاستمعوا لہ و انصتوا** سے مقتدی کے لئے قراءۃ کو مرجوح قرار دیا یا آیت **قبل طلوع الشمس و قبل الغروب** سے تاخیر فجر وعصر کو اختیار کیا۔ چنانچہ یہاں ترک رفع کو بھی ہم نے آیت قرآنی **وقوموا للہ قانتین** کے موافق پایا تو اس کو ترجیح دے دی (فتح الملہم ص۲/۱۴ میں آیت **قد افلح المومنون الذین ھم فی صلوتھم خاشعون** کو پیش کیا ہے) ایک وجہ ترجیح حضرت دام ظلہم نے یہ بھی ذکر کی کہ احادیث رفع کی روایت کرنے والے اکثر راویوں کی روایات میں تین جگہ سے زائد میں رفع کا ذکر ہے۔ لہٰذا وہ سب احادیث شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک بھی متروک ہوں گی۔ حضرت عم فیضہم نے اسی طرح ۱۲ وجوہ ترجیح ترک ذکر فرمائی ہیں۔ اوجز ص ۲۰۸/ ۲۰۹ جلد اول میں ملاحظہ کی جائیں۔ **ولکن ھذا اختتام الکلام و مسک الختام. و الحمد للہ رب العالمین.**